جملہ حقوق محفوظ

الہامِ منظوم

ترجمہ اردو

مثنوی مولانائے رومؒ

دفترِ چہارم

اردو ترجمہ از

سیّد عاشق حسین سیماب اکبرآبادی

ذخیرہ
ماڈل ٹاؤن، میانوالی

ناشران

ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

ناشر:- ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور
طابع:- ملک محمد عارف
مطبوعہ:- دین محمدی پریس لاہور
تعدادِ طبع:- ۱۰۰۰
بارِ دوم سنہ ۱۹۶۱ء
قیمت:-

فہرست مضامین

الہام منظوم ترجمہ اردو مثنوی مولانائے روم

دفتر چہارم

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
(۱)	ابتدائے دفتر چہارم	۱
۲	باغ میں بھاگنے والے عاشق کی کہانی۔	۵
۳	ایک واعظ کی کہانی	۹
۴	حضرت عیسےٰؑ اور ایک شخص	۱۲
۵	عاشق و معشوق کا قصہ	۱۳
۶	صوفی اور اُس کی عورت	۱۷
۷	خدا پہلے گناہ میں بندے کو رسوا نہیں کرتا۔	۱۸
۸	عورت کا مرد کو چادر میں چھپانا	۲۰
۹	عورت کا جواب	۲۲
۱۰	خدا اپنے آپکو بصیر و سمیع علیم کیوں کہتا ہے۔	۲۴
۱۱	دنیا بھاڑ اور تقویٰ حمام ہے	۲۶
۱۲	ایک چمڑا رنگنے والیکا قصہ	۲۸
۱۳	دباغ کا علاج	۳۲
۱۴	عاشق کی فریب سے غلط فہمی	۳۴
۱۵	معشوق کا عاشق کے غلط کو رد کرنا	۳۶
۱۶	حضرت علیؓ اور ایک یہودی	۳۹
۱۷	مسجد اقصےٰ کا قصہ۔	۴۳
۱۸	مومن بھائی بھائی اور علما نفس واحد ہیں	۴۵
۱۹	مسجد اقصےٰ کا باقی حصہ	۵۱
۲۰	حضرت عثمانؓ کا آغاز خلافت۔	۵۳
۲۱	آدمی کے متعلق حکماء و انبیاء کا قول۔	۵۷
۲۲	ارشاد رسول اللہؐ	۵۹
۲۳	ملکہ بلقیس اور حضرت سلیمانؑ۔	۶۱
۲۴	حضرت عبداللہ مغربی کی کرامت	۶۵
۲۵	حضرت سلیمانؑ کا قاصدان بلقیس کو واپس کرتا	۶۷
۲۶	ایک عطار اور ایک مٹی کھانے والا شخص	۶۸
۲۷	حضرت سلیمانؑ کا قاصدوں کی دل جوئی کرتا۔	۷۱
۲۸	ایک درویش کا خواب۔	۷۳
۲۹	درویش اور لکڑہارا	۷۴
۳۰	حضرت سلیمانؑ کا قاصدوں کو لوٹنے کی ترغیب دینا۔	۷۷
۳۱	حضرت ابراہیم ادہمؒ کا ترکِ سلطنت	۷۸
۳۲	پانی میں اخروٹ پھینکنے والے کی کہانی	۸۰
۳۳	بے ادب سے تحمل اور رعایت کرنا۔	۸۳
۳۴	حضرت سلیمانؑ کا بلقیس کو عتاب نامہ بھیجنا	۸۴
۳۵	بلقیس کو حضرت سلیمانؑ کی دعوت ایمانی۔	۸۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۶	ابراہیم ادہمؒ کا باقی حصّہ	۸۹	۵۷	بد اصل کے لئے علم ومال کا حصول۔	۱۵۱
۳۷	اہل سبا کا باقی حصّہ	۹۱	۵۸	آیۂ یا ایہا المزمل کی تفسیر۔	۱۵۳
۳۸	بلقیس کا اپنے ملک سے آزاد ہونا۔	۹۲	۵۹	ایک بادشاہ اور اسکا غلام	۱۵۶
۳۹	حضرت سلیمانؑ کا تخت بلقیس کو منگانا	۹۷	۶۰	خلقت کی تین قسمیں۔	۱۵۷
۴۰	حضرت حلیمہ کا قصّہ	۹۸	۶۱	نجاست نجاست کی طرف بڑھتی ہے۔	۱۶۱
۴۱	بوڑھے رہنما کی حکایت	۱۰۰	۶۲	نفس اور عقل کی لڑائی۔	۱۶۱
۴۲	عبدالمطلب کو حضورؐ کے گم ہونے کی خبر ہونا	۱۰۵	۶۳	اُس غلام کا بادشاہ کو رقعہ بھیجنا۔	۱۶۵
۴۳	مقام حضورؐ کے متعلق عبدالمطلب کا پتہ پوچھنا	۱۰۹	۶۴	ایک بڑی پگڑی والے فقیہ کی کہانی۔	۱۶۶
۴۴	حضرت سلیمانؑ و بلقیس کا باقی حصّہ	۱۱۰	۶۵	اہل دنیا کو دنیا کی نصیحت۔	۱۶۸
۴۵	آدمی کا دنیا اور اس کی مرضی پر قانع ہونا۔	۱۱۱	۶۶	عارف کی غذا نور حق ہے۔	۱۷۳
۴۶	حضرت سلیمانؑ اور بلقیس	۱۱۶	۶۷	دنیا کا مغروروں اور نفس گرفتاروں سے خطاب۔	۱۷۴
۴۷	حضرت سلیمانؑ کا مسجد اقصیٰ کو تعمیر کرنا۔	۱۱۸	۶۸	نفسہ فیضہ مرنے سے پہلے کی تفسیر۔	۱۷۶
۴۸	ایک شاعر کا قصّہ	۱۲۳	۶۹	مدعی کو دعوے سے جھڑکنا۔	۱۷۹
۴۹	چند سال بعد شاعر کا پھر آنا	۱۲۴	۷۰	غلام کا طلب اجرت کے لئے رقعہ لکھنا۔	۱۸۲
۵۰	شاعر کا بادشاہ کے پاس شعر لے جانا۔	۱۲۸	۷۱	گدڑی والے مداح کی حکایت۔	۱۸۴
۵۱	اس وزیر کی وزیر فرعون سے مشابہت	۱۳۱			
۵۲	حضرت سلیمانؑ کے مقام پر ایک دیو کا بیٹھنا۔	۱۳۴			
۵۳	مسجد میں حضرت سلیمانؑ کا ہر روز تشریف لیجانا	۱۳۶			
۵۴	قابیل کا کوّے سے گورکنی سیکھنا	۱۳۸			
۵۵	باغ میں مراقبہ کرنے والے صوفی کا قصّہ	۱۴۳			
۵۶	حضرت سلیمانؑ کا غمگین ہونا	۱۴۵			

الہامِ منظوم ترجمہ اردو مثنوی مولانائے روم

دفتر چہارم

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی
کہ گذشت از مہ بنورت مثنوی
اے ضیاء الحق ضیا سے تیری ہی
چاند سے بھی بڑھ گئی ہے مثنوی

ہمتِ عالی تو اے مرتجی
میکشد ایں را خدا داند کجا
ہمت عالی تری اے باشرف
کھینچتی ہے اس کو جانے کس طرف

گردنِ ایں مثنوی را بستہ
میکشی آں سو کہ تو دانستہ
مثنوی کا تو نے باندھا ہے گلا
کھینچتا ہے جس طرف ہے چاہتا

مثنوی پویاں کشندہ ناپدید
ناپدید از جاہلے کش نیست دید
کھینچنے والا ہے اس کا ناپدید
ناپدید اس کو نہیں ہے جس کو دید

مثنوی را چوں تو مبدا بودۂ
گر فزوں گردد تواش افزودۂ
ہے تجھی سے ابتدائے مثنوی
یہ فقط تیرے بڑھانے سے بڑھی

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں
میدہد حق آرزوئے متقیں
تو جو کچھ چاہے وہی چاہے خدا
دیتا ہے وہ متقی کا مدعا

کان لله بودۂ در ما مضے
تا کہ کان الله لہ آمد جزا
دور ماضی میں تو کان؎ لله تھا
اور کان الله لہ اب ہو گیا

؎ حدیث شریف میں ہے۔ کہ مَن کانَ لِلّٰہ کانَ اللّٰہُ لَہ یعنی جو خدا کا ہو خدا اس کا ہو جاتا ہے۔

مثنوی از تو ہزاراں شکر داشت   در دعا و شکر کفہا بر فراشت
مثنوی ہے تیری شاکر بے شمار   ہاتھ اٹھاتی ہے دعا کو بار بار

در لب و کفش خدا شکرِ تو دید   فضل کرد و لطف فرمودہ مزید
دیکھ کر شکر اس کے ہونٹوں میں خدا   فضل اور الطاف کرتا ہے سوا

زانکہ شاکر را زیادت وعدہ است   آنچنانکہ قرب مزدِ سجدہ است
شاکروں سے وعدہ ہے افراط کا   جس طرح ہے قرب سجدوں کا صلا

گفت واسجد واقترب یزدانِ ما   قرب جاں شد سجدۂ ابدانِ ما
بولا واسجد وعلہ واقترب ربّ العلا   قرب جاں ہے سجدہ ان اجسام کا

گر زیادت میشود زیں رو بود   نز برائے بوش و ہاؤ ہو بود
ہے یہ بڑھنا مثنوی کا اس لئے   کب ہے لیکن ہاؤ ہو یا فخر سے

با تو ما چوں رز بتابستاں خوشیم   حکم داری ہیں بکش تا مے کشیم
خوش ہیں جوں انگور تیری دید سے   حکم تو دیتا ہے ہم کھینچے

خوش بکش ایں کارواں را تا بہ حج   اے امیرِ صبر و مفتاح الفرج
لے بھی چل اس کارواں کو بہر حج   اے امیرِ صبر و مفتاح الفرج

حج زیارت کردن خانہ بود   حجِ ربّ البیت مردانہ بود
حج بظاہر ہے زیارت گھر کی یار   حج مردانہ ہے حجِ کردگار

زاں ضیا گفتم حسام الدین ترا   کہ تو خورشیدی و ایں دو وصفہا
اے حسام الدینؒ ضیا تجھ کو کہا   کیونکہ تو خورشید ہے دو وصف کا

---

[1] بمصداق لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ یعنی اگر تم شکر کروگے تو ہم ضرور نعمتوں میں اضافہ کریں گے۔

[2] سجدہ کر قرب پائے گا۔   [3] کشادگی غم

کایں حسام و ایں ضیا یک ہست ہیں   تیغ خورشید از ضیا باشد یقیں
یہ حسام اور یہ ضیا ہیں ایک ہی   ہے ضیا سے تیغ خورشید اے اخی
نور از آں ماہ باشد ویں ضیا   آں خورشید ایں فرو خواں از نبا
نور چمک ماہ ہے ۔ اور یہ ضیا   ملک ہے سورج کی ۔ پڑھ قرآں ذرا
شمس را قرآں ضیا خواند ای پدر   واں قمر را نور خواند ایں را نگر
شمس[1] کو قرآں کہتا ہے ضیا   اور قمر کو نور سن اے باصفا
شمس چوں عالی تر آمد خود ز ماہ   پس ضیا از نور افزوں دان بجاہ
ہے قمر سے شمس کا رتبہ سوا   اس لئے ہے نور سے برتر ضیا
بس کس اندر نور مہ منہج ندید   چوں برآمد آفتاب آں شد پدید
نور مہ میں تھا نہ ظاہر راستا   نکلا جب سورج تو ظاہر ہو گیا
آفتاب اعواض را کامل نمود   لاجرم بازارہا در روز بود
آشکارا عواض سورج سے ہوئے   اس لئے بازار بھی دن میں کھلے
تا کہ قلب و نقد نیک آید پدید   تا بود از غبن و از حیلہ بعید
تاکہ ہو بالکل عیاں کھوٹا کھرا   مکر اور نقصان سے سب ہوں رہا
تا کہ نورش کامل آمد بر زمیں   تاجراں را رحمۃ للعالمیں
نور کامل اس کا پالائے زمیں   تاجروں کو رحمۃ للعالمیں
لیک بر قلاب مبغوض است سخت   زاں کہ شد کاسد ازو نقد و رخت
بغض سخت اس سے دغابازوں کو تھا   کیوں کہ اس کا مال کھوٹا ہو گیا
پس عدوئے جان صراف است قلب   دشمن درویش کہ بود غیر کلب
دشمن جاں قلب[2] ہے صراف کا   دشمن درویش کا ہے ۔ کتا

---

[1] قولہ تعالیٰ عزوجل ۔ ھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا ۔ وہ اللہ ایسا ہے جس نے سورج کو ضیا اور چاند کو نور بنایا۔

[2] کھوٹا

انبیا با دشمناں بر مے تنند	پس ملائک رب سلّم میزنند
دشمنوں میں غلطی تھے انبیا	دی ملک نے رب سلّم کی دعا
کایں چراغے را کہ ہست آں نوردار	از پف و دمہائے دزداں دور دار
یہ چراغ اس نور سے ہے پُر ضیا	چوروں کی پھونکوں سے اس کو تُو بچا
دزد و قلاب است خصم نور و بس	زیں دو وا فریادرس فریادرس
چور اور ٹھگ ہے دشمن نور کا	ہے انہیں دونوں سے فریاد اے خدا
روشنی بر دفتر چارم بریز	کآفتاب از چرخ چارم کرد خیز
روشنی اس دفتر چارم پہ ڈال	چرخ چارم سے ہے سورج کا کمال
ہین ز چارم نور دہ خورشید وار	تا بتابد بر بلاد و بر دیار
چرخ چارم سے نزولِ نور کر	جو کہ چمکے ہر دیار و شہر پہ
ہر کش افسانہ بخواند افسانہ ایست	وانکہ دیدش نقد خود مردانہ ایست
سمجھے جو افسانہ ، تو افسانہ ہے	نقد جو دیکھے ۔ وہی مردانہ ہے
آب نیلست و بقبطی خوں نمود	قوم موسیٰ را نہ خوں بود آب بود
خون آب نیل قبطی کو ہوا	قوم موسیٰ کو نہ تھا خوں ۔ آب تھا
دشمن ایں حرف ایندم در نظر	شد ممثل سرنگوں اندر سقر
دیکھو جتنے دشمن ان باتوں کے تھے	سرنگوں ہو کر ہیں دوزخ میں پڑے
اے ضیاء الحق[1] تو دیدی حال او	حق نمودت پاسخ افعال او
تو ضیاء الحق ! انہیں ہے دیکھتا	تجھ پہ ظاہر ہے جواب افعال کا
دیدۂ غیبت چو غیب است اوستاد	کم مبادا زیں جہاں ایں دید و داد
مثل غیب آنکھیں ہیں تیری اوستاد	کم نہ ہو دنیا سے ایسی دید و داد

---

[1] اے خدا انہیں سلامت رکھے ۔

آں حکایت را کہ نقدِ وقت ماست	گر تمامش مے کنی اینجا رواست
ہاں وہ قصہ جو کہ حسبِ وقت تھا	گر تمام اس کو کرے تو ہے بجا
ناکساں را ترک کن بہرِ کساں	قصہ را پایاں برو مقطع[1] رساں
چھوڑ نااہلوں کو، پھر اُن کی کیا	انتہا تک قصہ پہنچا دے ذرا
ایں حکایت گر نشد آنجا تمام	چارمیں جلد است آرش در نظام
یہ حکایت رہ گئی تھی ناتمام	چوتھے دفتر میں کر اس کا اختتام

باغ میں بھاگنے والے عاشق کی کہانی

اندر آں بودیم کاں شخص از عسس	راند اندر باغ از خوفے فرس
ہاں یہ قصہ تھا کہ ڈر کر شحنہ سے	باغ میں پنہاں ہوا وہ دوڑ کے
بود اندر باغ آں صاحب جمال	کز غمش ایں در عنا بد ہشت سال
باغ میں بیٹھی تھی وہ صاحب جمال	جس کے غم میں یہ رہا تھا آٹھ سال
سایۂ او را نبود امکان دید	ہمچو عنقا وصف او را مے شنید
سایہ ناممکن تھا اس کا دیکھنا	مثلِ عنقا وصف تھا سنتا رہا
جز یکے لقیہ کہ اول از قضا	بر وے افتاد و شد او را دلربا
ہاں فقط اول میں اس نے یک بیک	دلربا کی ایک دیکھی تھی جھلک
بعد ازاں چندانکہ میکوشید او	خود مجالش مے نداد آں تند خو
بعد ازاں جتنا کہ وہ ساعی ہوا	تند خو کی دید کا موقع نہ تھا
نے بلابہ چارہ بودش نے بمال	سیر چشم و بے طمع بود آں نہال
تھا خوشامد کا نہ موقع مال کا	سیر چشم اور بے طمع تھی مہ لقا

---

[1] ختم کرنے کا مقام۔ قصائد وغیرہ کے خاتمہ کا اصطلاحی لفظ ۔

عاشق ہر پیشہ و ہر مطلبے   حق بیالود اوّل کارش لبے
عشق [1] تھا جس کام اور جس بات سے   حق نے اس میں ہونٹ آلودہ کئے

چوں درافتادند اندر جستجو   بعد ازاں دربست دکانِ بخشش او
جب وہ اس کی جستجو میں پڑ گیا   مہر ماں کا بند دروازہ کیا

چوں درآں آسیب درچست آمدند   پیش پاشاں مے نہد ہر روز بند
چست جب وہ اس بلا میں ہو گیا   روز اک حلقہ نیا تھا پیش پا

ہم بہ آں بوئے تنند و میروند   ہر دمے لاجی و آئیس میشوند
تن کے چلتے ہیں وہ اس امید پہ   با امید و ناامید لے خوش سیر

ہر کسے راہست امید برے   کہ کشایندش دراں روزے درے
پھل اٹھانے کے ہی سب امیدوار   در کسی دن تو کھلے گا ایک بار

باز دربستندش و آمد پرست   بر ہماں امید آتش پا شدست
پھر کیا دربند ، اور در آشنا   تھا اسی امید پہ آتش بپا

چوں درآمد خوش دراں باغ آں جواں   خود فرو شد پا بگنجش ناگہاں
باغ میں جب آ گیا وہ نوجواں   گنج میں تھا پاؤں اس کا ناگہاں

مر عسس را ساختہ یزداں سبب   تا ز بیم او دود در باغ شب
تھا سبب عسس کو خالق نے کیا   تا وہ ڈر کر باغ میں جائے چلا

بیند آں معشوقہ را او با چراغ   طالب انگشتری در جوئے باغ
دیکھے معشوقہ کو اپنی با چراغ   لیتے چھلے میں انگوٹھی کا سراغ

[1] یہاں سے مولاناؒ کا مقصود ہے ۔

پس قریں میکرد از ذوق آں نفس	یا ثنائے حق و یا دعائے آں عسس
ذوق سے ہر لحظہ وہ کرتا رہا	حق میں محتسب کے ثنا اور پھر دعا
گر زیاں کردم عسس را از گریز	بیست چنداں سیم و زر بروے بریز
جان کر محتسب کا گر نقصاں کیا	دے اُسے یارب بہت اُس کا صلہ
از عوانی مرد را آزاد کن	آنچنانکہ شادم او را شاد کن
چوکیداری سے اُسے آزاد کر	اور میری طرح سے دل شاد کر
سعد دارش ایں جہاں و آنجہاں	از عوانی و سگی اش وا رہاں
دین و دنیا میں رکھ اُس کو نیک کار	کر عوانی اور سگی سے رستگار
گرچہ خوئے آں عواں ہست اے خدا	کہ ہمارہ خلق را خواہد بلا
گو یہی ہے اس کی عادت اے خدا	ساری دنیا کا برا ہے چاہتا
گر خبر آید کہ شہ جرمے نہاد	بر مسلماناں شود او زفت شاد
گر خبر پائے کہ مجرم کر دیا	شہ نے مومن کو. تو وہ خوش ہو بڑا
ور خبر آید کہ شہ رحمت نمود	از مسلماناں فگند او را بجود
گر خبر پائے عطائے شاہ کی	درگزر یعنی کسی مومن سے کی
ماتمے در جان او افتد ازاں	گیردش قولنج ازیں غم در زماں
تو ہو فوراً روح اُس کی ماتمی	اور مرض قولنج کا اُسے مستقی
صد چنیں ادبارہا دارد عواں	زیں بلا فریاد رس اے مستعاں
سینکڑوں ادبار میں ہے یہ عواں	سن لے تو فریاد اے ربِ جہاں
او عواں را در دعا در میکشد	کز عواں او را چناں راحت رسد
تھا وہ چوکیدار کو دیتا دعا	کیونکہ یہ آرام تھا اُس سے ملا
بہ ہمہ زہر و بہر او تریاق بود	آں عواں پیوند آں مشتاق بود
سب کو تھا وہ زہر تریاق اس کو تھا	تھا عزیز از جان اس مشتاق کا

پس بد مطلق نباشد در جہاں بد بنسبت باشد ایں را ہم بداں
کب بد مطلق ہے کوئی اے اخی بد بری نسبت سے ہوتا ہے کوئی

در زمانہ ہیچ زہر و قند نیست کاں یکے را پا دگر را بند نیست
کب ہے دنیا میں کہیں زہر اور قند ہو نہ کچھ جس کا اتار اور جس کا بند

مر یکے را پا دگر را پائے بند مر یکے را زہر و دیگر را چو قند
زہر مہرہ اس کو اس کو پائے بند زہر اسے اور دوسرے کو مثل قند

زہر ماراں مار را باشد حیات نسبتش با آدمی آمد ممات
زہر سانپوں کا ہے سانپوں کی حیات ہے مگر انساں کی اس میں ممات

خلق آبی را بود دریا چو باغ خلق خاکی را بود آں درد و داغ
خلق آبی کے لئے دریا ہے باغ خلق خاکی کے لئے ہے درد و داغ

ہمچنیں بر مے شمر اے مرد کار نسبت ایں از یکے تا صد ہزار
بس اسی ترکیب سے اے مرد کار ایک سے تو لاکھ کر لے شمار

زید اندر حق آں شیطان بود در حق آں دیگرے انساں بود
زید حق میں ایک کے شیطان ہو دوسرے کے حق میں وہ انساں ہو

ایں بگوید زید صدیق و سنی ست واں بگوید زید گبر و کشتنی ست
یہ کہے ہے زید صدیق و سنی وہ کہے کافر ہے وہ اور کشتنی

زید یک ذات ست بر آں یک جناں واو بریں دیگر ہمہ رنج و زیاں
زید کی اک ذات ہے اس پہ جناں اور اس پہ موجب رنج و زیاں

گر تو خواہی کو ترا باشد شکر[لہ] پس ورا از چشم عشاقش نگر
گر تو چاہے وہ ہو تجھ کو شکر عاشقوں کی آنکھ سے دیکھ اسے پھر

منگر از چشم خودت آں خوب را بیں بچشم طالباں مطلوب را
اپنی آنکھ سے نہ دیکھ اس خوب کو دیکھ طالب کی طرح مطلوب کو

لہ جزنگ

چشم خود بر بند زاں خوش چشم تو
بند کر لے آنکھ اس خوش چشم سے
عاریت کن چشم از عشاق او
عاشقوں سے اس کے آنکھیں مانگ لے

بلکہ از وی کن عاریت چشم و نظر
بلکہ اس سے مانگ آنکھیں اور نظر
پس ز چشم او بروے او نگر
پھر تو ان آنکھوں سے اس پہ غور کر

تا شوی ایمن ز سیری و ملال
تا کہ تو سیری و غم سے ہو رہا
گفت کان اللہ لہ زاں ذوالجلال
یوں ہے کان اللہ لہ حق نے کہا

چشم او من باشم و دست و دلش
میں ہوں اس کی آنکھ اور ہاتھ اور دل
تا رہد از مدبریہا مقبلش
تا بچے ادبار سے وہ مقبل

ہر چہ مکروہست چوں او شد دلیل
ہو کوئی مکروہ تو ہے جب رہنما
سوش محبوبست حبیب است و خلیل
یار تک ۔ محبوب ہے وہ برملا

ایک واعظ کی کہانی

آں یکے واعظ چو بر تخت آمدے
ایک واعظ آتا جس دم تخت پہ
قاطعان راہ را داعی شدے
رہزنوں کو تھا دعا دیتا ۔ پسر!

دست برمیداشت یارب رحم راں
ہاتھ اٹھاتا تھا کہ یا رب رحم کر
بر بدان و مفسدان و طاغیاں
ان پہ جو ہیں مفسد و بد سربسر

بر ہمہ تسخر کناں اہل خیر
نیک لوگوں سے کریں جو دل لگی
بر ہمہ کافر دلاں اہل دیر
بتکدے میں جتنے کافر ہیں سبھی

مے نکردے او دعا بر اصفیا
اصفیا کو وہ دعا دیتا نہ تھا
مے نکردے جز خبیثاں را دعا
تھی خبیثوں کے لئے اس کی دعا

مر ورا گفتند کایں معہود نیست
نادرہ ہے اس سے لوگوں نے کہا
دعوت اہل ضلالت جود نیست
گمرہوں کو ہے دعا دینا برا

گفت نیکوئی ازیشاں دیدہ ام	من دعاشاں زیں سبب بگزیدہ ام
بولا ان سے میں نے دیکھیں نیکیاں	اس لئے ہیں یہ دعائیں بے گماں
خبث و ظلم و جور چنداں ساختند	کہ مرا از شر بخیر انداختند
ظلم و جور اتنے خباثت سے کئے	شر سے ڈالا خیر میں بیشک مجھے
ہر دمے کہ رُو بدنیا کردمے	من از ایشاں زخم و ضربت خوردمے
میں نے دنیا کی طرف جب رُخ کیا	ضرب اور زخم ان سے پہنچا بد لا
کردمے از زخم آں جانب پناہ	باز آوردندمے گرگاں براہ
زخم کھا کر جب میں لیتا تھا پناہ	بھیڑیے مجھ کو دکھا دیتے تھے راہ
چوں سبب ساز صلاح من شدند	پس دعاشاں برمنست اے ہوشمند
یہ میری اصلاح کے باعث ہوئے	مجھ پہ واجب ہے دعا ان کے لئے
بندہ مے نالد بحق از درد خویش	صد شکایت میکند از رنج نیش
حق سے فریادی ہے بندہ درد کا	رنج کا شاکی ہے اس سے برملا
حق ہمیگوید کہ آخر رنج و درد	مر ترا لابہ کناں و راست کرد
حق یہ کہتا ہے یہی رنج و بلا	راست کرنے کا ذریعہ ہے ترا
ایں گلہ زاں نعمتے کن کت زند	از در ما دور و مطرودت کند
ایسی نعمت کا گلہ کر جو تجھے	دور کر دے ہم سے اور باغی کرے
در حقیقت ہر عدو داروئے تست	کیمیائے نافع و دلجوئے تست
ہر عدو فی الاصل ہے تیری دوا	تیری دلجو اور نافع کیمیا
کہ ازو اندر گریزی در خلا	استعانت جوئی از فضل خدا
تاکہ تو خلوت میں اس سے بھاگ کر	فضل خالق کا ہو طالب بے خبر
در حقیقت دوستانت دشمنند	کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند
در حقیقت دوست، دشمن ہیں ترے	دور یاد حق سے رکھتے ہیں تجھے

ہست حیوانے کہ نامش اشغر است	کو بزخم چوب زفت و لمتر است
ایک حیواں ہے، ہے سیہی جس کا نام	چوٹ سے لکڑی کی ہو موٹا تمام
تا کہ چوبش میزنی بہ میشود	او ز زخم چوب فربہ میشود
پھولتا ہے جتنی مارو لکڑیاں	چوٹ سے لکڑی کی موٹا ہو وہ یاں
نفس مومن اشغرے آمد یقیں	کو بزخم چوب زفتست و سمیں
نفس مومن بھی ہے سیہی اے فتا	چوٹ سے لکڑی کی ہو موٹا سوا
زیں سبب بر انبیا رنج و شکست	از ہمہ خلق جہاں افزوں تر است
اس لئے نبیوں پہ ہے رنج و ابتلا	ہے جہاں میں ساری خلقت سے سوا
تا ز جانہا جان شاں شد زفت تر	کہ ندیدند آں بلا قومے دگر
جانوں سے جاں ان کی موٹی ہو گئی	وہ بلا اوروں پہ کب نازل ہوئی
پوست از دارو بلا کش میشود	چوں ادیم طائفی خوش میشود
ہے دوا سے پوست میں سختی بڑی	جیسے طائف[1] کی اور خوشبو ہو چلی
ورنہ تلخ و تیز مالیدے درو	گندہ گشتے ناخوش و ناپاک بو
ہاں نہ تلخ و تیز اگر ملتے دوا	رہتا وہ ناپاک چمڑا اور بسا
آدمی را تیز چوں آں پوست داں	از رطوبتہا شدہ زشت و گراں
آدمی کو بھی سمجھ چمڑا وہی	جو رطوبت سے ہے بھاری زشت بھی
تلخ و تیز و مالش بسیار دہ	تا شود پاک و لطیف و با فرہ
تلخ اور تیز اس پہ مالش کر سوا	تا کہ ہو پاک و لطیف اور خوشنما
ور نمے تانی رضا دہ اے عیار	گر خدا رنجت دہد بے اختیار
اور نہیں تو دے اجازت اے نگار	تا خدا دے رنج تجھ کو بے شمار

---

[1] طائف ملک عرب میں ایک جگہ کا نام ہے۔ جہاں کا چمڑہ مشہور ہے۔

کز بلائے دوست تطہیر شماست ۔ علم او بالائے تدبیر شماست
کیوں کہ رنج دوست ہے پاکی تری ۔ علم بالا اس کا تدبیروں سے بھی

چوں صفا بیند بلا شیریں شود ۔ خوش شود دارو چو صحت بیں شود
جب صفا دیکھے تو شیریں ہو بلا ۔ دیکھ کر صحت ہو جیسے خوش دوا

برد بیند خویش را در عین مات ۔ پس بگوید اقتلونی[1] یا ثقات
برد دیکھے اپنی عین مات میں ۔ اقتلونی یا ثقات اس سے کہیں

ایں عواں در حق غیرے سود شد ۔ لیک اندر حق خود مردود شد
غیر کے حق میں عواں تھا نفع دہ ۔ اور اپنے حق میں وہ مردود تھا

رحم ربانی ازو ببریدہ شد ۔ کین شیطانی برو پیچیدہ شد
قطع اس سے رحم ربانی ہوا ۔ کینہ شیطاں کا لپٹ کر رہ گیا

کارگاہ خشم گشت و کیں وری ۔ کینہ وراں اصل ضلال و کافری
خشمگیں بنتی آ کے کینہ وری ۔ جو ہے اصل گمرہی و کافری

حضرت عیسیٰؑ اور ایک شخص

گفت عیسیٰؑ را یکے ہشیار سر ۔ چیست در ہستی ز جملہ صعب‌تر
پوچھا عیسیٰؑ سے کسی نے اے اخی ۔ سخت تر دنیا میں شے ہے کون سی

گفتش اے جاں صعب‌تر خشم خدا ۔ کہ ازاں دوزخ ہمے لرزد چوما
بولے سب سے سخت تر خشم خدا ۔ جس سے دوزخ میں بھی ہے اک زلزلہ

گفت زیں خشم خدا چہ بود اماں ۔ گفت ترک خشم خویش اندر زماں
بولا اس خشم سے کیونکر ہو اماں ۔ بولے ترک خشم اپنا بیگماں

---

[1] اے ثقہ لوگو مجھ کو مار ڈالو ۔

کظم غیظ است اے پسر خط اماں
خشم حق یاد آور و در کش عناں
غصہ پینا ہے پسر خط اماں
غصۂ حق یاد کر کے اس سے ٹل

پس عواں کو معدن ایں خشم گشت
خشم زخشش از سبع ہم در گذشت
پس جو چوکیدار نے غصہ کیا
غصہ حیوانوں سے اس کا بڑھ گیا

چہ امید ستش برحمت جز مگر
باز گردد زاں صفت آں بے ہنر
اس کو رحمت کی بھلا امید کیا
جب تلک اپنی خو نہ چھوڑے بے وفا

گرچہ عالم را از ایشاں چارہ نیست
ایں سخن اندر ضلالاں افگند نیست
گو کہ دنیا کو نہیں چارہ کوئی
ہیں یہی باتیں اصول گمرہی

چارہ نبود ہم جہاں را از سرگیں
لیک نبود آں ہمیں ماء معیں
اور نہیں سرگیں سے بھی چارہ کہیں
کب بھلا گوبر ہے ماء[1] معیں

عاشق و معشوق کا قصہ

باز گو احوال آں خستہ جگر
درمیان باغ با رشک قمر
اب سنا پھر قصۂ خستہ جگر
باغ میں جب ساتھ تھی رشک قمر

چونکہ تنہا یافتش بیدا آں سادہ مرد
زود او قصد کنار و بوس کرد
مرد نے جو اس کو تنہا پا لیا
قصد اس کے بوسہ لینے کا کیا

بانگ بر وے زد بہیبت آں نگار
کہ مرو گستاخ ادب را گوش دار
ڈانٹ کر کہنے لگی وہ ماہ رو
بس ادب کر یوں نہ ہو گستاخ تو

گفت آخر خلوتست و خلق نے
آب حاضر تشنہ ہمچوں منے
بولا خلوت ہے یہاں کوئی نہیں
تشنہ کیوں رہ جاؤں پانی ہے یہیں

---

[1] جاری اور پاک و صاف پانی ۔

کس نجنبد درینجا جز کہ باد   کیست حاضر کیست مانع زیں گشاد
چلتا پھرتا جز ہوا ہے کون ہاں   کون حاضر ہے جو ہو مانع یہاں
گفت اے شیدا تو ابلہ بودۂ   ابلہی وز عاقلاں نشنودۂ
بھلا تو ہے بے وقوف اے مبتلا   عقلمندوں سے نہیں تو نے سنا
باد را دیدی کہ مے جنبد بداں   باد جنبا نیست اینجا باد راں
تو ہے جنبش میں ہوا کو دیکھتا   کیا نہیں وہ۔ جو چلاتا ہے ہوا
مروحہ تصریف صنع ایزدش   زو پراں باد و ہمے جنباندش
ہے جو پنکھا صنعت اللہ کا   وہ ہوا کو ہے چلاتا جا بجا
جزو بادے کہ بحکم ما درست   بادبیزن تا نجنبانی نجست
ہے ہوا کا جزو پنکھے میں ترے   تو نہ گر پنکھا ہلائے۔ کب چلے
جنبش ایں جزو باد اے سادہ مرد   بے تو بے بادبیزن سر نگرد
ایک بھی جزو ہوا اے بدیقیں   بے ترے اور پنکھے کے ہلتا نہیں
جنبش باد نفس کاندر لب است   تابع تصریف جان و قالب است
جنبش باد نفس لب میں یہاں   جان و قالب کے ہے تابع بیگماں
گاہ دم را مدح و پیغامے کند   گاہ دم را ہجو و دشنامے کند
وہ کبھی دم کو کرے مدح و پیام   اور بنا دے گاہ دشنام اسے ہمام
پس بداں احوال دیگر بادہا   کہ ز جزوے کل ہمے بینید نہا
سب ہواؤں پہ اسی کو کر قیاس   جزو سے ہوتی ہیں عقلیں کل شناس
باد را حق گہ بہارے میکند   در دیش زیں لطف عاری میکند
گہ ہوا کو حق بناتا ہے بہار   گاہ کرتا ہے خزاں کو بے عذار
بر گروہ عاد صرصر میکند   باز بر ہود خوشش معطر میکند
عاد والوں پہ ہوئی صرصر ہوا   ہود کی خاطر معطر تھی ہوا

میکند یک باد را زہر سموم	مر صبا را میکند خرم قدوم
اک ہوا کو تو وہ زہریلا کرے	جان و دل کو تو تمہیں دے ایک سے
باد دم را در تو بنہاد او اساس	تا کنی ہر باد را بر وے قیاس
دم کی اک بنیاد ہے تجھ میں رکھی	ہر ہوا کو کر قیاس اس پر ابھی!
دم نمی گردد سخن بے لطف و قہر	بر گروہے شہد و بر قومیست زہر
بات کوئی بھی نہیں بے لطف و قہر	اک جگہ وہ شہد ہے اک جا ہے زہر
مروحہ جنباں پئے انعام کس	وز برائے قہر ہر پشہ و مگس
آدمی پہ لطف سے پنکھا ہلے	قہر مچھر اور مکھی کے لئے
مروحۂ تقدیر ربانی چرا	پُر نباشد ز امتحان و ز ابتلا
پنکھا تقدیر الٰہی کا کہو	کیوں بلا و امتحاں سے پُر نہ ہو
چونکہ جزو باد دم یا مروحہ	نیست الا مفسدہ یا مصلحہ
پنکھا ہو یا سانس یا جزو ہوا	یا تو اچھا ہوگا یا ہوگا بُرا
ایں شمال و ایں صبا و ایں دبور	کے بود از لطف و از انعام دور
یہ شمالی، یہ صبا، اور یہ دبور[1]	اس کے لطف و فضل سے کب ہیں یہ دور
یک کف گندم ز انبارے ببیں	فہم کن کاں جملہ باشد ہمچنیں
ڈھیر سے تو ایک مٹھی گیہوں لے	سب کو ویسا ہی سمجھنا چاہئے
کل باد از برج بادِ آسماں	کے جہد بے مروحہ آں بادراں
کل ہوائیں برج بادی سے یہاں	کب چلیں گر ہو نہ پنکھا بادراں
بر سر خرمن بوقت انتقاد	نے کہ فلاحاں ز حق جویند باد
ڈھیر پہ گیہوں کے وقت انتقاد[2]	کیا بھلا دہقاں نہیں جویائے باد

---

[1] صبا کے خلاف جو ہوا چلتی ہے، وہ دبور کہلاتی ہے۔

[2] گندم اور جو کو الگ الگ کرنے سے مراد ہے۔

تا جدا گردد ز گندم کاہہا
تا بانبار رود یا چاہہا
تا کہ گیہوں سے جدا چھلکے رہیں
ڈھیر میں پہنچیں کھتّوں میں یا گریں

چوں بماند دیر آں بادِ وزاں
جملہ را بینی سرانگشتاں گزاں
اور ہوا گر دیر تک چلتی رہے
سب کریں افسوس انگلی کاٹ کے

ہمچنیں در طلق آں بادِ ولاد
گر نیاید بانگ درد آید کہ داد
ایسے ہی باد ولادت گر نہ آئے
درد سے زچہ یہ کہتی ہے کراہ کے

گر نمیداند کسی رانندہ اوست
باد را پس کردن زاری چہ روست
گر نہیں اس کو سمجھتے باد راں
کیوں ہوا سے باد میں گریہ کناں

رقیہ و تعویذ میخواہند نیز
در شکنجہ طلق زن از بس عزیز
چاہتے ہیں گنڈے اور تعویذ بھی
درد زہ میں پیاری عورت ہے پھنسی

اہل کشتی ہمچناں جویائے باد
جملہ خواہانش ازاں رب العباد
اہل کشتی بھی ہیں جویائے ہوا
چاہتے ہیں وہ ہوا بھیجے خدا

ہمچنیں در درد دنداں ہم ز باد
دفع میخواہی بسوز و اعتقاد
ہو ہوا سے درد دانتوں میں ترے
دفع تو اس کو عقیدے سے کرے

از خدا لابہ کناں آں جندیاں
کہ بدہ بادِ ظفر اے حکمراں
لشکری کرتے ہیں منت بیگماں
بھیج دے بادِ ظفر اے حکمراں

پس ہمہ دانستہ اند ایں را یقین
کہ فرستد باد رب العالمین
مختصر سب کو ہے اس کا یقین
بھیجتا ہے باد رب العالمین

پس یقیں در عقل ہر دانندہ ہست
ایں کہ با جنبندہ جنبانندہ ہست
عقل کو اس کا یقیں آیا ہے ہاتھ
ہے ہلانے والا جنبندہ[1] کے ساتھ

---

[1] ہلنے والا شے

گر تو او را مے نہ بینی در نظر	فہم کن آں را باظہارِ اثر
وہ اگر تجھ کو نہیں آتا نظر	تو سمجھ اس کو جو ہو ظاہر اثر
تن بجاں جنبد نمے بینی تو جاں	لیک از جنبیدنِ تن جاں بداں
جان سے ہلتا ہے تن وہ ہے نہاں	جسم کے ہلنے سے کر اقرارِ جاں
گفت او گر ابلہم من در ادب	زیرکم اندر وفا و در طلب
بولا گو نادان ہوں اور بے ادب	مجھ میں دانش ہے وفا کی اور طلب
گفت ادب ایں بود کہ خود دیدہ شد	آں دگر را خود ہمیدانی تو لد
بولی وہ یہ تھا ادب جو کھل گیا	اور وفا کو تو ہے خود ہی جانتا
خود ادب ایں بود آں دیگر ببیں	زیں بتر باشد کہ دیدیش یقیں
جب ادب یہ ہے کہ جو ظاہر ہوا	ہوگا بدتر اس سے جو کچھ ہے چھپا
ہر چہ زیں کوزہ تراود بعد ازیں	یک نمط خواہد بداں جملہ چنیں
کوزے سے جو کچھ بھی ٹپکے بعد ازیں	ایسا ہی کوزے میں ہوگا بالیقیں

صوفی اور اس کی عورت

صوفیے آمد بسوئے خانہ روز	خانہ یک در بود و زن با کفش دوز
ایک صوفی آیا گھر پر ایک روز	در تھا اک ۔ عورت تھی تہ کفش دوز
جفت گشتہ با حریفِ خویش زن	اندر آں یک حجرہ از وسواسِ تن
یار سے اپنے تھی عورت ہم کنار	حجرے کے اندر ۔ ہوس سے بیقرار
چوں بزد صوفی بجد در چاشتگاہ	ہر دو درماندند نے حیلہ نہ راہ
صوفی نے در کھٹکھٹایا چاشت گاہ	دونوں بے بس تھے ۔ نہ حیلہ تھا نہ راہ
ہیچ معہودش نبد کو آں زماں	سوئے خانہ باز گردد از دکاں
اس گھڑی کب یہ گماں تھا سربسر	آئے دوکاں سے گھر لوٹ کر

قاصداً آں روز بوقت آں مروع   از خیارے کرد با خانہ رجوع
آج وہ بے وقت قصداً آگیا   تا گھر کی سمت کرنے کا کام تھا

اعتمادِ زن بر او کو ہیچ بار   ایں زماں تا خانہ ناید وقتِ کار
تھا یقیں عورت کو بالکل زینہار   گھر پہ آئے گا نہ وہ محنت شعار

اعتمادش بود از روئے قیاس   خانہ نتواں کرد ور کوئے قیاس
اعتماد اس کو تھا از روئے قیاس   کب یقیں کا گھر بنا کوئے قیاس

آں قیاسش راست نامد از قضا   گرچہ ستّارست ہم بدہد جزا
وہ قیاس اس کا غلط ثابت ہوا   گو وہ ہے ستّار۔ لیکن دے سزا

چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش   زانکہ تخم ست و برویاند خداش
ڈر۔ اگر تو ہے بدی میں مبتلا   بیج ڈالا ہے۔ اگائے گا خدا

خدا پہلے گناہ میں بندے کو رسوا نہیں کرتا

چند گاہے او بپوشاند کہ تا   آیدش زیں پس پشیمانی حیا
چند بار اس کو چھپاتا ہے خدا   تا پشیمانی سے پھر آئے حیا

عہدِ عمرؓ آں امیرِ مومناں   داد دزدے را بجلاد و عواں
عہد میں اپنے عمرؓ نے اے فتا   قتل کا حکم ایک رہزن کو دیا

بانگ زد آں دزد کائے میرِ دیار   اوّلیں بار است جرمم زینہار
چور چلایا، امیر المومنین!   یہ مری پہلی خطا ہے بالیقیں

گفت امیرش حاش للہ کہ خدا   بارِ اوّل قہر راند در جزا
آپ بولے حاش للہ وہ خدا   جرمِ اوّل کی نہیں دیتا سزا

بارہا پوشد پئے اظہارِ فضل   باز گیرد از پئے اظہارِ عدل
بارہا ڈھکے چھپائے فضل سے   اور پھر ماخوذ کرے عدل سے

تا کہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود
آں مبشر گردد و ایں منذر شود
تاکہ ہوں اوصاف دونوں آشکار
اس کو خوش خبری ہو اِس کو خوف کار

بارہا زن نیز آں بد کردہ بود
سہل بگذشت آں و سہلش مے نمود
بارہا عورت نے کی تھی یہ بدی
یہ بدی اس کے لئے آساں تھی

آں نمیدانست عقل پائے سست
کہ سبو دائم ز جو ناید درست
بیوقوفی سے نہ سمجھی وہ کبھی
نہر پہ جاتا ہے مٹکا ٹوٹ بھی

آں چنانش تنگ آورد آں قضا
کہ منافق را کند مرگ فجا
تنگ وہ یوں تھی قضا سے بیگماں
جو منافق پہ ہو مرگ ناگہاں

نے طریق و نے رفیق و نے اماں
ز آنکہ عزرائیل شد در قصد جاں
راہ نہ ساتھی اور نہ تھی جائے اماں
کیونکہ عزرائیل تھے لینے کو جاں

آنچناں کاں زن در آں حجرہ جفا
خشک شد او و حریفش ز ابتلا
تنگ حجرے میں تھا یہ عورت کا حال
خشک تھی وہ ، دوست تھا اسکا نڈھال

گفت صوفی با دل خود کاے دو گبر
از شما کینہ کشم لیکن بہ صبر
دل میں صوفی نے کہا اے کافرو
تم سے بدلہ لوں گا ٹھہرے تو ہو

لیک دانستہ آرم ایں زماں
تا نہ ہر گوشے تپو شد ایں نہاں
اس گھڑی انجان بننا ہے روا
فاش تا سب میں نہ ہو یہ ماجرا

از شما پنہاں کشد کینہ محق
اندک اندک ہمچو بیماری دق
صاحب حق بدلہ لے گا ، مگر
رفتہ رفتہ جیسے دق کا ہو اثر

مرد دق باشد چو یخ ہر لحظہ کم
لیک پندارد بہر دم بہترم
ہوتا ہے مرد دق مثل برف کم
بہتر اپنے کو سمجھتا ہے بہم

ہمچو گفتاری کہ میگیرندش او
غرّہ آں گفت کایں کفتار کو
جس طرح بجّو کو پکڑیں اسے جواں
اور کہیں بجّو کہاں بجّو کہاں

نیست در سوراخ گفتار ای عمو	گشتہ او مضمر و در تر زیں گفتگو
نے چھپا بل میں کہیں بجز تمہیں	وہ یہ سخن کر چھوڑا ہے بایقین
ایں ہمیگو بند و بندش مے نہند	او خوش آسودہ کہ از من غافلند
وہ یہ کر کر رکھیں پھندا اے ہمام	پر وہ بے پروا کہ غافل ہیں تمام
ہیچ پنہاں خانہ آں زن را نبود	سیج و دہلیز و رہ بالا نبود
کوئی خلوت خانہ عورت کا نہ تھا	کوئی تہ خانہ نہ تھا۔ کوٹھا نہ تھا
نے تنورے کہ در آں پنہاں شود	نے جوالے کہ حجاب آں شود
تھا نہ واں تنور جو دیتا اماں	تھی نہ کوئی گون، جو کر لیتی نہاں
ہمچو عرصہ پہن روز رستخیز	نے گو و نے پشتہ نے جائے گریز
جیسے اک میدان قیامت کا سا تھا	تھا نہ ٹیلہ، یا گڑھا یا راستہ
گفت یزداں وصف آں جائے حرج	بہر محشر لا تریٰ فیہا عوج
جو کہا حق نے وہ تھی اس گھر کی دھج	بہر محشر لا تریٰ فیہا[1] عوج
چادر خود را بر او افگند زود	مرد را زن کرد و در را بر کشود
چادر اپنی ڈال اس مرد پہ	مرد کو عورت بنا کر کھولا در

عورت کا مرد کو چادر میں چھپانا

زیر چادر مرد رسوا و عیاں	سخت پیدا چوں شتر بر نردباں
زیر چادر مرد ظاہر صاف تھا	اونٹ ہو جس طرح سیڑھی پہ کھڑا
از تعجب گفت صوفی چیست ایں	ہرگز ایں را من ندیدم کیست ایں
صوفی نے حیرت سے پوچھا ماجرا	کون ہے۔ میں تو نہیں پہچانتا

[1] قولہ تعالیٰ عزوجل: ولا تریٰ فیہا عوجا ولا امتا۔ خداوند تعالیٰ میدان قیامت کی صفت میں فرماتا ہے کہ تو اس میدان میں نہ گڑھا دیکھے گا نہ ٹیلہ نہ پستی نہ بلندی۔

گفت خاتونیست از اعیان شہر
سرور از مال و اقبال ست بہر
بولا، بیوی ہے رئیس شہر کی
مال اور اقبال سے جو ہے غنی
در بہ بستم تا کسے بیگانہ
ور نیاید زود تا دانا نہ
بند دروازہ کیا تھا تا کوئی
گھر میں نامحرم نہ گھس آئے کبھی
گفت صوفی چیستش ہیں خدمتے
تا برآرم بے سپاس منتے
بولا صوفی ہو سے لائق جو ہم
اس کو بے منت کر دوں فوراً تمام
گفت میلش خویشی درویشگیست
نیک خاتونیست حق داند کہ کیست
بولی کوئی رشتہ ہے وہ چاہتی
یوں خدا جانے کہ ہے نیک سی
یک پسر دارد کہ اندر شہر نیست
خوب و زیرک چابک و مکسب نیست
اس کا لڑکا جوان ہے اس شہر کی
خوبصورت، محنتی ہے اور ذکی
خواست دختر را ببیند رو و دست
اتفاقاً دختر اندر مکتب است
لڑکی کو وہ دیکھنا تھی چاہتی
اتفاقاً وہ ہے مکتب کو گئی
باز گفت ار آرد باشد یا سبوس
میکنم او را بجان و دل عروس
پھر وہ کہتی ہے ہو آٹا یا سبوس[1]
میں بجان و دل بناؤں گی عروس
گفت صوفی ما فقیر و زاد کم
قوم ہم خاتون مالدار و محتشم
بولا صوفی ہم فقیر اور مال کم
اور یہ بی بی مال دار و محتشم
کے بود ایں کفو ایشاں در زواج
یک در از چوب و دیگر از زجاج
کس طرح جوڑا بنے ہو کفو کیا
ایک در لکڑی کا اور اک عاج کا
کے بود ہم رنگ فقر و احتشام
چوں شود ہم جنس یاقوت و رخام
کب ہوا فقر و جاہ کا ایک رنگ
کب ہوئے ہم جنس یاقوت اور سنگ

---

[1] بھوسی ۔

جامۂ نیمے اطلس و نیمے پلاس	عیب باشد نزد ارباب شناس
آدھا ریشم اور آدھا ٹاٹ ہو	عیب ہے یہ بات اہل عقل کو
با کبوتر باز کے شد ہم قفس	کے شود ہمراز عنقا با مگس
ہو کبوتر کا مصاحب باز کب	مکھیاں عنقا کی ہوں ہمراز کب
کفو باید ہر دو جفت اندر نکاح	ورنہ تنگ آید نماند ارتیاح
جفت کو ہم کفو ہونا چاہئے	اختلاط آپس میں ورنہ کب رہے

عورت کا جواب

گفت گفتم من چنیں عذرے و داو	گفت سے من نیستم اسباب جو
بیوی عورت، عذر سب میں نے کئے	وہ یہ بولی۔ کیا غرض اسباب سے
ما ز مال و زر ملول و تخمہ ایم	ما بحرص و جمع نے چوں عامہ ایم
اب وبال جاں ہمیں ہے مال و زر	حرص کب ہے مثل عامے خوش گہر
ما ملولیم از قماش و زر و سیم	فارغیم و تخمہ از مال عظیم
سیر ہے چاندی سے اکتی ہے اب ملال	مال کا ہم کو نہیں بالکل خیال
قصد ما سترست پاکی و صلاح	در دو عالم خود بداں باشد فلاح
مدعا عصمت سے، پاکی اور صلاح	جس سے دو عالم میں ہوتی ہے فلاح
باز صوفی عذر درویشی بگفت	واں مکرر کرد تا نبود نہفت
صوفی نے پھر عذر درویشی کہا	کھول کر رکھا۔ دوبارہ ماجرا
گفت زن من ہم مکرر کردہ ام	بے جہازی را مقرر کردہ ام
بولی عورت میں مکرر کہ چکی	بے جہیزی بھی مقرر ہو چکی
اعتماد اوست راسخ تر ز کوہ	کز فقرش ہیچ مے ناید شکوہ
کوہ سے پختہ ہے اس کا اعتقاد	فقر سے ہرگز نہیں ہے انتقاد

او ہمی گوید مرا اوّم عفت است	از شما مقصود صدق و ہمت است
وہ تو کہتی ہے کہ عفت چاہیے	تم سے مجھ کو صدق و ہمت چاہیے
گفت صوفی خود جہاز و مال ما	دیدہ مے بیند ہویدا نے خفا
بولا صوفی خود جہیز اور مال بھی	اس نے دیکھا، بات ہے کیا راز کی
خانۂ تنگے مقام یک تنے	کاندرو پنہاں نماند سوزنے
تنگ گھر اک شخص کے رہنے کی جا	ہے سوئی کا جس میں چھپنا وہم سا
باز ستر و پاکی و زہد و صلاح	او زما بہ داند اندر انتصاح
ستر و پاکی زہد اور پھر اتقا	جانتی ہے وہ یہ سب ہم سے سوا
بہ ز ما میداند او احوال ستر	وز پس و پیش و سرو دنبال ستر
حال وہ خود جانے بہتر ستر کا	سب پس و پیش ابتدا و انتہا
بیجہازی خود عیاں چوں خور است	وز صلاح و ستر او واقف تر است
ہے جہیزی مہر کی صورت عیاں	ہے صلاح و ستر سے وہ دانہ داں
ظاہر او بے جہاز و خادم است	وز صلاح و ستر او خود عالم است
ہے بظاہر بے نوا لڑکی مری	ہے مگر عالم صلاح و ستر کی
شرح مستوری ز بابا شرط نیست	چوں بر او پیدا چو روز روشنیست
باپ ظاہر ستر دختر کب کرے	روز روشن کی طرح جب خود کھلے
ایں حکایت را بداں گفتم کہ تا	لاف کم بافی چو رسوا شد خطا
یوں سنایا ہے یہ قصہ ایک بار	جب خطا رسوا ہوئی، شیخی نہ مار
مر ترا لے ہم بدعوی مستزاد	ایں بدست اجتہاد و اعتقاد
اپنے دعوے کو تو سمجھا مستزاد	تھا یہ تیرا اجتہاد و اعتقاد

لہ یہاں سے اس زن مستوری کی گفتگو ہے جو اپنے جوان عاشق سے ہمکلام ہو رہی ہے ۔

چون زن صوفی تو خائن بودۂ	دام مکر اندر دغا بگشودۂ
ہے زنِ صوفی سا خائن تو کلام	کھولا ہے مکر و دغا کا تو نے دام
کہ ز ہر ناشستہ روئے کپ زنے	شرم داری وز خدائے خویش نے
ہے ہر اک نااہل سے گپ مارتا	پر نہیں اللہ سے تجھ کو حیا

خدا اپنے آپ کو بصیر و سمیع و علیم کیوں کہتا ہے

از پئے آں گفت حق خود را بصیر	کہ بود دید ویت ہر دم نذیر
حق نے خود کو "بصیر" اس واسطے	دیکھے تا اس کی تو ڈرتا رہے
از پئے آں گفت حق خود را سمیع	تا ببندی لب ز گفتار شنیع
ہے "سمیع" اس واسطے خود کو کہا	بند ہوں لب تیرے بدی سے آشنا
از پئے آں گفت حق خود را علیم	تا نیندیشی فسادے تو ز بیم
یوں "علیم" اللہ نے خود کو کہا	تا نہ فکر تو کرے ڈر سے برا
نیست اینہا بر خدا اسم علم	کہ سیہ کافور دارد نام ہم
کب ہیں نام اللہ کے اسم علم	کہتے ہیں کافور بھی زنگی کو ہم
اسم مشتق است و اوصافِ قدیم	نے مثالِ علتِ[ل] اولیٰ سقیم
اسم مشتق ہیں قدیم اوصاف سے	اب ہیں مثلِ علتِ اولیٰ برے
ورنہ مسخر باشد و طنز و دغا	کر را سامع ضریری را ضیا
ہے تمسخر ورنہ اور طعن و دغا	کر کو سامع کہنا اندھے کو ضیا
یا علم باشد حیی نام وقیح	یا سیاہ زشت را نام صبیح
کہ دیں یا بے شرم کو ہم با حیا	یا سیہ بدرو کو صبیح و مہ لقا

[ل] جیسا کہ فلاسفہ خدائے تعالیٰ کو علتِ اولیٰ کہتے ہیں ۔

طفلک نوزادہ را حاجی لقب	یا لقب غازی نہی بہر نسب
کہدے بچے کو حاجی کا لقب	یا کوئی غازی رکھے اپنا لقب
گر بگویند ایں لقبہا در مدیح	چوں ندارد آں صفت نبود صحیح
مدح میں یہ لقب جس شخص کو	ہو غلط گر یہ صفت اس میں نہ ہو
تسخر و طنزے بود آں یا جنوں	پاک[1] حق عما یقول الظالموں
یا جنوں یا طنز ہے باک ہے	ظالموں کے کہنے سے حق پاک ہے
من ہمے دانستمت پیش از وصال	کہ نکو روئی ولیکن بد خصال
جانتی تھی میں تجھے قبل وصال	خوبصورت ہے مگر ہے بد خصال
من ہمے دانستمت پیش از لقا	کز ستیزہ راسخی اندر شقا
دیکھنے سے پہلے تھی میں جانتی	ضد پہ راسخ ہے عادت میں بری
چونکہ چشم سرخ باشد در عمش	دانمش زاں درد گر کم بینمش
آنکھ جب دکھنے کو آتی ہے سرخی	درد سے سرخی کو سمجھوں میں جانتی
تو مرا چوں برہ دیدی بے شباں	تو گماں کردی ندارم پاسباں
بکری بے چرواہے کی سمجھا مجھے	بے محافظ میں نظر آئی تجھے
عاشقاں از درد زاں نالیدہ اند	کہ نظر نا جایگہ مالیدہ اند
درد سے ہے عاشقوں کی آنکھ تر	اڑ گئی ہے بے جگہ ان کی نظر
بے شباں دانستہ اند آں ظبی را	رایگاں دانستہ اند آں صید را
وہ ہرن کو سمجھے ہیں بے پاسباں	قید اس کی جانتے ہیں رائیگاں
تا ز غیرت تیر[2] آمد بر جگر	کہ منم حارس مکن در وی نگر
بوسے تک کر تیر غیرت بیٹھتا ہے	میں نگہباں ہوں نہ تک کر دیکھ ادھر

---

[1] یعنی ظالموں کے کہنے سے خدائے تعالیٰ پاک ہے۔

[2] یعنی غیرت الٰہی کا تیر۔

کے کم از برہ کم از بزغالہ ام
کہ نباشد حارسی از دنبالہ ام
بکری کے بچے سے تو میں کم نہیں
کیوں نہ میرا پاسباں ہو بالیقیں

حارسے دارم کہ ملکش میسزد
داند آں بادے کہ بر من میوزد
پاسباں وہ ۔ عالم ملکش جہاں
جو ہوا مجھ کو چھوے جانے عیاں

سرد بود آں باد یا گرم آں علیم
نیست غافل نیست غائب اے سقیم
جانتا ہے سرد تھی یا گرم تھی
وہ نہ غافل ہے نہ غائب ہے کبھی

نفس شہوانی ندارد نور جاں
من بدل کوریت میدیدم عیاں
نفس شہوانی میں کب ہے نور جاں
میرے دل پر ہے تیری کوری عیاں

نفس شہوانی ز حق کرست و کور
من بدل کوریت میدیدم ز دور
نفس شہوانی ہے بہرا کور بھی
تیرے اندھے پن کو میں تھی دیکھتی

ہشت سالت زاں نپرسیدم ز ہیچ
کہ پرت دیدم ز جہل پیچ پیچ
آٹھ سال اس واسطے پرسش نہ کی
جہل سے بھرپور تھا تو واقعی

خود چہ پرسم آنکہ او باشد چو قن
کہ تو چونی چوں بود او سرنگوں
کس طرح سے اس سے میں پوچھوں کیوں
قن کی صورت جو خود ہو سرنگوں

دنیا بھاڑ اور تقویٰ حمام ہے

شہوت دنیا مثال گلخن ست
کہ از و حمام تقویٰ روشن ست
شہوت دنیا ہے گلخن کی مثال
گرم ہے حمام تقویٰ کی امدلال

لیک قسم متقی زیں تون صفاست
ز آنکہ در گرمابہ است و در نقاست
اس ولفذر سے بری ہیں متقی
کیونکہ ہیں حمام میں اور پاک بھی

اغنیا مانندۂ سرگیں کشاں
بہر آتش کردن گرمابہ داں
کوڑا کرکٹ اغنیا ہیں کھینچتے
گلخن خانہ گرم کرنے کے لئے

اندر ایشاں حرص بنہادہ خدا   تا بود گرمابہ گرم و با نوا
حرص بھر دیتا ہے ان میں کبریا   تا کہ ہو حمام گرم اور با نوا

ترکِ ایں تون گیر و در گرمابہ آں   ترکِ تون را عینِ آں گرمابہ داں
یہ دلدر چھوڑ اور حمام کر   ترک اس کا عین حمام اے پسر!

ہر کہ در تون است او چوں خادم است   مرورا کو خاسرست و خادم است
جو دلدر میں ہے خادم ہے یہاں   اس سے کہہ دے تو ہے مقصد یہاں

ہر کہ در حمام شد سیمائے او   ہست پیدا بر رخِ زیبائے او
جو گیا حمام میں اس کی جبیں   ہے رخِ زیبا پہ روشن بالیقین

تونیاں را نیز سیما آشکار   از لباس و از دخان و از غبار
ہیں دلدر کے نشاں بھی آشکار   کپڑوں سے اور دھوئیں سے تن پہ ہو غبار

ور نہ بینی روش بویش را بگیر   بو عصا آمد برائے ہر ضریر
منہ نہ دیکھے اس کا تو بو اس کی لے   بو عصا ہے ایسے اندھے کے لئے

ور نداری بو بیارش در سخن   از حدیثِ نو بداں رازِ کہن
بو نہ پائے تو تو باتیں اس سے کر   راز کہنہ اخذ کر ان سے پسر!

پس بگوید تونئے صاحب ذہب   بیست سال چرک بردم تا بشب
پس کہے یوں وہ دلدر مال دار   بیس سال افسوس ڈھویا چرک یار

حرص تو چوں آتش است اندر جہاں   باز کردہ صد زبانہ ہر دہاں
حرص تیری آگ ہے یہ جہان سے   لاکھوں شعلے منہ ہیں پھیلائے ہوئے

پیشِ عقل ایں زر چو سرگیں ناخوش است   گرچہ چوں سرگیں فروغِ آتش است
عقل میں سرگیں مال و زر ہے عقل سوز   گرچہ ہے گوبر کی طرح آتش فروز

لہ ارشاد خداوندی تعالیٰ عزوجل سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ
یعنی سجدوں کے اثر سے ان کی پیشانیوں میں نشان ہوں گے۔

آفتابے کو دم از آتش زند   چرک تر را لائق آتش کند
آگ کا دعویٰ جو سورج کرتا ہے   چرک تر کو آگ کے لائق کرے
آفتاب آں سنگ را ہم کرد زر   تا بقدر جرم افتد صد شرر
ہوتا ہے پتھر بھی سورج ہی سے زر   تا دلدر میں لگائے سو شرر
آنکہ گوید مال گرد آوردہ ام   چیست یعنی چرک چندیں خوردہ ام
جس نے جمع مال کا دعویٰ کیا   کہتا ہے - یوں چرک اتنا کھا گیا
ایں سخن گرچہ کہ رسوائی فزاست   درمیان تونیاں زیں فخرہاست
بات یہ گو کہ رسوائی فزا   ہے دلدر کے لئے فخر اسے تو
گر تو ششصد سال کشیدی تا بشب   من کشیدم بیست سال بے کرب
تو نے ہے چھ سال ڈھویا با ملال   میں نے گوبر ڈھویا پیہم بیس سال
آنکہ در توں زاد پاکی را ندید   بوئے مشک آرد بروئے رنج پدید
پاک کب تھے اس میں جو پیدا ہوئے   ہے انہیں تکلیف بوئے مشک سے
گر توں انبار خواہی بود تو   زیں زیاں ہرگز نہ بینی سود تو
ڈھیر میں گوڑے سے گر تو بڑھا   اس زیاں میں کچھ نہ ہوگا فائدہ

ایک چمڑا رنگنے والے کا قصہ

آں یکے دباغ در بازار شد   تا خرد آنچہ ورا در کار بد
گزرا اک دباغ اک بازار سے   تا خریدے چند چیزیں مول لے
چونکہ در بازار عطاراں رسید   ناگہاں افتاد بیہوش و خمید
چوک میں جب عطر والوں کے گیا   ناگہاں بے ہوش ہو کر گر پڑا
بوئے عطرش زد ز عطاران راد   تا جگر دیدش سر و بیجا فتاد
عطر کی بو کا جو جھونکا آ گیا   گر پڑا دباغ سر چکرا گیا

ہمچو مردار اوفتاد او بے خبر
نیم روز اندر میان رہگذر
صورت مردار تھا وہ بے خبر
آدھے دن تک درمیان رہگذر

جمع آمد خلق بر وے آن زمان
جملگان لاحول گو درمان کنان
لوگ سب آکر اکٹھے ہو گئے
اور لاحول اس پہ سب پڑھنے لگے

آن یکے کف بر دل او مے براند
وز گلاب آن دیگرے بر وے فشاند
کوئی دل پہ ہاتھ اس کے پھیرتا
اور چھڑکتا تھا گلابی دوسرا

او نمیدانست کاندر مرتعہ
از گلاب آمد ورا این واقعہ
کون جانے مزرع مدبغ خراب
واقعہ کی وجہ تھی بوئے گلاب

آن یکے دستش ہمے مالید و سر
وآن دگر کہگل ہمے آورد تر
ہاتھ اک ملتا تھا اس کے اور سر
تھنڈ کوئی سٹھیا کرکے تر

آن بخور عود و شکر زد بہم
وآن دگر از پوششش میکرد کم
ایک لایا عود و شکر کا بخور
ایک نے کپڑے کئے سب اس کے دور

وآن دگر نبضش کہ تا چون میجہد
وآن دگر بو از دہانش مے ستد
نبض کی رفتار تھا اک دیکھتا
سونگھتا تھا اس کے منہ کو دوسرا

تا کہ مے خوردست یا بنگ و حشیش
خلق درماندند اندر بیہشیش
تاکہ ہو معلوم مے پی ہے کہ بھنگ
خلق تھی بے ہوشیوں سے اس کی تنگ

پس خبر بردند خویشان را شتاب
کہ فلان افتادہ است اینجا خراب
دی خبر اس کے عزیزوں کو شتاب
ہے فلاں شخص اس جگہ بیہوش خراب

کس نمیداند کہ چون مصروع گشت
یا چہ شد کو اوفتاد از بام طشت
کون جانے اس کو مرگی آ گئی
یا گرا ہے اور شہرت ہے یہی

یک برادر داشت آن دباغ زفت
گربز و دانا بیامد زود تفت
ایک سا بھائی تھا دباغ کا
عاقل و دانا وہ فوراً آگیا

اندکے سرگین سگ در آستین	خلق را بشکافت و آمد با حنین
لے کر وہ آستیں میں رکھ لیا	بھیڑ کو اک بار آیا چیرتا
گفت من رنجش ہمی دانم ز چیست	چوں سبب دانی دوا کردن جلیست
بولا اس کے دکھ کی مجھ کو ہے خبر	ہے مداوا اس سے آسان تر
چوں سبب معلوم نبود مشکل است	داروے رنج و دراں صد محتمل است
ہو سبب پنہاں، تو ہوں سو مشکلیں	دو قسمیں رہیں ہر دعا اور درد میں
چوں بدانستی سبب را سہل شد	دانش اسباب دفع جہل شد
جب سبب سمجھا تو آساں ہو گیا	دفع اس نے جہل کو فوراً کیا
گفت با خود ہستش اندر مغز و رگ	توے بر توے بوے آں سرگین سگ
بھائی خود اس کا دل میں یوں کہنے لگا	یہ تو ہے سرگیں سگ ہی سے بھرا
تا میاں اندر حدث او تا بشب	غرق دباغیست او روزی طلب
یہ نجاست میں کمر تک تا بہ شب	غرق رہتا ہے، سدا روزی طلب
با حدث کرد است عادت سال و مہ	پسے عطرش لاجرم دارد تباہ
یہ نجاست کا ہے خوگر سال و ماہ	عطر کی بو نے کیا اس کو تباہ
پس چنیں گفتست جالینوس مہ	آنچہ عادت داشت بیمار آنش دہ
اس لئے ہے قول جالینوس کا	جو ہے عادت، وہ مریضوں کو کھلا
کز خلاف عادتست آں رنج او	پس دوائے رنجش از معتاد جو
ترک عادت ہی مرض ہے جان سے	ڈھونڈ تو اس کی دوا معتاد سے
چوں جعل گشتست از سرگیں کشی	از گلاب آید جعل را بیہشی
جب جعل سرگیں کشی سے ہو گیا	عطر سے کیا ہوش آئے پھر بھلا
ہم از آں سرگین سگ داروے اوست	کہ بداں او را ہمیں معتاد و خوست
ہے فقط سرگین سگ اس کی دوا	داخل عادت مری ہے یہ بلا

الخبیثات[1] الخبیثین را بخواں	زرو پشت این سخن را بازداں
الخبیثات الخبیثین پڑھو ذرا	پائے گا زرو پشت سے اس کا پتا
ناصحاں آنرا بعنبر یا گلاب	مے دوا سازند بہر فتح باب
چارہ کر عنبر گلاب اور کیوڑا	دیتے ہیں بہرے دوا تا ہو شفا
مر خبیثاں را نسازد طیبات	درخور ہر لائق نباشد اے ثقات
کب خبیثوں کو ہے پاکی سازگار	اُن کے قابل ہی نہیں یہ اے نگار
چوں ز عطر وحی کژ گشتند و گم	بد فغاں شاں کہ تطیّرنا بکم
ہو گئے جب وحی کی خوشبو سے گم	کہتے تھے کافر تطیّرنا[2] بکم
رنج و بیماریست ما را زیں مقال	نیست نیکو وعظتاں ما را بفال
رنج و بیماری ہے اس تقریر سے	وعظ یہ اچھا نہیں اپنے لئے
گر بیاغازید نصحے آشکار	ما کنیم ایندم شما را سنگسار
اب نصیحت کی جو تم نے آشکار	ہم تمہیں کر دیں گے فوراً سنگسار
ما بلہو و لعب فربہ گشتہ ایم	در نصیحت خویش را نسرشتہ ایم
ہم بھلے موٹے ہیں لہو و لعب سے	ہیں نصیحت سے الگ اب تک رہے
ہست قوت ما دروغ و لاف و لاغ	شورش معدہ است ما را زیں بلاغ
جھوٹ ہے یا مکر ہے اپنی غذا	شورشِ معدہ ہے پیغامِ خدا

---

[1] قولہ تعالیٰ عزّوجل، الخبیثات للخبیثین یعنی پلید چیزیں پلید لوگوں کے لئے ہیں۔ اگر اسے زرو پشت کیا جائے تو "الخبیثون للخبیثات" ہوگا۔ یعنی پلید لوگ پلید چیزوں کے لئے ہیں ۱۲۔

[2] قالوا انا تطیرنا بکم لئن لم تنتہوا لنرجمنکم ولیمسنکم منا عذاب الیم۔ یعنی کافروں نے انبیاء سے کہا کہ اپنے درمیان ہم تمہیں نحس اور شوم سمجھتے ہیں کہ تم نے ہم میں تفرقہ ڈال دیا۔ اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کریں گے اور تم کو ہم سے بڑے عذاب پہنچیں گے۔

رنج را صد تو و افزوں میکنند — عقل را دارو بافیوں میکنند
یہ بڑھاتے رنج کو ہیں سو گنا — عقل کو دیتے ہیں یہ افیوں کھلا
گند شرک و کفر ایشاں بیحد است — ہیں کہ دباغ اوفتادہ بیخود است
گندگی بے حد ہے کفر و شرک کی — دیکھیں اب دباغ کی بھی بیہوشی

دباغ کا علاج

خلق را میراند زو آں نوجواں — تا علاجش را نہ بینند آں کساں
بھیڑ کو اس سے ہٹانا تھا جواں — تا علاج اس کا نہ ہو ان پہ عیاں
سر بگوشش برد ہمچوں راز گو — پس نہاد آں چیز بر بینی او
راز گو کی طرح نیچا کر کے سر — رکھ دیا چرکیں اس کی ناک پر
کو بکف سرگین سگ سائیدہ بود — داروئے مغز پلیداں دیدہ بود
ہاتھ میں لے کے تھا گوہ مل لیا — جو پلیدوں کی مجرب تھا دوا
چونکہ بوئے آں حدث را واکشید — مغز زشتش بوئے ناخوش را چشید
اس نجاست کی جو بو اس تک گئی — بوئے ناخوش مغز میں جا کر بسی
ساعتے شد مردہ جنبیدن گرفت — خلق گفتند ایں فسونے بد شگفت
مردہ وہ کچھ دیر میں ہلنے لگا — لوگوں نے سمجھا کہ جادو کر دیا
کایں بخواند افسوں بگوشش او دمید — مردہ بود افسوں بفریادش رسید
اس نے جادو پڑھ کے پھونکا کان میں — کام افسوں کر گیا ڈالا سا جان میں
جنبش اہل دنیا آں سو بود — کہ زنا و غمزۂ ابرو بود
ہے ہوا سے جنبش اہل دنیا — غمزۂ ابرو ہو یا ہو تیر ناز
ہر کرا مشک نصیحت سود نیست — جز بدیں بوئے بدش بہبود نیست
مشک سے جس کو نہ ہو کچھ فائدہ — کیا علاج اس کا بجز بو کے سوا

مشرکان را[1] زاں نجس خواندہ است حق　　کاندروں پشک زادند از سبق
مشرکوں کو یوں نجس حق نے کہا　　مینگنی میں تھی پڑی ان کی بنا

کرم کو زاد است از سرگیں ابد　　مے نگرداند بعنبر خوئے خود
کیڑا جو گوبر میں ہے پیدا ہوا　　اس کی عادت بدلے کی عنبر سے کیا

چوں نزد بروے نثار رش نور　　او ہمہ جسم است بے جان چوں قشور
نور کی اس پر نہ بوچھاڑیں پڑیں　　جسم ہے چھلکا سا جاں اس میں نہیں

ور ز رش نور حق قسمیش داد　　ہمچو رسم[2] مصر سرگیں مرغ زاد
نور حق میں کچھ اگر حصہ ملا　　مرغ رسم مصر سے پیدا ہوا

لیک نے مرغ خسیس خانگی　　بلکہ مرغ دانش و فرزانگی
کب ہے وہ ناپاک مرغ خانگی　　بلکہ مرغ دانش و فرزانگی

تو بداں مانی کزاں نورے تہی　　زانکہ بینی بر پلیدی مے نہی
تو بھی ایسا ہی ہے خالی نور سے　　ناک ہے اپنی پلیدی پہ رکھے

از فراقت زرد شد رخسار و رو　　برگ زرد و میوۂ ناپختہ تو
گال تیرے ہجر سے مرجھا گئے　　برگ زرد اور میوے ناپختہ تیرے

دیگ ز آتش شد سیاہ و دود فام　　گوشت از سختی چنیں ماندست خام
دیگ آتش سے ہوئی گو دود فام　　گوشت سختی سے رہا ویسا ہی خام

ہشت سالت جوش دادم از فراق　　کم نشد یک ذرہ خامیت از نفاق
ہجر میں تجھ کو ابالا آٹھ سال　　تیری خامی کم نہ نکلی ایک بال

---

[1] قولہ تعالیٰ عز وجل: انما المشرکون نجس۔ بے شک مشرک ناپاک ہیں۔

[2] مصر میں رسم ہے کہ انڈے کو گوبر میں دباتے ہیں پھر اپنے بیٹھنے اور ملنے کی گرمی سے بچہ پیدا کرتے ہیں۔

[3] وہ معشوقہ اپنے عاشق سے کہتی ہے۔

خامی و ہرگز نخواہی پخت تو	گر ہزاراں بار جوشی اے عتو
خام ہے ہرگز پکے گا تو نہیں	گو ہزاروں بار اُبلے بالیقیں
غورۂ تو سنگ بستہ از مقام	غورہا اکنوں مویزند و تو خام
تیرا غورہ سنگ بستہ ہے تمام	سب منقّٰی بن گئے اور تو ہے خام

عاشق کی فریب سے عذر خواہی

گفت عاشق امتحاں کردم مگیر	تا بہ بینم تو حریفی یا ستیر
بولا عاشق نے لیا تھا امتحاں	ہے خفیہ یا حریف دوستاں
من ہمے دانستمت بے امتحاں	لیک کے باشد خبر ہمچوں عیاں
جانتا ہے امتحاں بھی تھا۔ مگر	دیکھنا کچھ اور ہے۔ سننا دگر
آفتابی نام تو مشہور و فاش	چہ زیانست ار بکردم ابتلاش
نام تیرا مہر کی صورت عیاں	کیا ہے نقصاں سے دیا گر امتحاں
انبیا را امتحاں کردہ عداۃ	تا شدہ ظاہر از ایشاں معجزات
امتحاں لوگوں نے نبیوں کے لئے	اور ان سے معجزے ظاہر ہوئے
تو منی من خویشتن را امتحاں	میکنم ہر روز در سود و زیاں
تو ہے مجھ میں اور میں اپنا امتحاں	کرتا ہوں ہر روز با سود و زیاں
امتحان چشم خود کردم بنور	اے کہ چشم بد ز چشمان تو دور
آزمایا آنکھ کو ہے نور سے	دور اے جاں! تجھ سے چشم بد رہے
ایں جہاں ہمچوں خرابست و تو گنج	گر تفحص کردم از گنجت مرنج
یہ جہاں ویرانہ ہے اور تو ہے گنج	جستجو کی گنج کی تو کیوں ہے رنج

؎ کچا انگور ۔

زاں چنیں بیخودی کردم گزاف
تا زنم با دشمناں ہر بار لاف
اس لئے تھی بیخودی بے گماں
دشمنوں میں تاکہ ماروں شیخیاں

تا زبانم چوں ترا نامے نہد
چشمم ازیں دیدہ گواہی با دہد
تا زباں جب نام لے اے رشک ماہ
تیری آنکھیں تیری ہو جائیں گواہ

گر شدم در راہ حرمت راہزن
آمدم اے مہ بشمشیر و کفن
تیری حرمت کا ہوا گر راہزن
لیکے آیا ہوں یہاں تیغ و کفن

جز بشمشیر خود اے شاہم مکش
بیش ازیں از دوری اے ماہم مکش
تیغ سے اپنی ہی مجھ کو قتل کر
مار دوری کی نہ دے اب اس قدر

جز بدست خود مبرم پا و سر
کہ ازیں دستم نہ از دست دگر
پاؤں اور سر کاٹ اپنے ہاتھ سے
کیوں مروں میں دوسروں کے ہاتھ سے

از جدائی باز میرانی سخن
ہر چہ خواہی کن ولیکن ایں مکن
پھر جدائی کا لیا کیوں تو نے نام
اور سب کچھ کر نہ کر لیکن یہ کام

در سخن آبادم ایں دم راہ شد
گفت امکاں نیست چوں بیگاہ شد
گو سخن[1] آباد کا رستہ ہو
اپنی کہنے کا کہاں موقع رہا

پوستہا گفتیم و مغز آمد دفیں
گر بمانیم ایں نماند ہمچنیں
پوست ظاہر ہیں مغز گودا نہاں
چھوڑ دوں یوں ہی تو جائے رائیگاں

گر خطائے آمد از ما در وجود
چشم میداریم در عفو اے ودود
مجھ سے سرزد گر ہوئی کوئی خطا
اے حبیب بخشش دے بہر خدا

امتحاں کردم مرا معذور دار
چوں ز فعل خویش گشتم شرمسار
آزمائش کی تھی ۔ کر دے عفو یار
فعل سے اپنے میں خود ہوں شرمسار

---

[1] چونکہ وہ عاشق اس جگہ اپنی معشوقہ سے ہم کلام تھا اس لئے اسے سخن آباد کہا ہے ۔

معشوق کا عاشق کے عذر کو رد کرنا

در جوابش برگشاد آں ماہ لب	کز سوئے ما روز و سوئے تُست شب
یوں جواب اس ماہ عالم نے دیا	رات تیری ہے مگر ہے دن مرا
حیلہائے تیرہ اندر داوری	پیش بینایاں چرا مے آوری
مکر یہ تاریک کیوں کرتا ہے تو	وہ بھی جو بینا ہیں ان کے رو برو
ہر چہ در دل داری از مکر و رموز	پیش ما رسوا و پیدا ہمچو روز
مکر سے جو تیرے دل میں ہے نہاں	ہے مثال روز وہ مجھ پر عیاں
گر بپوشیمش ز بندہ پروری	تو چرا بیرونی از حد مے بری
میں چھپاتا ہوں اسے یہ ہے بھلا	اپنی حد سے تو ہے کیوں آگے بڑھا
از پدر آموز کآدم در گناہ	خوش فرود آمد بسوئے پایگاہ
سیکھ جب آدم ہوئے محو گناہ	نیچے اترے شاد سوئے پایگاہ
چوں بدید آں عالم الاسرار را	بر دو پا استاد استغفار را
شان دیکھی عالم اسرار کی	ہو گئے استادہ استغفار کی
بر سر خاکستر اندہ نشست	وز بہانہ شاخ تا شاخے نجست
بیٹھے وہ خاکستر اندوہ پر	شاخ سے تا شاخ پہنچے کود کر
ربنا[۱] انا ظلمنا گفت و بس	چونکہ جانداراں بدید از پیش و پس
ربنا انا ظلمنا پھر کہا	پیش و پس سے جانداروں کو تکا

---

[۱] قول تعالیٰ عزوجل ہے ۔ ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین ۔ یعنی آدم علیہ السلام نے کہا ۔ یا اللہ ہم نے اپنی ذات پر خود ظلم کیا ہے اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو یقیناً ہم نقصان اٹھانے والوں سے ہوں گے ۔

دیدہ جانداران پنہاں بیچ جاں	دور باشِ ہر یکے تا آسماں
دیکھا جانداروں کو پنہاں مثل جاں	دور باشیں جن کی قیمیں تا آسماں
کہ ہلا پیشِ سلیماں مور باش	تا نجشگافد ترا ایں دور باش
ہاں تو آ پیشِ سلیماں مور ہو	پھاڑ یہ تجھ کو نہ ڈالے دور ہو
جز مقامِ راستی یکدم مایست	ہیچ لالا مرد را چوں چشم نیست
ہاں نہ لے دم جز مقام راستی	آنکھ سے بہتر نہیں خادم کوئی
کور را گر از پند پالودہ شود	ہر دمے او باز آلودہ شود
صاف کر دیں کور کو گر پند سے	گندگی میں پھر وہ ہر دم جا پڑے
آدما تو نیستی کور از نظر	لیک[ل] اذا جاء القضا عمی البصر
گرچہ اے آدم نہیں تو کم نظر	جب قضا آئے ۔ ہو آنکھ اندھی مگر
عمرہا باید بنادر گاہ گاہ	تا کہ بینا از قضا افتد بچاہ
شاذ و نادر مدتوں میں ہاں کبھی	چاہ میں گر جاتا ہے بینا کوئی
کور را خود ایں قضا ہمراہ اوست	کہ مر او را اوفتادن طبع و خوست
کور کے ہمراہ قضا ہے کو بکو	اس کا گرنا ہے طبیعت اور خو
در حدث افتد نداند بوئے چیست	از منست ایں بوئے یا آلودگیست
جانے کیا وہ گر کے ناپاکی میں بھی	مجھ سے ہے میری یا کہ ہے آلودگی
ور کسے بروئے کند مشکے نثار	ہم ز خود داند نہ از احسان یار
مشک اس پر ڈال دے کوئی تو کیا	اپنی بو سمجھے نہ احسان دوست کا
پس دو چشم روشن صاحب نظر	بہتر از صد مادر است و صد پدر
آنکھیں مرد اہل نظر کی دیکھئے	بہتر و بہتر ہیں سو ماں باپ سے

[ل] یعنی جس وقت قضا آتی ہے، آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں ۔

خاصہ چشم دل کہ آں ہفتاد توست　　پیش چشم حس کہ خوشہ چین اوست
پردے ستر چشم دل میں کر یقیں　　چشم حس اس آنکھ کی ہے خوشہ چیں

اے دریغا رہزناں بنشستہ اند　　صد گرہ زیر زبانم بستہ اند
راہزن ہیں راہ میں بیٹھے ہوئے　　گرہیں سو میری زباں میں ڈال کے

پائے بستہ چوں رود خوش راہوار　　بس گراں بندیست ایں معذور دار
جو ہو پابستہ چلے کب راہوار　　ہے گراں بند نفس، سمجھ معذور یار

ایں سخن اشکستہ مے آید ولا　　کایں سخن دُر است و غیرت آسیا
ہے سخن تیرا شکستہ ہے ولا　　ہے سخن موتی تو غیرت آسیا

دُر اگرچہ خرد و اشکستہ شود　　توتیائے دیدۂ خستہ شود
موتی چورا چورا ہو کر ٹوٹ کے　　دیدۂ خستہ کا وہ سرمہ بنے

اے دُر از اشکستِ خود بر سر مزن　　کز شکستن روشنی خواہی شدن
اے دُر اپنے ٹوٹنے کا غم نہ کھا　　ٹوٹتے ہی روشنی بن جائے گا

ہمچنیں اشکستہ بستہ گفت نیست　　حق کند آخر درستش کو غنی ست
ایسی ہی ہے ٹوٹی پھوٹی بات بھی　　حق درست اس کو کرے جو ہے غنی

گندم ار بشکست زہم در شکست　　بر دکاں آمد کہ نک ناں درست
گیہوں ٹوٹے اور پسے بے اختیار　　جب دکاں پر گئے تو روٹی ہو یار

تو ہم اے عاشق چو جرمت گشت فاش　　آب و روغن ترک کن اشکستہ باش
تو بھی اے عاشق عیاں ہو جرم اگر　　ہو شکستہ، سب تکلف ترک کر

آنکہ فرزندانِ خاصِ آدمند　　نوحۂ اِنّا ظَلَمْنا میدمند
خاص جو فرزند آدم ہیں یہاں　　ان کو ہے انا ظلمنا بر زباں

حاجت خود عرض کن حجت مجو　　ہمچو ابلیس لعین سخت رو
اپنی حاجت کر بیاں حجت نہ کر　　مثل ابلیس لعین بد سیر

سخت روئی گر ورا شد عیب پوش	در ستیزہ سخت روئی رو مکوش
سخت روئی عیب پوش اس کی ہے یار	جا نہ کر تو سخت روئی اختیار
آں ابوجہل از پیمبر معجزے	خواست ہمچوں کینہ ور ترک غزے
مصطفےٰ سے معجزہ بوجہل نے	چاہا ۔ اور جوں ترک آیا سامنے
معجزہ جست از نبی بوجہل سگ	دید و افزودش ازاں الّا کہ شک
معجزہ بوجہل نے چاہا تو کیا	کب بڑھی بینائی ہاں شک بڑھ گیا
لیک آں صدیق حق معجز نخواست	گفت ایں رو خود نگوید غیر راست
معجزہ صدیقؓ نے چاہا نہ تھا	بولے اس منہ کی ہوں باتیں جھوٹ کیا
کے رسد ہمچوں توئی را کز منی	امتحان ہمچو من یارے کنی
تو جو ہے مغرور تو کب ہے بجا	امتحاں لینا مجھ ایسے دوست کا

حضرت علیؓ اور ایک یہودی

مرتضیٰؓ را گفت روزے یک عنود	کو ز تعظیم خدا آگہ نبود
یوں علیؓ سے ایک سرکش نے کہا	جو نہ تھا آگاہ و تعظیم خدا
بر سر بامے و قصرے بس بلند	حفظ حق را واقفی اے ہوشمند
ایک کوٹھے پر بلند اک محل پہ	حفظ حق سے آپ واقف ہیں مگر
گفت آرے او حفیظ است و غنی	ہستی ما را ز طفلی و منی
بولے ہاں وہ ہے محافظ اور غنی	عالم طفلی ہے ، اس سے قبل بھی
گفت خود را اندر افگن ہیں ز بام	اعتمادے کن بحفظ حق تمام
بولا اس کوٹھے سے نیچے گر پڑو	اور بھروسہ حفظ خالق پہ کرو
تا یقیں گردد مرا ایقان تو	و اعتقاد خوب با برہان تو
تا یقیں اس بات کا آئے مجھے	اعتقاد ایسی دلیلوں پہ رہے

پس امیرش گفت خامش کن برو
تا نگردد جانت ایں جرأت گرو
پس علیؓ بولے کہ ہو خاموش جا
جاں نہ اس جرأت میں پائے ابتلا

کے رسد مر بندہ را کو با خدا
آزمایش پیش آرد ز ابتلا
بندہ کے لائق ہے کب جو امتحاں
لے خدا کا۔ سامنے آکر یہاں

بندہ را کے زہرہ باشد کز فضول
امتحانِ حق کند اے گیج گول
بندہ کی طاقت ہے کیا جو بھول کر
لے خدا کا امتحاں اے بے بصیر

آں خدا را میرسد کو امتحاں
پیش آرد ہر دمے با بندگاں
ہے فقط یہ بات خالق کو روا
امتحاں لے ہر گھڑی مخلوق کا

تا بما ما را نماید آشکار
کہ چہ داریم از عقیدہ در سرار
تا ہمیں یہ ہم کو کر دے آشکار
غیب پہ ہے ہم کو کتنا اعتبار

ہیچ آدم گفت حق را کہ ترا
امتحاں کردم دریں جرم و خطا
کیا کسی نے بھی خدا سے ہے کہا
ہاں کیا ہے امتحاں میں نے ترا

تا ببینم غایت حشمت شہا
وہ کرا باشد مجال ایں کرا
تا کہ تیرے حلم کی حد دیکھ لوں
ہے مجال اس کی کسے اے سرنگوں

عقل تو از بس کہ آمد خیرہ سر
ہست عذرت از گناہ تو بتر
عقل تیری ہے بہت خوار و تباہ
ہے گنہ سے بھی بڑا عذرِ گناہ

آنکہ او افراشت سقف آسماں
تو چہ دانی کردن او را امتحاں
جس نے تانی ہے یہ سقف آسماں
تو بھلا اس کا کرے گا امتحاں

اے ندانستہ تو شر و خیر را
امتحاں خود را کن آنگہ غیر را
علم کب ہے تجھ کو شر و خیر کا
لے تو اپنا امتحاں پھر غیر کا

امتحان خود چو کردی اے فلاں
فارغ آئی ز امتحانِ دیگراں
امتحان اپنا لیا جب اے فتا
امتحانِ غیر سے فارغ ہوا

چوں بدانستی کہ شکر دانۂ	پس بدانی کاہل شکر خانۂ
جب تو جانے خود کو شکر دانہ ہے	واقف تو بھی شکر خانہ ہے
پس بداں بے امتحانے کر آں	شکرے نفرستدت تا جایگاہ
وہ خدا بے آزمائش کے کہیں	بھیجتا شکر مکانوں تک نہیں
ایں بداں بے امتحاں از علم شاہ	چوں سری نفرستدت تا پایگاہ
علم حق سے یوں ہی کرے تو یقیں	سروری بے امتحاں حق نہیں
ہیچ عاقل افگند دُرِّ ثمیں	درمیان مستراح پرچمیں
کوئی عاقل گوہر قدر نہیں	ڈال پھینکتا ہے کوڑے پر کہیں
زانکہ گندم را حکیم آگہے	ہیچ نفرستد بانبار کہے
گیہوں کے دانے کوئی عاقل بتا	گھاس کے انبار میں ہے پھینکتا
شیخ را کہ پیشوا و رہبر است	گر مریدے امتحاں کرد او خر است
شیخ کا جو رہنما ہے پیشوا	ہے جو خادم امتحاں تو ہے گدھا
امتحانش گر کنی در راہ دیں	ہم تو گردی ممتحن اے بے یقیں
ہے جو اس کا امتحاں راہ دیں	ممتحن تو بھی بنا اے بے یقیں
جرأت و جہلت شود عریان و فاش	او برہنہ کے شود زیں اقتباس
جہل اور جرأت ہوں تیرے برہنہ	وہ نہ ہوا اس جستجو سے برہنہ
گر بیاید ذرہ سنجد کوہ را	بردرد زاں کہ ترازوش اے فتا
کوہ کو ذرہ گر آ کے تولے	گر ٹوٹے جو اس کی ترازو کوہ سے
کز قیاس خود ترازو مے تند	مرد حق را در ترازو مے کند
وہم کی لے کر ترازو ہے تُلا	آدمی پھر ہے خدا کو تولتا
چوں نگنجد او بمیزان خرد	پس ترازوئے خرد را بر درد
جبکہ گنجائش نہیں عقل کی	توڑ دیتا ہے ترازو عقل کی

امتحاں ہمچوں تصرف داں ورو	تو تصرف بر چناں شاہے مجو
امتحاں بھی اک تصرف ہے پسر!	تو تصرف کر نہ ایسے شاہ پر
چہ تصرف کرد خواہد نقشہا	بر چناں نقاش بہر ابتلا
کیا تصرف نقش پر کر لیں بھلا	کس طرح نقاش کو لیں آزما
امتحانے گر بدانست و بدید	نے کہ ہم نقاش آں بر وے کشید
امتحاں ہے دید اور دانست سے	کیا نہیں یہ نقش[1] اس نقاش کے
چہ قدر باشد خود ایں صورت کہ بست	پیش صورتہا کہ در علمش وے است
قدر کیا رکھتی ہیں یہ سب صورتیں	نقش کے آگے جو ہیں اس کے علم میں
وسوسہ ایں امتحاں چوں آیدت	بخت بد داں کامد و گردن زدت
آئے جب یہ امتحاں کا وسوسا	بدنصیبی کا سمجھ سے سامنا
چوں چنیں وسواس دیدی زود زود	با خدا گرد و در آ اندر سجود
تجھ میں جب پیدا ہو ایسا وسوسا	سجدے میں گر جلد تر پیش خدا
سجدہ گہ را تر کن از اشک رواں	کاے خدایا وارہانم زیں گماں
آنسوؤں سے سجدہ گہ کر اپنی تر	اس گماں سے چھوٹنے کی عرض کر
آں زماں کت امتحاں مطلوب شد	مسجد دین تو پر خروب شد
امتحاں کی آرزو ہو جس گھڑی	مسجد دیں، جان سے ویراں ہوئی
زیں چو وسواس آمدت در امتحاں	باز گرد و زود بحق آر آزماں
دل میں جب ہوں امتحاں کے ولولے	جانب حق چاہیے پھرنا تجھے
تا نگہدارد ترا آں ممتحن	از گمان و امتحان انس و جن
ممتحن محفوظ تا تجھ کو رکھے	امتحاں سے جملہ جن و انس کے

---

[1] یعنی دید اور دانست ۔

مسجدِ اقصیٰ کا قصہ

اے ضیاء الحق حسام الدین بیا	قصۂ داؤد برگو در بنا
اے ضیاء، حق حسام الدین آ	قصۂ داؤد مسجد کی سنا
چوں درآمد عزم داؤد بتنگ	کہ بسازد مسجد اقصیٰ بسنگ
عزم جب داؤد کا راسخ ہوا	مسجد اقصیٰ کی پڑ جائے بنا
وحی کردش حق کہ ترک ایں بخواں	کہ ز دستت بر نیاید ایں مکاں
وحی کی حق نے ارادہ ترک کر	کب بنے گا تیرے ہاتھوں سے یہ گھر
نیست در تقدیر ما آنکہ تو ایں	مسجد اقصیٰ برآری اے گزیں
تیری قسمت میں نہیں ہم نے لکھا	مسجد اقصیٰ کی تو ڈالے بنا
گفت جرمم چیست اے دانائے راز	کہ مرا گوئی کہ مسجد را مساز
بولے اے دانا خطا میری ہے کیا	مجھ سے کہتا ہے۔ نہ تو مسجد بنا
گفت بے جرمے تو خونہا کردۂ	خون مظلوماں بگردن بردۂ
بہ قتل بے گناہ تو نے کیا	خون مظلوموں کا تجھ پر ہے دھرا
کز آواز تو خلقے بے شمار	جاں بدادند و شدند آں را شکار
تیری خوش لحنی سے خلقت بے شمار	جان دے کر ہو گئی تیرا شکار
خوں بسے رفتست بر آواز تو	بر صدائے خوب جاں پرداز تو
خون تیری آواز سے کتنے ہوئے	خوش صدائی پہ تری لاکھوں مٹے
گفت مغلوب تو بودم مست تو	دست من بر بستہ بود از دست تو
بولے میں مغلوب تھا اور مست تھا	ہاتھ میرا تیرے ہاتھوں سے بندھا
نے کہ ہر مغلوب شہ مرحوم بود	نے کہ المغلوب کالمعدوم بود
کیا نہ ہر مغلوب شہ مرحوم تھا	کیا نہ "المغلوب کالمعدوم" تھا

گفت اے مغلوب معدومی تو کو	جز بنسبت نیست معدوم ایقنوا
بولا اے مغلوب معدومی تھی کیا	نسبتاً معدوم تھا چپ ہو بھی جا
ایں چنیں معدوم کو از خویش رفت	بہترین ہستہا افتاد و زفت
نیست ایسا جو خودی کو دے ہٹا	اچھی اچھی ہستیوں سے ہے بڑا
او بہ نسبت باحیاتِ حق فناست	در حقیقت در فنا او را بقاست
نسبتاً گو وہ خدا میں ہے فنا	در حقیقت ہے فنا اس کی بقا
جملہ ارواح در تدبیر اوست	جملہ اشباح در تاثیر اوست
ہیں اسی کے حکم میں روحیں تمام	اس کی تاثیریں ہیں سب جسموں میں عام
آنکہ او مغلوب اندر لطفِ ماست	نیست مضطر بلکہ مختار ولاست
وہ جو ہے مغلوب میرے لطف سے	کب ہے مضطر، اختیار اس کو ہے
منتہائے اختیار آں است خود	کاختیارش گردد اینجا مفتقد
وہ تو خود ہے انتہائے اختیار	بھول جاتا ہے وہ اپنے اختیار
اختیارش گر نبودے چاشنی	گر نگشتے آخر او محو از منی
اختیار اس کا نہ ہو گر چاشنی	محو ہو کر کیوں مٹائے وہ خودی
در جہاں گر لقمہ و گر شربت است	لذتِ او فرعِ ترکِ لذت است
ہو غذا یا شربت دہر فراخ	سب کی لذت ترکِ لذت کی ہے شاخ
گرچہ از لذات بے تاثیر شد	لذتے بود او و لذت گیر شد
لذت دنیا سے گر بے تاثیر ہے	اصل لذت ہے تو لذت گیر ہے
ہر کہ او مغلوب شد مرحوم گشت	در بحارِ رحمتش معدوم گشت
جو ہوا مغلوب وہ مرحوم ہے	رحمتوں کے بحر میں معدوم ہے
نے چناں معدوم کز اہلِ وجود	ہیچ بروے چیرہ اندر گاہ جود
نیست وہ ایسا نہیں ہنگام جود	اس پہ غالب ہو کوئی اہلِ وجود

بلکہ والی گشت موجودات را	بیگمان و بے نفاق و بے ریا
بلکہ وہ مالک ہے موجودات کا	بے گماں بے اختلاف اور بے ریا
بیمثال و بے نشان و بے مکاں	بیزمان و بے چنیں و بے چناں
بے مثال و بے نشاں ہے بے مکاں	اب چنیں باقی نہ ہے اس میں چناں
بے شکال اندر سوال و در جواب	دم مزن واللہ اعلم بالصواب
مشکل اس کو کب سوال اور بے جواب	دم نہ مارا ، اللہ اعلم بالصواب

مومن بھائی بھائی اور علما نفسِ واحد ہیں

پس خطاب آمد بداؤد از خدا	کاے گزیں پیغمبر نیکو لقا
پس کہا داؤد سے اللہ نے	اے خجستہ خاص پیغمبر مرے
دل مدار اندر تفکر زیں خبر	رہ مدہ در دل ملال و غم مخور
اس خبر سے فکر کچھ دل میں نہ کر	رنج و غم دل میں نہ لا اے باخبر
گرچہ بر ناید بجہد و زور تو	لیک مسجد را بر آرد پور تو
تیرے امکاں میں نہیں ایسا تو کیا	تیرا بیٹا دے گا یہ مسجد بنا
گرچہ بر ناید بجہدت ایں مقام	لیک پور تو کند آنرا تمام
تیری کوشش سے نہ سدھرے یہ مقام	پر تیرا فرزند کرے گا اتمام
کردۂ او کردۂ تست اے حکیم	مومناں را اتصالے داں قدیم
اس کا کرنا تیرا کرنا ہے حکیم	اتصال ان مومنوں کا ہے قدیم
مومناں معدود لیک ایماں یکے	چشم شاں معدود لیکن جاں یکے
ہیں کئی مومن مگر ایمان ایک	ہیں کئی آنکھیں مگر ہے جان ایک
غیر فہم و جاں کہ در گاو و خر است	آدمی را عقل و جان دیگر است
گاو و خر میں ہے سمجھ بوجھ اور ہی	آدمی میں عقل و جاں ہے دوسری

باز غیرِ عقل و جانِ آدمی	ہست جانے در نبی و در ولی
آدمی کی عقل و جاں سے بھی نئی	جانِ نبیوں اور ولیوں کو ملی
جانِ حیوانے ندارد اتحاد	تو مجو ایں اتحاد از روح باد
جانِ حیوانی میں کب ہے اتحاد	اس سے خالی ہے سراسر روحِ باد
گر خورد ایں ناں نگردد سیر آں	ور کشد بار ایں نگردد آں گراں
سیر دوجی سے وہ ہو سکتی نہیں	بار سے اس کو گرانباری نہیں
بلکہ ایں شادی کند از مرگ آں	از حسد میرد چو بیند برگ آں
بلکہ اس کی موت ہو شادی اسے	دیکھے با ساماں حسد سے جل مرے
جانِ گرگان و سگاں ہر یک جداست	متحد جانہائے شیرانِ خداست
بھیڑیوں، کتوں کی جانیں ہیں جدا	متحد ہے جانِ شیرانِ خدا
جمع لہ گفتم جانہاشاں من باسم	کاں یکے صد جاں بود نسبت بجسم
"ان کی جانیں" یہ کہا از روئے اسم	ایک جاں سو طرح ہے عنوانِ جسم
ہمچو آں یک نورِ خورشید سما	صد بود نسبت بصحنِ خانہا
جس طرح اک نور ہے خورشید کا	سیکڑوں صحنوں میں گھر گھر پھیلتا
لیک یک باشد ہمہ انوارشاں	چونکہ برگیری تو دیوار از میاں
لیکن ان کا نور یکساں ہو عیاں	ہو نہ گر دیوار کوئی درمیاں
چوں نماند خانہا را قاعدہ	مومناں مانندِ نفس واحدہ
جب گھروں کا کچھ نہ ٹھہرا قاعدہ	ٹھہرے مومن مثلِ نفسِ واحدہ
فرق و اشکالات آید زیں مقال	لیک نبود مثل ایں باشد مثال
مشکلیں گو اس بیاں میں ہیں کمال	یہ مثل لیکن نہیں - یہ ہے مثال

لہ یعنی میں نے جو جانوں کو جمع کیا۔

فرقہا بیحد بود از شخصِ شیر	تا بشخصِ آدمی زادِ دلیر
فرق بے حد ہے کہاں وہ جسمِ شیر	اور کہاں اک آدمی زادہ دلیر
لیک وقتِ مثال اے خوش نظر	اتحاد از روئے جانبازی نگر
ہاں تو وقتِ مثال اے خوش نظر	دونوں کی جانبازیوں پہ غور کر
کاں دلیر آخر مثالِ شیر بود	نیست مثلِ شیر در جملہ حدود
وہ دلیر آخر مثالِ شیر تھا	ہے نہ مثلِ شیر بالکل اے فتا
متحد نقشے ندارد ایں سرا	تا کہ مثلے وانمایم من ترا
ایک سے نقش اس جہاں میں ہیں کہاں	تا مثال اس کی کروں تجھ سے بیاں
ہم مثالِ ناقصے دست آورم	تا ز حیرانی خرد را واخرم
میں مثال اک اور ناقص پیش کروں	عقل کو حیرانیوں سے ہو سکوں
شب بہر خانہ چراغے مے نہند	تا بنورِ آں ز ظلمت مے رہند
رات کو رکھتے ہیں ہر گھر میں چراغ	تا اندھیرے سے رہے حاصل فراغ
آں چراغ ایں تن بود نورش چو جاں	ہست محتاجِ فتیل این و آں
ہے بدن مثلِ چراغ اور نور جاں	بتی کا محتاج ہے یہ بے گماں
آں چراغِ شش فتیلہ ایں حواس	جملگی بر خواب و خور دارد اساس
چھ فتیلوں کا دیا ہیں یہ حواس	کھانے اور سونے پہ ہے ان کی اساس
بے خور و بے خواب نزید نیم دم	با خور و با خواب نزید نیز ہم
بے خورد بے خواب کب ہو زندگی	کھانے سونے ہی سے آئے موت بھی
بے فتیل و روغنش نبود بقا	با فتیل و روغن او ہم بے وفا
کو نہیں بے تیل بتی کے بقا	تیل بتی سے بھی ہے وہ بے وفا

---

[1] چراغ ۔

زانکہ نورِ علتی اش مرگِ جوست	چوں زید کہ روزِ روشن مرگِ اوست
موت کا جویا ہے نورِ علتی	روزِ روشن موت ہے اس کی کھلی
جملہ حسہائے بشر ہم بے بقاست	زانکہ پیشِ نورِ روزِ حشر لاست
آدمی کی سب حسیں ہیں بے ثبات	نورِ روزِ حشر کے آگے فنا
نورِ حسِ جانِ بے پایانِ ما	نیست کلی فانی ولا چوں گیا
جانِ بے پایاں میں نورِ حس رہے	فانی یہ کلی نہیں جوں گھاس کے
لیک مانندِ ستارہ و ماہتاب	جملہ محو اند از شعاعِ آفتاب
چاند تاروں کی طرح ہے یہ کلام	محو سورج کی کرنوں میں ہیں تمام
آنچنانکہ سوز و درد زخمِ کیک	محو گردد چوں در آید مار ریک
جیسے پسو کی جلن تو بھول جائے	سامنے جس وقت تیرے سانپ آئے
آنچنانکہ عور اندر آب جست	تا در آب از زخمِ زنبوراں برست
جس طرح پانی میں کودے برہنا	تاکہ پانی میں بھڑوں سے بچ رہا
میکند زنبور بر بالا طواف	چوں بر آرد سر ندارندش معاف
اس کے سر پہ اڑتی ہیں وہ بھڑیں	سر نکالے وہ تو فوراً کاٹ لیں
آبِ ذکرِ حق و زنبور ایں زماں	ہست یادِ ایں فلانہ آں فلاں
آبِ ذکرِ حق ہے ۔ بھڑ ہے یہ جہاں	یاد میں رہیں یہ فلاں اور وہ فلاں
دم بخور در آبِ ذکر و تن مزن	تا رہی از فکر و وسواسِ کہن
ذکر کے پانی میں تو غوطہ لگا	وسوسوں اور فکر سے تا بچ سکا
بعد ازاں تو طبعِ آں آبِ صفا	خود بگیری جملگی سر تا بپا
بعد ازاں تو خود طبیعت آب کی	پائیگا سر سے پا تک بس وہی
آنچناں کز آب آں زنبورِ شر	میگریزد از تو ہم گیرد حذر
جس طرح بھاگی تھی وہ بھڑ آب سے	تجھ سے بھی بھاگے گی مارے خوف کے

بعد ازاں خواہی تو دور از آب باش	کہ بسر ہم طبع آبی خواجہ تاش
پھر اگر چاہے، ہو پانی سے جدا	کیونکہ اب تو خود ہے پانی بن گیا
بس کسانے کز جہاں بگذشتہ اند	لا نیند و در صفات آغشتہ اند
آدمی ایسے بہت سے چل بسے	جو نہیں فانی، صفات ان کے رہے
در صفات حق صفات جملہ شاں	ہمچو اختر پیش آں خور بے نشاں
ہیں صفات حق میں ان کی سب صفات	مثل اختر، سامنے خور کے ہیں مات
گر ز قرآں نقل خواہی اے حرون	خواں جمیع ہم لدینا محضرون
تو ثبوت اس کا جو چاہے تو لکھوں	پڑھ لے قرآں میں لدینا[1] محضرون
محضروں معدوم نبود نیک بیں	تا بقائے روحہا دانی یقیں
ہیں جو حاضر نیست وہ ہرگز نہیں	یوں بقائے روح کا کر لے یقیں
روح محجوب از بقا بس در عذاب	روح واصل در بقا پاک از حجاب
روح غافل ہے اسیر صد سزا	روح واصل سے ہے پردہ اٹھ گیا
زیں چراغ[2] حس حیوان المراد	گفتمت ہاں تا نجوئی اتحاد
ہے چراغ حس حیواں سے مراد	یعنی اس میں تو نہ ڈھونڈے اتحاد
روح خود را متصل کن اے فلاں	زود با ارواح قدس سالکاں
روح کو اپنی ملا دے جوڑ دے	سالکوں کی پاک تر ارواح سے
صد چراغت ار مرند ار بیستند	باش فارغ چوں یگانہ نیستند
سو دیئے[2] بجھ جائیں تیرے یا جلیں	چھوڑ کر سب کو، سب یہ یگانہ رہیں
زاں ہمہ جنگند ایں اصحاب ما	جنگ کس نشنید اندر انبیاء
ہیں ہمارے دوست سب اس جنگ میں	انبیا اس جنگ سے فارغ رہیں

---

[1] قولہ تعالیٰ عزوجل: اِذا ھُمْ جمیعٌ لَّدینا مُحضرون۔ یعنی ناگہاں وہ سب ہمارے پاس حاضر کئے گئے ہیں۔ [2] چراغ۔

زانکہ نورِ انبیا خورشید بود	نورِ حس ما چراغ و شمع و دود
کیونکہ ہے خورشید نورِ انبیاء	نورِ حس اپنا دھوئیں کا ہے دیا
یک بمیرد یک بماند تا بروز	یک بود پژمردہ دیگر با فروز
اک بجھے، رہا ایک روشن تا سحر	اک ہو پژمردہ تو اک بافروز تر
جانِ حیوانی بود حی از غذے	ہم بمیرد او بہر نیک و بدے
جانِ حیوانی غذا ہی سے جئے	اور بری اچھی غذا ہی سے مرے
گر بمیرد ایں چراغ و طے شود	خانۂ ہمسایہ مظلم کے شود
یہ چراغ آخر جو بجھ بھی جائے تو	خانۂ ہمسایہ کیوں تاریک ہو
نورِ آں خانہ چو بے ایں ہم بپاست	پس چراغ حس ہر خانہ جداست
نور اس گھر کا ہے بے اس کے بپا	پس چراغ حس ہے ہر گھر کا جدا
ایں مثال جانِ حیوانی بود	نے مثال جانِ ربانی بود
جانِ حیوانی کی ہے یہ اک مثال	جانِ ربانی کی کب ہے خوش خصال:
باز از ہندوے شب چوں ماہ زاد	در سر ہر روزنے نورے فتاد
رات کو جب چاند نکلا پھر ضیا	نور ہر روزن پہ اس کا جا پڑا
نورِ آں صد خانہ را تو یک شمر	کہ نماند نورِ آں بے ایں دگر
سو گھروں کے نور کو تو ایک جان	ہو نہ اس کا نور بے اس کے عیاں
تا بود خورشید تاباں بر افق	ہست در ہر خانہ نورِ او قتق
ہو نہ جب تک مہر افق پر ضو فشاں	نور ہر گھر میں ہے اس کا میہماں
باز چوں خورشید جاں آفل شود	نورِ جملہ خانہا زائل شود
ڈوب جائے جبکہ خورشید جہاں	نور سب جانوں سے کر دے رائگاں
ایں مثالِ نور آمد مثل نے	مر ترا ہادی عدو را رہزنے
کب مثل ہے۔ ہے مثالِ نور یار	تیری رہبر اور عدو کی راہ مار

بر مثالِ عنکبوت آں زشت خو	پردہائے گندہ را بر بافد او
وہ تو مکڑی کی طرح نا آشنا	پردے خود سے لیتے اوپر تانتا
از لعابِ خویش پردہ نور کرد	دیدۂ ادراکِ خود را کور کرد
نور اس کی چیپ سے پنہاں ہوا	دیدۂ ادراک کو اندھا کیا
گردنِ اسپ ار بگیرد بر خورد	ور بگیرد پاش بستاند لگد
گھوڑے کی گردن جو پکڑے نفع پائے	پاؤں جو اس کا چھوئے تو لات کھائے
کم نشیں بر اسپِ توسن بے لگام	عقل و دیں را پیشوا کن اے غلام
گھوڑے پر کیوں بیٹھتا ہے بے لگام	عقل و دیں کو پیشوا کر اے غلام
اندریں آہنگ منگر سست و پست	کاندریں رہ صبر شقِ انفس ست
سست و پست آہنگ کا کیا دیکھنا	ہے ریاضت نفس کی صبر اے فتیٰ
باز گرد و قصۂ مسجد بگو	با سلیمانِ نبیِ نیک خو
لوٹ اور پھر قصۂ مسجد سنا	اور سلیمان نبی کا ماجرا

مسجد اقصیٰ کا باقی حصہ

چوں سلیماں کرد آغازِ بنا	پاک چوں کعبہ ہمایوں چوں منیٰ
ڈال دی جس دم سلیمان نے بنا	پاک جوں کعبہ۔ مبارک جوں منا[1]
در بنایش دیدہ می شد کرّ و فر	نے فسردہ چوں بناہائے دگر
اس کی بنیادوں میں ہے سو کرّ و فر	کب تھیں اوروں کی طرح افسردہ تر
در بنا ہر سنگ کز کہ مے شکست	فاش سیروا بی ہمی گفت از نخست
توڑا جاتا تھا جو پتھر کوہ کا	"سے چلو" کی صاف آتی تھی صدا

---

[1] منیٰ مکہ معظمہ میں ایک مقام ہے جہاں حاجی قربانی کرتے ہیں۔

ہمچو از آب و گل آدم کدہ
نور انساں کہ پارہا تاباں شدہ
آب و گل کی جسم میں جو ہے ضیا
گرد سے بھی پتھروں میں ہے طلا
سنگ بے حمّال آئینہ شدہ
واں در و دیوار ہا زندہ شدہ
پتھر آجاتے تھے بے حمّال کے
اور در و دیوار سب زندہ ہوئے
حق ہمے گوید کہ دیوار بہشت
نیست چوں دیوارہا بیجان زشت
قول خالق ہے کہ دیوار جناں
مثل دیواروں کے ہے بیجاں کہاں
چوں در و دیوار تن با آگہی ست
زندہ باشد خانہ چوں شاہنشہی ست
جسم کی دیوار کو ہے آگہی
گھر سلامت ہو تو ہے شاہنشہی
ہم بہشت و میوہ ہم آب زلال
با بہشتی در حدیث و در مقال
خلد میں میوے بھی آب صاف بھی
ہم سخن ہیں ان سے جو ہیں جنتی
زانکہ جنت را نہ از آلت بستہ اند
بلکہ از اعمال و نیت بستہ اند
چونکہ مٹی کی نہیں جنت بنی
بلکہ ہے اعمال و نیت سے بنی
ایں بنا ز آب و گل مردہ بدست
واں بنا از طاعت زندہ شدست
مردہ آب و گل سے ہے اس کی بنا
طاعت زندہ سے اس کی ابتداء
ایں باصل خویش ماند پُر خلل
واں باصل خود کہ علم ست و عمل
یہ تو اپنی اصل سے ہے پُر خلل
اور اس کی اصل ہے علم و عمل
ہم سریر و قصر و ہم تاج و ثیاب
با بہشتی در سوال و در جواب
ہیں لباس اور تاج۔ قصر و تخت بھی
جنتی سے ہم سخن گویا سبھی
فرش بے فراش پیچیدہ شدہ
خانہ بے کناس روبیدہ شدہ
فرش تہ ہوتا ہے بے فراش کے
صاف گھر ہوتا ہے بے جھاڑو دیئے
تخت او سیار بے حمّال شد
حلقہ و در مطرب و قوال شد
تخت سب بے حمال کے اٹھ کر پھریں
حلقہ و در اس کے ، قوال کریں

خانۂ دل ہیں زغم ژولیدہ شد
بیگماں از توبہ روبیدہ شد
دیکھو برہم غم سے ہے یہ دل کا گھر
توبہ سے ہے صاف ہوتا سر بسر

ہست در دل زندگی دار الخلود
ور زبانم چوں نے آید چہ سود
دل میں دار الخلد کی ہے زندگی
کب وہ قابل ہے بیاں کے اے اخی

چونکہ گشت آں مسجد اقصیٰ تمام
زاہتمامات سلیماں والسلام
جب ہوئی وہ مسجد اقصیٰ تمام
تھے سلیماں جس کا کرتے اہتمام

چوں سلیماں در شدے ہر بامداد
مسجد اندر بہر ارشاد عباد
جب سلیماں صبح دم جاتے وہاں
تا سکھائیں حکم رب بندوں کو وہاں

پند دادے گہ بگفت و لحن و ساز
گر بفعل اعنی رکوع یا نماز
پند دیتے گاہ لحن و ساز سے
گر رکوع[1] و سجدہ سے دل کھول کے

پند فعلی خلق را جذاب تر
کو رسد در جان ہر بے گوش و کر
پند فعلی کا ہے خلقت پہ اثر
کیونکہ بہرہ بھی ہو اس سے بہرہ ور

و اندراں وہم امیری کم بود
در حشم تاثیر آں محکم بود
وہم سرداری کا جس میں کم ہوا
خدم میں اس کا اثر محکم ہوا

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آغازِ خلافت

قصۂ عثمانؓ کہ بر منبر برفت
چوں خلافت یافت بشتابید تفت
قصۂ عثمانؓ کہ منبر پہ گئے
جب خلافت سے عروج ان کو ملے

منبر مہتر کہ سہ پایہ بدست
رفت بوبکر و دوم پایہ نشست
منبر نبوی سہ پایہ تھا بنا
دوسرے پہ بیٹھے بوبکر سے تو

---

[1] یعنی وہ نصیحت جو عملی ہو جائے۔ [2] یعنی جب امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بعد خلافت دور آیا تو آپ نے جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ چھوڑ دی اور آپ دوسرے پایۂ منبر پہ رونق افروز ہوئے۔

بر سوم پایہ عمرؓ در دورِ خویش	از برائے حرمتِ اسلام و کیش
تیسرے پائے پہ بیٹھے تھے عمرؓ	حرمتِ اسلام تھی پیشِ نظر
دورِ عثمانؓ آمد و بالائے تخت	بر شد و بنشست آں مسعود بخت
دورِ عثمانؓ آیا تو بالائے تخت	جا کے بیٹھے وہ کہ تھے مسعود بخت
پس سوالش کرد مردے بوالفضول	کاں دو ننشستند بر جائے رسولؐ
پوچھنے ان سے لگا اک بوالفضول	وہ دو بیٹھے ۔ تھی جہاں جائے رسولؐ
پس تو چوں جستی برایشاں سروری	چوں برتبت تو از ایشاں کمتری
تم نے کیوں کی ان پہ حاصل سروری	جب کہ رتبے میں ہے ان سے کمتری
گفت اگر جایم سوم پایہ بُدے	وہم مثل عمرؓ تاہم پیشدے
بولے گر لیتا میں پایہ تیسرا	وہم ہوتا ۔ ہوں عمرؓ کا ہمسر[1] ہوا
ور دوم پایہ شدم من جائے جو	گفتنی مثل ابوبکرؓ ست او
دوسرا جو پایہ میں لیتا سنبھال	سب مجھے بوبکرؓ سے دیتے مثال
ہست ایں بالا مقام مصطفیٰؐ	وہم مثلے نیست با آں شہ مرا
یہ ہے بالاتر مقام مصطفیٰؐ	وہم ہو مثل کا اس شہ سے کیا
بعد ازاں بر جائے خطبہ آں ودود	تا بقربِ عصر لب خاموش بود
پھر وہ خطبہ کی جگہ اکرام سے	چپکے وقتِ عصر تک بیٹھے رہے
زہرہ نے کس را کہ گوید ہیں بخواں	یا بروں آید ز مسجد آں زماں
کوئی نہ کہہ سکتا تھا ۔ "خطبہ پڑھیئے ہاں"	یا کوئی مسجد سے ہو باہر زماں
ہیبتے بنشستہ بُد بر خاص و عام	پُر شدہ از نورِ یزداں صحن و بام
خوف سے لبریز تھے سب خاص و عام	نورِ حق سے تھے منور صحن و بام

---

[1] ساتھ ساتھ جھنڈا رکھنے والا ۔ یعنی ہم پلہ ۔

ہر کہ بینا ناظر آں نور بود	کور را زاں تاب ہم گرمی فزود
تھا جو بینا نور کو تھا دیکھتا	کور کو بھی نور سے گرمی سما
تا ز گرمی فہم کردے آں ضریر	کہ برآمد آفتابے بس منیر
سمجھا نابینا یہ گرمی سے شتاب	نور افشاں ہو گیا ہے آفتاب
لیک ایں گرمی کشاید دیدہ را	تا بہ بیند عین ہر شنیدہ را
کھولتی ہے آنکھ یہ گرمی مگر	جو سنا تھا اس کو اب دیکھے بشر
گرمیش را ضجرتے وحالتے	زاں تپش دل را کشادے فسحتے
گرمی میں اک اضطراب و وجد تھا	تھی کشادِ دل تپش سے یہ ملا
کور چوں شد گرم از نور قدم	از فرح گوید کہ من بینا شدم
گرم جب ایں نور سے اندھا ہوا	میں ہوں بینا۔ ہو کے خوش کہنے لگا
سخت خوش مستی ولے اے بوالحسن	پارۂ راہست تا بینا شدن
خوش ہے اور سرمست لیکن دیکھنا	ہے سوانکھا ہونے میں کم فاصلا
ایں نصیب کور باشد ز آفتاب	صد چنیں واللہ اعلم بالصواب
یہ مقدر کور کو ہے آفتاب	اور بھی۔ واللہ اعلم بالصواب
و آنکہ او ایں نور را بینا بود	شرح او کے کار بوسینا بود
اور جو اس نور سے بینا ہوا	ہو ابوسینا سے اس کی شرح کیا
گر شود صد تو کہ باشد ایں زباں	کہ بجنباند بجت پردہ عیاں
سو تہیں بھی اس زباں کی ہوں اگر	اٹھ سکے کب پردۂ راز اے پسر
وائے بروے کو بباید پردہ را	تیغ اللّٰہی کند دستش جدا
وائے اس پر جس نے یہ پردہ چھوا	تیغ حق نے ہاتھ کر ڈالا جدا
دست چہ بود خود سرش را بر کند	آں سرے کز جہل شرہا سر کند
ہاتھ کیا وہ سر بھی اس کا کاٹ لے	سر وہ سر، ہوں جہل و شر جس میں بھرے

این بتقدیر سخن گفتم ترا
ورنہ خود وصفش کجا و این کجا
بات یہ اک بات میں کر دی بیاں
ورنہ بابت اس کے کہا اور یہ کہاں

خال[۱] را خالہ بجے خالو پدے
این بتقدیر آمد است از او بجے
خال بجے خالہ ہوا خالو ہوا
تھا یہ تقدیرا کہ ایسا ہو گیا

از زباں تا چشم کو پاک از شکست
صد ہزاراں سال گویم اندک است
سب شکستہ آنکھ سے ہیں تا زباں
کم ہے، ہو لاکھوں برس تک گو بیاں

ہیں مشو نومید نور از آسماں
حق چو خواہد میرسد در یک زماں
ہو نہ تو مایوس نور چرخ سے
حق اگر چاہے تو دم بھر میں ملے

اختر گردوں ظلم را ناسخ است
اختر حق در صفاتش راسخ است
دافع ظلمت ہیں تارے چرخ کے
اختر حق کی صفت کیا پوچھئے

صد اثر در کانہا از اختراں
میرساند قدرتش در ہر زماں
کان میں تاروں کے ہیں لاکھوں اثر
جو ہیں قدرت سے ہویدا سربسر

چرخ پانصد سالہ راہے مستعین
در اثر نزدیک آمد با زمین
چرخ پانصد سال کی رہ ہے پسر!
ہے زمیں پہ رات دن اس کا اثر

سہ ہزاراں سال و پانصد تا زحل
در ہمہ دم خاصیتش آرد عمل
سہ ہزار و پنج صد سال اسے نگار
ہے زحل دور اور اثر ہے آشکار

در ہمش آرد چو سایہ در ایاب
طول سایہ چیست پیش آفتاب
باز گشت اس کو کرے کیونکر خراب
طول سایہ کیا ہے پیش آفتاب

---

[۱] خال عربی میں ماموں کو کہتے ہیں تو معانی کو خالہ کہنا چاہئے۔ مگر مجازاً خالہ ماں کا بیٹی کو اور اس کے شوہر کو خالو کہتے ہیں۔ مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں اسی طرح میں نے بھی ایک لفظ مقرر کر دیا ہے مگر اس کے معنے دوسرے ہیں۔

وز نفوس پاک اختر وش مدد ۔۔۔ سوئے اخترہائے گردوں می رسد
پاک نفسوں سے ستاروں کی مثال ۔۔۔ ہے مدد تاروں کو اے فرخندہ فال

ظاہر آں اختراں قوّام ما ۔۔۔ باطن ما گشتہ قوّام سما
ظاہرا اپنا ہے تاروں سے قیام ۔۔۔ باطنا ہم آسماں کا ہیں دوام

آدمی کے متعلق حکماء وانبیاء کا قول

پس بصورت عالمِ اصغر توئی ۔۔۔ پس بمعنی عالمِ اکبر توئی
ظاہرا ہے چھوٹی سی دنیا تو ہی ۔۔۔ باطنا ہے اک بڑی دنیا تو ہی

ظاہرا آں شاخ اصلِ میوہ است ۔۔۔ باطنا بہر ثمر شد شاخ ہست
ظاہرا ہے اصل میوہ شاخ تر ۔۔۔ باطنا ہے شاخ بھی بہر ثمر

گر نبودے میل و امید ثمر ۔۔۔ کے نشاندے باغباں بیخ شجر
گر نہ ہوتی فکر و امید ثمر ۔۔۔ کب لگاتا باغباں بیخ شجر

پس بمعنی آں شجر از میوہ زاد ۔۔۔ گر بصورت از شجر بودش نہاد
پیڑ اس سے اصل میں پیدا ہوا ۔۔۔ ظاہرا گو پیڑ میں وہ ہے لگا

مصطفیٰ صلعم زیں گفت کآدم و انبیاء ۔۔۔ خلف من باشند در زیر لوا
مصطفیٰ کہتے ہیں۔ آدم انبیاء ۔۔۔ حشر میں ہوں گے مرے زیرِ لوا[1]

بہر ایں فرمودہ است آں ذوفنون ۔۔۔ رمزِ نحن الآخرون السابقون
اس لئے کہتے ہیں وہ صاحب فنون ۔۔۔ رمزِ نحن الآخرون السابقون[2]

---

[1] لوا یا لوائے حمد وہ جھنڈا ہے، جو قیامت کے دن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں سایہ افگنی کے لئے ہوگا۔

[2] یعنی ہم آخری حصے کے لوگوں میں سے ہیں۔ مگر پھر بھی سابق ہیں۔

گر بصورت من ز آدم زادہ ام	من بمعنی جد جد افتادہ ام
ظاہرا آدم سے گو پیدا ہوا ہوں میں	فی الحقیقت دادا کا دادا ہوا ہوں میں
کز برائے من بدش سجدہ ملک	وز پے من رفت بر ہفتم فلک
میری ہی خاطر ہوئے ساجد ملک	میرے پیچھے گئے ساتویں فلک
پس ز من زائید در معنی پدر	پس ز میوہ زاد در معنی شجر
باطناً پیدا ہوئے مجھ سے پدر	اصل میں میوے سے نکلا ہے شجر
اول فکر آخر آمد در عمل	خاصہ فکرے کو بود وصف ازل
پہلے فکر اور بعد ہوتا ہے عمل	خاص کر جو فکر ہو وصف ازل
حاصل اندر یک زماں از آسماں	میرود مے آید ایدر کارواں
اک گھڑی میں چرخ سے المختصر	کافلہ ہے آتا جاتا اے پسر
نیست بر ایں کارواں ایں رہ دراز	کہ مفازہ زفت آید با مفاز
قافلے پر کچھ نہیں مشکل یہ راہ	دشت مہلک ہے مگر ہے رست گاہ
دل بکعبہ میرود در ہر زماں	جسم طبع دل بگیرد ز امتناں
کعبہ کو جاتا ہے دل، بے اختلاج	جسم کو مل جاتا ہے دل کا مزاج
ایں درازو کوتہی مر جسم راست	چہ درازو کوتہ آنجا کہ خداست
ہے درازی کوتہی تن کو روا	کیا درازو کوتہ جس جا ہے خدا
چوں خدا مر جسم را تبدیل کرد	رفتنش[1] بے فرسخ و بے میل کرد
جسم کو تبدیل جب کردے خدا	چلنے میں پھر چال کیا اور میل کیا
صد امید ست ایں زماں بردار گام	عاشقانہ اے فتی حل الکلام
ہیں امیدیں سیکڑوں پاؤں بڑھا	عاشقانہ، ہیچ مطلب ہو چکا

[1] یعنی پھر جانے کے لئے چلنے کی حاجت نہیں اور نہ میل منزل کی احتیاج ہے۔ جیسے عارف کا دل گھر بیٹھے بیٹھے جب چاہتا ہے کعبہ شریف پہنچ جاتا ہے۔

گرچہ پیلہ چشم برہم مے زنی
در سفینہ خفتہ رہ مے کنی
کیا عجب ہے دم زدن میں ہاتھ آئے
چلتی کشتی میں تو جاکر بیٹھ جائے

ارشادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بہر ایں فرمود پیغمبر کہ من
ہمچو کشتی ام بطوفان زمن
اس لئے یوں مصطفےٰ فرماتے تھے
میں ہوں کشتی اس بھنور میں دہر کے

ما و اصحابیم چوں کشتیٔ نوح
ہر کہ دست اندر زند یابد فتوح[1]
ہیں، مرے اصحاب، ہیں کشتیٔ نوح
جو انہیں پکڑے وہی پائے فتوح

چونکہ با شیخے تو دور از زشتیے
روز و شب سیاری و در کشتیے
دور ہے زشتی سے ہو شیخ کے
روز و شب ہے سیر کشتی میں تجھے

در پناہِ جان جان بخش قوی
کشتی اندر خفتہ رہ میروی
ہے جو جان بخش قوی کا آسرا
جاتا ہے کشتی میں تو سوتا ہوا

مگسل از پیغمبر ایام خویش
تکیہ کم کن بر فن و بر کام خویش
ہو رسول وقت سے مت بے خبر
اور بھروسہ اپنے عمل پہ نہ کر

گرچہ شیری چوں روی رہ بے دلیل
ہمچو روبہ در ضلالی و ذلیل
شیر ہے، لیکن چلے جب بے دلیل
لومڑی کی طرح ہوتا ہے ذلیل

ہیں مپر الا کہ با پرہائے شیخ
تا ببینی عون لشکرہائے شیخ
ہاں نہ اڑ لیکن پروں پر شیخ کے
تا نظر آجائیں لشکر شیخ کے

یک زمانے موج لطفش بال تست
آتش قہرش دمے حمال تست
اس کی موج لطف تیرے پر و بال
آتش قہر اس کی لیتی ہے سنبھال

---

[1] فتح کی جمع ہے۔

قہر او با ضدِ لطفش کم شمر ۔۔۔ اتحادِ ہر دو بیں اندر اثر
قہر کو اس کے جو ضدِ لطف جان ۔۔۔ متحد دونوں اثر میں ہیں یہ مان

یک زماں چوں خاک سبزت میکند ۔۔۔ یک زماں پُر باد و کبرت میکند
تجھ کو دم بھر میں بنا دے سبز خاک ۔۔۔ اور گھڑی بھر میں بنا دے کبر ناک

جسمِ عارف را دہد وصفِ جماد ۔۔۔ تا برو روید گل و نسریں رشاد
جسمِ عارف کو وہ دے وصفِ جماد[1] ۔۔۔ تا اُگ آئیں اس پہ گلہائے رشاد

لیک او بیند نہ بیند غیر او ۔۔۔ جز بمغزِ پاک ندہد خُلد بو
دیکھے وہ لیکن نہ دیکھے غیر اسے ۔۔۔ خلد خوشبو پاک مغزوں ہی کو دے

مغز را خالی کن از انکارِ یار ۔۔۔ تا کہ ریحاں یابد از گلزارِ یار
مغز کو خالی تو کر انکار سے ۔۔۔ پائے ریحاں یار کے گلزار سے

تا بیابی بوئے خلد از یارِ من ۔۔۔ چوں محمدؐ بوئے رحماں از یمن
خلد کی تو اس طرح بو پائے گا ۔۔۔ بوئے رحماں جیوں یمن سے مصطفےٰؐ

در صفِ معراجیاں گر بیستی ۔۔۔ چوں براقت بر کشاید نیستی
صف میں گر معراجیوں کی تو کھڑے ۔۔۔ جوں براق اب نیستی پر کھول دے

نے چو معراجِ زمینی تا قمر ۔۔۔ بلکہ چوں معراجِ کلکی تا شجر
یہ نہیں معراج جو ہے تا قمر ۔۔۔ بلکہ وہ معراج تا شاخِ شجر[2]

نے چو معراجِ بخاری تا سما ۔۔۔ بل چو معراجِ جنینی تا نہا
واں نہ معراجِ بخاری تا سما ۔۔۔ بلکہ معراجِ جنینی وانہا

خوش براقے گشت خنگِ نیستی ۔۔۔ سوئے ہستی آردت گر نیستی
ہے براق اچھا یہ اسپِ نیستی ۔۔۔ نیستی سے دے تجھے ہستی یہیں

---

[1] یعنی جمادات۔

[2] شجر سے مراد شجرِ طوبیٰ یا سدرۃ المنتہیٰ ہے جو ساتویں آسمان پر ہے۔

کوہ و دریا با سمعش مس میکند	تا جہان حس راپس میکند
اس کے سمع میں کوہ و دریا چھوڑ رہے	تا جہاں حس کو پیچھے ڈالے
پا بکش در کشتی و میرو رواں	چوں سوئے معشوق جان جاں بغل
بیٹھ کشتی میں، رواں ہو بے گماں	جیسے جاں معشوق کی جانب رواں
دست نے و پائے نے رو تا قدم	آنچناں کہ تاخت جانہا از عدم
اب یوں ہی بے دست و پا تو جا وہیں	جس طرح جانیں عدم سے آئی تھیں
بر دریدے در سخن پردہ قیاس	گر نبودے سمع سامع را نعاس
پھاڑ دیتا سارے پردے راز کے	گر نہ اس کے سننے والے اونگھتے
اے فلک برگفت او گوہر ببار	از جہان او جہانا شرم دار
اے فلک باتوں پہ کر گوہر نثار	اس کے عالم سے ہو دنیا! شرمسار
گر بباری گوہرت کشش تا شود	جامدت گوئندہ و بینا شود
ایک کے بچھ بھی جو موتی لائے تو	گو ہے جامد، پھر بھی آنکھیں پائے تو
پس نثارے کردہ باشی بہر خود	چونکہ ہر سرمایۂ تو صد شود
زر نثاری اپنی خاطر ہے عجب	تا کہ سرمایہ ترا ہو سوگن

ملکہ بلقیس اور حضرت سلیمان علیہ السلام

ہمچو آں ہدیہ کہ بلقیس از سبا	بر سلیماں میفرستاد اے کیا
جوں سبا سے ملکۂ بلقیس نے	ہدیہ بھیجا تھا سلیماں کے لئے
ہدیۂ بلقیس چل اشتر بدست	بار آنہا جملہ خشت زر بدست
ہدیۂ بلقیس چالیس اونٹ تھے	جو کہ تھے سونے کی اینٹوں سے لدے
چو بصحرائے سلیمانی رسید	فرش آنرا جملہ زر پختہ دید
جب ہوا دشت سلیماں میں گذر	دیکھا پختہ ہو رہا ہے فرش زر

بر سر زر تا چہل منزل براند	تا کہ زر را در نظر آبے نماند
سونے پر چالیس منزل تک چلے	حتیٰ کہ اب زر کی وقعت نہ تھی
بارہا گفتند زر را وا بریم	سوئے مخزن ما چہ بیکار اندریم
بارہا سوچا کہ کیوں ہیں لے کے زر	رکھ دیں مخزن میں کہ ہے بیکار تر
عرصۂ کش خاک زر دہ دہی ست	زر بہدیہ بردن آنجا ابلہی ست
خاک بھی ہو زرِ خالص کی جہاں	ہدیہ زر سے کیا جائیں وہاں
اے ببردہ عقل ہدیہ تا الٰہ	عقل آنجا کمتر است از خاک راہ
پیش خالق، ہدیہ عقل اے جواں	عقل خاکِ رہ سے کمتر ہے وہاں
چوں کساد ہدیہ آنجا شد پدید	شرمساری شاں ہمے واپس کشید
جب حقارت ہدیہ کی ظاہر ہوئی	شرم سے ہونے لگی پھر واپسی
باز گفتند از کساد و از رواء	چیست بر ما بندہ فرمانیم ما
پھر یہ سوچا تحفہ اچھا یا بُرا	حکم کے بندے ہیں ہم تو ہم کو کیا
گر زرو گر خاک ما را بردنیست	امر فرماندہ بجا آوردنیست
زر ہو یا ہو خاک ہم پہنچا تو دیں	فرض ہے فرماں بجا لانا ہمیں
گر بفرمایند کہ واپس برید	ہم بفرماں تحفہ را باز آورید
وہ جو فرمائیں کہ لے جاؤ اسے	حکم جب ہم دیں تو پھر لاؤ اُسے
امر و فرماں را ہمے باید شنید	تا بدانجا ہدیہ را باید کشید
حکم جو کچھ ہو وہ سننا چاہئے	ہم کو پہنچانا یہ تحفہ چاہئے
پس رواں گشتند ہدیہ آوراں	تا بہ تخت آں سلیمان جہاں
ہدیہ لانے والے پس آگے بڑھے	سامنے تختِ سلیماں کے
خندش آمد چوں سلیماں آں بدید	کز شما من کے طلب کردم مزید
ہنس کے یوں ان سے سلیماں نے کہا	میں نے کب ہدیہ طلب تم سے کیا

من نگفتم مرا ہدیہ دہید	بلکہ گفتم لائق ہدیہ شوید
کب کہا تھا یہ کہ ہدیہ مجھ کو دو	یہ کہا تھا ۔ لائق ۔ ہدیہ بنو
کہ مرا از غیب نادر ہدیہ ہاست	کہ بشر آں را نیارد نیز خواست
غیب سے نادر ملے ہدیے مجھے	جو نہیں ممکن کہ انساں مانگ لے
مے پرستید اخترے کو زر کند	رو باو آرید کو اختر کند
پوجتے ہو تارے جو دیتے ہیں زر	خالق اختر کو پوجو بے خطر
مے پرستید آفتاب چرخ را	خوار کردہ جان عالی نرخ را
آفتاب چرخ کو ہو پوجتے	خوار ہو جانوں کو اپنی کر رہے
آفتاب از امر حق طباخ ماست	ابلہی باشد کہ گوئیم او خداست
بحکم حق سے مہر باورچی[1] بنا	بیوقوفی ہے اگر کہیے خدا
آفتابت گر بگیرد چوں کنی	آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی
جب گہن سورج کو ہو تو کیا کرو	دور کیونکر رنگ وہ کالا کرو
نے بدرگاہ خدا آری صداع	کہ سیاہی را ببر وا دہ شعاع
کیا خدا سے تم نہیں کرتے دعا	کہ سیاہی دور اور کر دیں دکھا
گر کشندت نیم شب خورشید کو	تا بنالی یا اماں خواہی ازو
نصف شب تم کو جو مارے کیا کرو	اور بتاؤ کس طرح سورج سے رو
حادثات اغلب بشب واقع شود	واں زماں معبود تو غائب بود
حادثے ہوتے ہیں اکثر رات کو	ہوتا ہے غائب تمہارا رب سنو
سوئے حق گر راستانہ خم شوی	وا رہی از اختراں محرم شوی
سوئے حق گر صدق دل سے تو جھکے	محرم اس کا ہو ستاروں سے بچے

---

[1] باورچی اس لیے کہا کہ نباتات وغیرہ کو پکاتا ہے۔

چوں شوی محرم کشائیم با تو لب　　تا ببینی آفتاب نیم شب
تو جو ہو محرم تو کھولوں میں بھی لب　　تا کہ دیکھے آفتاب نیم شب

چوں رواں پاک او را شرق نے　　در طلوعش روز و شب را فرق نے
مثل جان پاک وہ بے شرق ہے　　رات اور دن میں کب اس کے فرق ہے

روز آں باشد کہ او شارق شود　　شب نماند چونکہ او بارق شود
دن وہی ہے جبکہ پھیلائے ضیا　　رات اس کی روشنی میں ہو فنا

چوں نماید ذرہ پیشش آفتاب　　خور چناں باشد در آں انوار و تاب
جیسے ذرہ سامنے خورشید کے　　آفتاب ایسا ہے اس کے سامنے

آفتابے را کہ رخشاں مے شود　　دیدہ ء پیشش کند و حیراں میشود
جس گھڑی ہوتا ہے سورج ضوفشاں　　تو جھپک جاتی ہیں آنکھیں بے گماں

ہمچو ذرہ بینیش در نور عرش　　پیش نور بے حد موفور عرش
عرش میں تو دیکھے جوں ذرہ اسے　　آگے نور بے کنار عرش کے

بینیش مسکین و خوار و بے قرار　　دیدہ را قوت شدہ از کردگار
اس کو دیکھے تو ذلیل و بے قرار　　قوت آنکھوں کو ملی اللہ سے یار

کیمیائے کہ از و یک ماثرے　　بر دخاں افتاد و گشت او اخترے
کیمیا ایسی اثر جس کا فت　　جب دھوئیں پہ پڑ گیا۔ اختر بنا

نادر اکسیرے کہ از وے کیمیاب　　بر ظلامے زد و کردش آفتاب
ایسی اکسیر اس کی معمولی سی تاب　　جب اندھیرے پہ پڑی۔ تھا آفتاب

بوالعجب میناگرے کز یک عمل　　بست چندیں خاصیت بر زحل
ایسا مینا گر کرے عجب۔ اک عمل　　اس قدر خاصیتیں باندھے زحل

باقی ذرہ ہائے جہان و اختراں　　ہم بریں مقیاس اے طالب بداں
ذرّے اور تارے جو باقی ہیں پسرا　　ان کو بھی اس حال پہ محمول کر

دیدۂ حسی زبون آفتاب
دیدۂ ربانیئے جوں نے بیاب
تو ہے چشم حس خراب آفتاب
چشم ربانی نہیں، بن جا شتاب
کاں نظر نوری و ایں ناری بود
نار پیش نور بس تاری بود
وہ نظر نوری ہے، یہ ناری نظر
نار پیش نور ہے تاریک تر
تا زبوں گردد بہ پیش آں نظر
شعشعات آفتاب با شرر
تا ہوں پھیکے سامنے اس آنکھ کے
آفتاب پُر شرر کے پرتوے

حضرت شیخ عبداللہ مغربی کی کرامتیں

گفت عبداللہ شیخ مغربے
شصت سال از شب ندیدم من شبے
بولے عبداللہ شیخ مغربی
ساٹھ سال اک شب نہیں دیکھی کبھی
من ندیدم ظلمتے در شصت سال
نے بروز و نے بشب از اعتدال
ہاں نہیں دیکھا اندھیرا ساٹھ سال
رات اور دن میں تھا اتنا اعتدال
صوفیاں گفتند صدق قال او
نیم شب رفتیم در دنبال او
صوفیوں نے دی گواہی صدق کی
پیچھے ہم جاتے تھے آدھی رات تھی
در بیابانہائے پُر از خار و گو
او چو ماہ بدر ما را پیشرو
ان بیابانوں میں جن میں خار تھے
چودھویں کا چاند وہ بن کر چلے
روئے پس ناکردہ میگفت او بشب
ہیں گو آمد میل کن بر دست چپ
منہ نہ پھیرا اور اکثر کہہ دیا
دیکھو بائیں ہاتھ پہ ہے اک گڑھا
باز گفتے بعد یکدم سوئے راست
میل کن زیرا کہ خارے پیش ماست
پھر کہے تھے دیکھو سیدھے ہاتھ پہ
ہوشیار۔ آتے ہیں کچھ کانٹے نظر
روز گشتے پائے بوسش کردہ ما
زانکہ بودے پاکش از گل ہر دو پا
دن چڑھا پابوس ہم سارے ہوئے
گرد سے پاک ان کے دونو پاؤں تھے

نے زخاک و نے زگل بروے اثر
نز خراشش خار و آسیب حجر
خاک کیچڑ کا نہ تھا ان پہ اثر
پتھر اور کانٹوں سے تھے محفوظ تر

مغربی را مشرقی کردہ خدا
کردہ مغرب را چو مشرق نور زا
مغربی کو مشرقی حق نے کیا
اور مغرب کو دیا مشرق بنا

نور ایں شمس شموسی فارس است
روز خاص و عام را او حارس است
شمس یہ ہر روشنی پہ ہے سوار
روز خاص و عام کا ہے پاسدار

چوں نباشد حارس آں نورِ مجید
کہ ہزاراں آفتاب آرد پدید
کیوں نگہباں ہو نہ وہ نورِ نگار
جس سے ہوں سورج ہزاروں آشکار

تو بنورِ او ہمے رو در اماں
در میان اژدہا و کژدماں
تو بھی اس کے نور ہی میں ہے اماں
اژدہوں اور بچھوؤں کے درمیاں

پیش پیشت میرود آں نور پاک
میکند ہر رہزنے را چاک چاک
تیرے آگے آگے ہے وہ نور پاک
کرتا ہے ہر راہ زن کو چاک چاک

یوم لا یخزی النبی را راست داں
نور یسعیٰ بین ایدیہم بخواں
یوم لا یخزی[1] النبیؐ کو راست جان
نور یسعیٰ[2] بین ایدیہم کو بان

گرچہ گردد در قیامت آں فزوں
از خدا اینجا بخواہید آزموں
نور گر ہوگا قیامت میں سوا
استعانتاً کر یہاں بھی التجا

کو ببخشد ہم بمیغ و ہم بماغ
نور جاں واللہ اعلم بالبلاغ
جو بخار و ابر کو کر دے عطا
نورِ جاں اللہ ہے بہتر جانتا

---

[1] قولہ تعالیٰ عز و جل:۔ یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معہ' یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبیؐ کو اور جو لوگ اس پر ایمان لائے ہیں یا اس کے ساتھ ہیں رسوا نہ کرے گا۔

[2] قولہ تعالیٰ عز و جل:۔ نورہم یسعیٰ بین ایدیہم و بایمانہم یعنی ان کا نور آگے اور سیدھے ہاتھوں کی طرف دوڑتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ کا قاصدانِ بلقیس کو واپس کرنا

بازگردید اے رسولانِ خجل   زر شما را دل بما آرید دل
لوٹ جاؤ اے رسولانِ خجل   زر مبارک ہو تمہیں، دل لاؤ دل

ایں زرِ من بر سرِ آں زر نہید   کورئ تن فرجِ استر را دہید
میرا سونا اپنے سونے پر رکھو   کوری تن خچروں کو سونپ دو

فرجِ استر لائق حلقہ زر است   زردِ عاشق روئے زردِ اصفر است
زر کے قابل ہیں یہ خچر بیگماں   زرد رنگت زرد ہے عاشق کا یہاں

کہ نظرگاہِ خداوند است آں   کہ نظر انداز خورشید ست کاں
کیوں کہ دل ہی ہے نظرگاہِ خدا   کان پر سورج کی پڑتی ہے ضیا

کو نظرگاہِ شعاعِ آفتاب   کو نظرگاہِ خداوندِ لباب
پس کہاں خورشید کی جلوہ بھرا   اور کہاں یہ جلوہ گاہِ کبریا

از گرفتِ من زجاں اسپر کنید   گرچہ اکنوں ہم گرفتارِ من اید
ان گرفتوں سے کرو جاں کو سپر   اب بھی ہو میری گرفتوں میں مگر

مرغِ فتنہ دانہ بر بام است او   پر کشادہ بستۂ دام است او
مرغِ دانہ دوست ہے بالائے بام   پر کھلے ہیں پر وہ ہے پابندِ دام

چوں بدانہ داد او دل را بجاں   ناگرفتہ مر ورا بگرفتہ داں
چونکہ دانے میں ہے اس کا دل پھنسا   گو رہا ہے جان اُسے پھنسا تھا

آں نظرہا سوئے دانہ میکند   آں گرہ داں کو بپا بر میزند
دانے پہ پڑتی ہے اس کی ہر نظر   وہ گرہ ہے پڑتی ہے جو پاؤں پر

لہ یعنی نصیحتیں ۱۲

دانہ گوید گر تو میسد زدی نظر
من بسے وزدم ز تو صبر و نظر
دانہ بولے تو بچا اسے گر نظر
صبر تیرا میں بچا اڑوں بے خبر

چوں کشیدت آں نظر اندر پیم
پس بدانی کز تو من غافل نیم
جب تری نظریں ہی مجھ پہ جا لگیں
تو سمجھ مجھ سے کبھی میں غافل نہیں

ایک عطار اور ایک مٹی کھانے والا شخص

پیش عطارے یکے گلخوار رفت
تا خرد ابلوج و قند خاص زفت
پیش عطار ایک گل خیرہ گیا
تا خریدے قند اور شکر ذرا

پس بر عطار طرار دو دل
موضع سنگِ ترازو بود گل
چونکہ اس عطار نے دو دل تھے پائے
باٹ تھے مٹی کے پتھر کے بجائے

گفت عطارا بجواں ابلوج من
ہست نیکو بے تکلف بے سخن
بولا عطار لے جواں شکر مری
بے تکلف ہے بہت اچھی نئی

لیک گل سنگ ترازوے منست
گر ترا میل شکر بخرید نست
باٹ مٹی کے ہی پڑے ہیں مگر
مول لے تو اگر چاہے شکر

گفت ہستم در مہمے قند جو
سنگ میزان ہرچہ خواہد باش گو
بولا میں تجھ سے ہوں شکر مانگتا
باٹ چاہے جس کے ہوں پھر اس سے کیا

گفت با خود پیش آنکہ گل خوراست
سنگ چہ بود گل نکوتر از زر است
دل میں کہتا تھا کہ جو گل خوار ہو
سنگ کیا مٹی ہے سونا دوستو

ہمچو آں دلالہ کو گفت اے پسر
نو عروسے یافتم بس خوب فر
جیسے دلالہ تھی کہتی اسے پسر
اک عروس نو ملی ہے خوب تر

سخت زیبا لیک ہم یک چیز ہست
کآں ستیرہ دختر حلوا گر است
ہے حسین لیکن ہے اک یہ بات بھی
وہ عفیفہ لڑکی ہے حلوائی کی

گفت بہتر ایں چنیں خود گر بود	دختر او چرب و شیریں تر بود
بولا لڑکا اچھا ایسا ہے اگر	ہوگی لڑکی چکنی اور شیریں نظر
گر نداری سنگ و سنگت از گلست	ایں بہ و بہ گل مرا میوہ دل است
باٹ مٹی کے ہیں پتھر کے نہیں	ہے مجھے تو بس یہ میوہ بہتریں
اندر آں کفۂ ترازو ز اعتداد	او بجائے سنگ آں گل بر نہاد
پلڑے میں پھر وزن کرنے کیلئے	سنگ کی جا باٹ مٹی کے رکھے
پس برائے کفۂ دیگر بدست	ہم بقدر آں شکر را مے شکست
دوسرے پلڑے میں اپنے ہاتھ سے	وہ شکر رکھنے لگا پھر توڑ کے
چوں نبودش تیشہ او دیر ماند	مشتری را منتظر آنجا نشاند
تھا نہ تیشہ اس لئے وقفہ ہوا	لینے والا منتظر بیٹھا رہا
رویش آنسو بود گل خور ناشگفت	گل از و پوشیدہ دزدیدن گرفت
منہ ادھر پھیرے ہوئے تھا آدمی	مٹی پوشیدہ چرالی باٹ کی
ترس ترساں کہ نباید ناگہاں	چشم او بر من فتد از امتحاں
ڈرتے ہی ڈرتے کہ شاید ناگہاں	مجھ پہ پڑ جائے نہ چشم امتحاں
دید عطار آں و خود مشغول کرد	کہ فزوں تر دزد ہاں اے خیر مرد
دیکھ کر عطار غافل ہو گیا	ہاں زیادہ اس سے تو مٹی چرا
گر بدزدی و ز گل من مے بری	رو کہ ہم از پہلوئے خود میخوری
گر چرا کر سب کی سب لیجائے تو	خود ہی کچھ نقصان نادان پائے تو
تو ہمے ترسی ز من لیک از خری	من ہمے ترسم کہ تو کمتر خوری
مجھ سے تو ڈرتا ہے۔ لیکن ہم نشیں	ڈرتا ہوں میں تو نہ کم کھائے کہیں
چوں بہ بینی تو شکر را آزمود	پس بدانی احمق و عاقل کہ بود
جب شکر تولے گا پائیگا پتا	کون تھا نادان اعاقل کون تھا

گرچہ مشغولم چناں احمق نیم   کز شکر افزوں کشی تو از تنم
گو بیشک ہوں نہیں احمق مگر   تا زیادہ مجھ سے لے جائے شکر
مرغ ازآں دانہ نظر خوش میکند   دانہ ہم از دور راہش مے زند
مرغ خوش ہوتا ہے دانہ دیکھ کر   رہزنی کرتا ہے دانہ بیشتر
گوزنانے چشم حظے میبری   نے کباب از پہلوئے خود میخوری
ہے تناسے چشم سے تو کامیاب   کیا نہ کھائے اپنے پہلو سے کباب
ایں نظر از دور چوں تیر است و سم   عشق افزوں میشود صبر تو کم
یہ نظر ہے دور سے تیر اور سم   عشق افزوں ہو رہا ہے صبر کم
مال دنیا دام مرغان ضعیف   ملک عقبیٰ دام مرغان شریف
مال دنیا، دام مرغان ضعیف   اور عقبیٰ، دام مرغان شریف
تا بدیں ملکے کہ او دامیست ژرف   در شکار آیند مرغان شگرف
اس نے رکھا بڑا عقبیٰ کا دام   تا کہ پھنس جائیں بڑے طائر تمام
من سلیماںؑ مے نخواہم ملک تاں   بلکہ من برہانم از ہر ہلک تاں
میں سلیماںؑ کیوں تمہارا ملک لوں   ہاں ہلاکت سے بری تم کو کروں
کایں زماں ہستند خود مملوک ملک   مالک ملک آنکہ او بجہد ز ہلک
آج کل مملوک ہیں مالک بنے   وہ ہے مالک جو ہلاکت سے بچے
باز گو ذالے اسیران جہاں   نام خود کردید امیران جہاں
اے اسیرو نام اپنا رکھ لیا   تم امیران جہاں کب ہو بھلا
اے تو بندہ اینچناں محبوس جاں   چند گوئی خویش را خواجہ جہاں
بندۂ دنیا ہے تو محبوس جاں   کیوں کہے پھرتا ہے سردار جہاں
اے رسولاں میفرستم تاں رسول   ردّ من بہتر شمارا از قبول
قاصدو اب میں تمہیں ہوں بھیجتا   ہے قبولیت سے بہتر ردّ مرا

حضرت سلیمانؑ کا قاصدوں کی دل جوئی کرنا

پیشِ بلقیس آنچہ دیدند از عجب باز گویند از بیابانِ ذہب
سامنے بلقیس کے دیکھا ہوا دشتِ زر کا حال کہنا برملا

کر چہل منزل بروئے زر بدید وز چنیں ہدیہ خجل چوں میشدید
سونے پر چالیس منزل تم چلے اور پشیماں ایسے تحفے سے ہوئے

تا بداند کہ بزر طامع نہ ایم ما زر از زر آفریں آوردہ ایم
تا وہ سمجھے ہم کو طمع زر نہیں ہم کو زر دیتا ہے وہ زر آفریں

آنکہ گر خواہد ہمہ خاکِ زمیں سر بسر زر گردد و دُرِّ ثمیں
وہ اگر چاہے تو سب خاکِ زمیں سر بسر سونا ہو اور دُرِّ[1] ثمیں

حق برائے او کند اے زر گزیں روزِ محشر ایں زمیں را نقرہ گیں
حق کرے اس کے لئے با صد خوشی روزِ محشر اس زمیں کو نقرئی

فارغیم از زر کہ ما بس پُر فنیم خاکیاں را سر بسر زریں کنیم
سونے کی پروا نہیں مطلق ہمیں خاکیوں کو سر بسر زریں کریں

از شما کے کُدیۂ زر مے کنیم ما شما را کیمیا گر مے کنیم
تم سے ہم مانگیں گے زر کی بھیک کیا کیمیا گر خود تمہیں دیں گے بنا

ترکِ آں گیرید کہ ملکِ سباست کہ بروں زاب و گِل بس ملکہاست
چھوڑ دو تم جو وہ ہے ملکِ سبا ہیں بہت ملک آب و گل کے ماسوا

تختہ بند است آنکہ تختش خواندۂ صدر پنداری و بر در ماندۂ
گور کا تختہ ہے تختِ سروری صدر سمجھے خود کو ہے در پہ کھڑی

---

[1] گراں قیمت موتی ۔

پادشاہی نیستت بر ریش خود	پادشاہی چوں کنی بر نیک و بد
جب نہیں داڑھی بھی قابو میں ترے	نیک و بد پر بادشاہی کیا کرے
بیمرادی تو شود ریشت سفید	شرم دار از ریش خود اے کژ امید
ہو خلاف امید کے داڑھی سفید	شرم کر داڑھی سے اپنی بد امید
مالک الملک است ہر کس سر نہد	بے جہان خاک صد ملکش دہد
وہ ہے مالک ملک کا جو سر جھکا دے	ماسوا دنیا کے لاکھوں ملک پائے
لیک ذوق سجدۂ پیش خدا	خوشتر آید از دو صد دولت ترا
ذوق کا اک سجدہ پیش کبریا	تیرے حق میں ہے خزانوں سے سوا
پس بنالی کہ نخواہم ملکہا	ملک آں سجدہ مسلم کن مرا
تو کہے رو کر کروں گا ملک کیا	ملک سجدہ کر مجھے یارب عطا
پادشاہاں جہاں از بدرگی	بو نبردندے از شراب بندگی
بادشاہان جہاں کب فخر سے	بو شراب بندگی کی لے سکے
ورنہ ادہم وار سرگرداں و دنگ	ملک را برہم زدندے بے درنگ
ورنہ ادہم[1] کی طرح ہو کر وہ دنگ	ملک کو ویران کرتے بے درنگ
لیک حق بہر ثبات ایں جہاں	مہر شاں بنہاد بر چشم و زباں
نظم عالم کے لئے حق نے مگر	مہر کی ان کی زبان و چشم پر
تا شود شیریں بر ایشاں تخت و تاج	تا ستانند از جہانداراں خراج
تا ہوں تخت و تاج ان کو خوشگوار	لیں سلاطیں سے خراج بیشمار
از خراج ار جمع آری زر چو ریگ	آخر آں از تو بماند مردہ ریگ
ریت سے زائد جو دولت جمع کی	غیر کی میراث ہے آخر وہی

---

[1] ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے مراد ہے۔

ہمرہِ جانت نگردد ملک و زر   زر بدہ سرمہ ستاں بہرِ نظر
ساتھ جائے جان کے کب ملک و زر   دیجئے زر سرمہ تو لے بہرِ نظر

تا ببینی کاینجہاں چاہیست تنگ   یوسفانہ آں رسن آری بچنگ
تا تو دیکھے یہ جہاں اندھا کنواں   مثلِ یوسف کے پکڑے رسی ایچواں

تا بگوید چوں ز چاہ آئی بہ بام   جاں کہ یا بشریٰ لنا ہذا غلام
جاں کہے . آکر کنوئیں سے سوئے بام   دیکھو ، یا بشریٰ[1] لنا ہذا غلام

ہست در چہ انعکاساتِ نظر   کمتریں آنکہ نماید سنگ زر
چاہ میں جائے تو الٹی ہو نظر   کم سے کم پتھر نظر آتا ہے زر

وقتِ بازی کودکاں را زِ اختلال   می نماید آں خزفہا زر و مال
کھیلنے کے وقت لڑکوں کا خیال   ٹھیکروں کو ہے بناتا زر و مال

عارفانش کیمیاگر گشتہ اند   تا کہ شد کانہا برایشاں نخند
عارف اس کے کیمیا گر ہوگئے   کان زر بھی ہیچ ہے ان کے لئے

ایک درویش کا خواب

آں یکے درویش گفت اندر سحر   خضریاں را من بدیدم خواب در
بولا اک درویش یوں وقتِ سحر   مجھ کو خضریؒ[2] خواب میں آئے نظر

گفتم ایشاں را کہ روزیٔ حلال   از کجا نوشم کہ آں نبود وبال
پوچھا میں نے ان سے روزیٔ حلال   پاؤں کیونکر جو نہ ہو مجھ کو وبال

مر مرا سوئے کہستاں راندند   میوہا زاں بیشہ مے افشاندند
مجھ کو کوہستاں کی جانب لے گئے   میوے پھر جنگل کے توڑے شوق سے

---

[1] ہمارے لئے خوشخبری ہے ، کہ ایک نوجوان ہے ۔

[2] یعنی وہ لوگ جو حضرت خضر علیہ السلام سے نسبت عقیدت رکھتے ہیں ۔

کہ خدا شیریں بگرداں میوہ را　　در دہان تو بہشتے بے ما
اور کہا شیریں انھیں کردے خدا　　تیرے حق میں یہ ہماری ہے دعا
ہیں بخور پاک و حلال و بے حسیب　　بے صداع و نقل بالا و نشیب
کھا یہ ہیں پاک اور حلال اور بے حساب　　نقل و حرکت ہے نہ ہے کوئی عذاب
پس مرا زاں رزق لطفے رو نمود　　ذوق گفت من خرد ہا مے ربود
پس مجھے اس رزق سے لطف آ گیا　　ہو گیا حیران وہ جس سے کہا
گفتم ایں فتنہ است یارب در جہاں　　بخششے دِہ از ہمہ خلقاں نہاں
کی دعا فتنوں سے پُر ہے یہ جہاں　　لطف کر تو اے خدا سب سے نہاں
شد سخن از من دل خوش یافتم　　چوں انار از ذوق مے بشگافتم
اس دعا سے دل کو پایا کامگار　　کھل گیا میں ذوق سے مثل انار
گفتم ار چیزے نباشد در بہشت　　غیر ایں شادی کہ دارم در سرشت
بولا میں کوئی نہیں جنت میں شے　　اس خوشی کے ماسوا جو مجھ کو ہے
ہیچ نعمت آرزو ناید دگر　　زیں نپردازم بخورد نیشکر
اب کوئی نعمت نہیں زیرِ نظر　　چھوڑ کر اس کو نہ کھاؤں نیشکر
ماندہ بود از کسب یکدو حبّہ ام　　دوختہ در آستین جبّہ ام
ایک دو رتی کمائی کی جو تھی　　آستین جبّہ میں وہ ہے سلی

درویش اور لکڑہارا

آں یکے درویش ہیزم میکشید　　خستہ و ماندہ ز بیشہ در رسید
اور اک درویش سر پر لکڑیاں　　آیا جنگل سے تھکا ماندہ وہاں
پس بگفتم من ز روزی فارغم　　زیں سپس از بہر رزقم نیست غم
ہوں میں فارغ میں نے[1] یہ دل میں کہا　　اب مجھے کچھ بھی نہیں غم رزق کا

---

[1] وہی درویش جو طالب روزی حلال کرتا ہے ۔

میوهٔ مکروه بر من خوش شده است	رزق خاصے جسم را آمد بدست
ہو گئے مکروہ میوے خوشگوار	خاص روزی سے بدن ہے کامگار
چونکہ من فارغ شدستم از گلو	حبۂ چندست من بدہم بدو
میں تو اب اس فکر سے آزاد ہوں	چند چنے یہ اسی کو کیوں نہ دوں
بدہم این را بدین تکلیف کش	تا دو سہ روزک شود از قوت خوش
ہے اسے تکلیف۔ دیدوں اس کو زر	تا کرے یہ دو تین دن کرے بسر
خود ضمیرم را ہمیدانست او	زانکہ سمعش داشت نور از شمع ہو
سمجھا دل کی بات کو وہ مو بمو	شمع میں اس کی تھا نور شمع ہو
بود پیشش سر ہر اندیشۂ	چوں چراغے در درون شیشۂ[1]
بھید ہر اندیشہ کا تھا سامنے	جس طرح شیشے میں رکھتے ہوں دیئے
ہیچ پنہاں مے نشد از وے ضمیر	بود بر مضمون دلہا او خبیر
دل کی بات اس سے کوئی نہاں نہ تھی	وہ دلوں کا راز داں تھا واقعی
پس ہمے مشکید با خود زیر لب	در جواب فکرتم آں بوالعجب
اس نے ہونٹوں میں تھا کچھ کہہ دیا	تھا جواب اچھا مری تخیل کا
چوں چنیں اندیشی از بہر ملوک	کیف[2] تلقی الرزق ان لم یرزقوک
سوچتا کیا ہے تو شاہوں کے لئے	رزق کیونکر پائے تو گر حق نہ دے
من نمیکردم سخن را فہم لیک	بر دلم میزد عتابش نیک نیک
میں تو بات اس کی سمجھتا ہی نہ تھا	ہاں مگر دل پہ سخت خفگی کا بڑا
سوئے من آمد بہیبت ہمچو شیر	تنگ ہیزم را ز خود بنہاد زیر
مثل شیر آیا مری جانب رواں	پھینک کر جلدی سے نیچے لکڑیاں

---

[1] چراغ ◆

[2] اگر وہ تجھے رزق نہ دیتے۔ تو تجھے رزق کیونکر ملتے ◆

پرتو حالی کہ او ہیزم نہاد	لرزہ بر ہفت عضو من فتاد[1]
پرتو اس کا تھا جو رکھیں لکڑیاں	عضو ساتوں تھے مرے لرزش کناں
گفت یا رب گر ترا خاصاں ہے اند	کہ مبارک دعوت و فرخ پے اند
ہیں دعا زندہ ہیں کہ مرد خدا	ہیں قدم جن کے مبارک اور دعا
لطفِ تو خواہم کہ مینا گر شود	ایں زماں ایں تنگ ہیزم زر شود
لطف ہو یا رب ترا صنعت اثر	لکڑیوں کا گٹھا یہ ہو جائے زر
در زماں دیدم کہ زر شد ہیزمش	ہمچو آتش بر زمیں میتافت خوش
میں نے دیکھا لکڑیاں زر ہو گئیں	جو زمیں پہ آگ سی ضو بار تھیں
من دراں بیخود شدم تا دیر گہ	چونکہ با خویش آمدم من از ولہ
دیر تک میں بیخود و حیراں رہا	ہوش پھر آخر ہوئے میرے بجا
بعد ازاں گفت اے خدا گر آں کبار	بس غیور اند و گریزاں ز اشتہار
پھر دعا کی اے خدا وہ نیک تر	ہیں غیور اور شہرتوں سے دور اگر
باز ایں را بندۂ ہیزم ساز زود	بے توقف ہمچناں حالے کہ بود
پھر اسے لکڑی کا گٹھا دے بنا	جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے فورا
در زماں شد ہیزمش افشاں ز زر	مست شد در کار او عقل و نظر
ہو گیا فوراً وہ سونا لکڑیاں	تھیں عجب عقل و نظر کو مستیاں
بعد ازاں برداشت ہیزم را و رفت	سوئے شہر از پیش من او تیز و تفت
پھر اٹھا کر لکڑیاں رخصت ہوا	شہر کی جانب گیا بھاگا ہوا
خواستم تا در پئے آں شہ روم	پرسم از وے مشکلات و بشنوم
میں نے چاہا پیچھے جاؤں میں	مشکلوں کا حل اسی سے پاؤں میں

---

[1] یعنی ہفت اندام سے ہفت اندام، آنکھ، کان اور ناک
ہے زبان اور پیٹ، فرج اور دست و پا

بستہ کرد آں ہیبتِ او مر مرا   پیشِ خاصاں رہ نباشد عام را
اس کی ہیبت نے مگر روکا مجھے   عام کیا خاصوں کے آئیں سامنے

ور کسے را رہ شود گو سر فشاں   کاں بود از رحمت و از جذبِ شاں
جو یہ رستہ پائے، کر دے سر نثار   اُن کے جذب و کرم پر ہے انحصار

پس غنیمت دار آں توفیق را   چوں بیابی صحبتِ صدیق را
پس غنیمت جان اُس توفیق کو   جب تو پائے صحبتِ صدیق کو

نے چو آں ابلہ کہ یابد قربِ شاہ   سہل و آساں در فتد آندم براہ
پھر نہ ایسا بھی جو قربِ شہ ملے   پھیلا پھیلا سارے رستے میں پھرے

چوں ز قربانی دہندش بیشتر   پس بگوید ران گاو است ایں مگر
ملے جو قربانی سے قدرت بیشتر   ران سمجھے گائے کی وہ بے خبر

نیست ایں از ران گاو اے مفتری   ران گاوت می نماید از خری
ران یہ جھوٹے! کہاں ہے گائے کی   ران اُس کو جانتا ہے ابلہی

حضرتِ سلیمانؑ کا قاصدوں کو لوٹنے کی ترغیب دینا

بذلِ شاہانہ است ایں بے رشوتے   بخششِ محض است ایں از رحمتے
یہ تو بے رشوت ہے خیراتِ شہی   نہایتِ رحمت سے بخشش تجھ پہ کی

ہمچنانکہ شہ سلیمانؑ در نبرد   جذبِ خیل و لشکرِ بلقیس کرد
جوں سلیمانؑ نے لڑائی کی سنو   اور کھینچا لشکرِ بلقیس کو

کہ بیائید اے عزیزاں زود زود   کہ برآمد موجہا از بحرِ جود
اے عزیزو جلد جلد آؤ یہاں   بحرِ بخشش کی ہیں موجیں بیکراں

سوئے ساحل می فشاند بے خطر   جوششِ موجش ہر زمانے صد گہر
سوئے ساحل پھینکتی ہیں بے خطر   جوشش میں آ کے موجیں سو گہر

الصلا گفتیم اے اہل رشاد
کایں زماں رضواں درِ جنت کشاد
ہے صلا اہل ہدایت کے لئے
کھولے ہیں جنت کے در رضوان نے

پس سلیمانؑ گفت اے پیکاں روید
سوئے بلقیس و بدیں دیں بگروید
قاصدو تو سلیماںؑ نے کہا
مژدہ دو بلقیس کو اس دین کا

پس بگوئیدش بیا اینجا تمام
زود کانّ اللہ یدعوا بالسّلام[لہ]
پس چلیں آئیں یہاں وہ سب تمام
کیونکہ انّ اللہ یدعو بالسلام

ہیں بیا اے طالبِ دولت شتاب
کہ فتوحست ایں زماں و فتحِ باب
آ یہاں اے طالبِ دولت شتاب
فتح سے ہو گی یہاں تو کامیاب

اے کہ تو طالب نۂ تو ہم بیا
تا طلب یابی ازاں یارِ وفا
اور اگر طالب نہیں ہے تو بھی آ
دے تجھے ذوقِ طلب وہ باوفا

ملک برہم زن تو ادہمؒ وار زود
تا بیابی ہمچو او ملکِ خلود
مثلِ ادہمؒ برہم اپنا ملک کر
تاکہ ملکِ جاوداں کی ہو خبر

حضرت ابراہیم ادہمؒ کا ترکِ سلطنت

خفتہ بود آں شہ شبانہ بر سریر
حارساں بر بام اندر دار و گیر
سوتے تھے اک دن وہ سلطاں تخت پر
پاسباں تھے بام پر سینہ سپر

قصدِ شہ از حارساں آں ہم نبود
کہ کنند زاں دفعِ دزداں و رنود
ہے یہ مطلب چوکیداروں سے نہ تھا
دفع چوروں کو کریں وہ جا بجا

او ہمے دانست کانکو عادلست
فارغست از واقعہ آمن دلست
جانتے تھے وہ کہ جو عادل ہوئے
ہیں وہ فارغ حادثات و خوف سے

لہ بیشک اللہ تجھے سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔

عدل باشد پاسبان کامہا
نے بشب چوبک زناں بر بامہا
عدل ہوتا ہے نگہباں ہم نشیں
کوٹھوں پہ کی بانگ نوبت کچھ نہیں
لیک بُد مقصودش از بانگِ رباب
ہمچو مشتاقاں خیالِ آں خطاب
مقصد ان کا تھا مگر بانگِ رباب
تھا خیالوں میں وہی شوقِ خطاب
نالۂ سرنا و تہدیدِ دہل
چیزکے ماند بداں ناقورِ کل
ڈھول کی آواز سرنا کی صدا
ملتی اس نغمے سے ہے کچھ برملا
پس حکیماں گفتہ اند ایں لحنہا
از دوارِ چرخ بگرفتیم ما
کہتے ہیں دانا یہ آوازیں تمام
لی ہیں دورِ چرخ ہی سے لاکلام
بانگِ گردشہائے چرخست اینکہ خلق
میسرایندش بطنبور و بحلق
گردشِ گردوں کے ہیں یہ زمزمے
گاتے ہیں جو حلق یا طنبور سے
مومناں گویند کآثارِ بہشت
نغز گردانید ہر آواز زشت
کہتے ہیں مومن کہ آثارِ بہشت
خوب کر دیتے ہیں ہر آوازِ زشت
ما ہمہ اجزائے آدم بودہ ایم
در بہشت آں لحنہا بشنودہ ایم
سب کے سب اجزائے آدم ہم جو تھے
سنتے رہتے تھے وہ نغمے خلد کے
گرچہ بر ما ریخت آب و گل شکے
یاد ما آید ز آنہا اندکے
آب و گل نے شک میں گو ڈالا ہمیں
یاد ہے ان میں سے تھوڑا سا ہمیں
لیک چوں آمیخت با خاکِ کرب
کے دہند ایں زیر و ایں بم آں طرب
مل گئے اس میں غم و اندوہ اب
آئے کیوں کر زیر و بم میں وہ طرب
آب چوں آمیخت با بول و کمیز
گشت ز آمیزش مزاجش تلخ و تیز
پانی میں پیشاب کی بو جب ملی
تلخ و تیز اس کی طبیعت ہو گئی
چیزکے از آب ہستش در جسد
بول از آں رو آتشے را میکشد
پانی بھی تھوڑا سا اس میں ہے ڈلے
آگ بجھ جاتی ہے یوں پیشاب سے

گر نجس شد آب ایں طبعش نماند	کآتش غم را بطبع خود نشاند
ہے نجس، لیکن طبیعت میں ہے تاب	آتش غم کو بجھا دیتا ہے آب
پس غذائے عاشقاں آمد سماع	کہ درو باشد خیال اجتماع
راگ عاشق کی غذا ہے خوش خصال	یار سے ملنے کا اس میں ہے خیال
قوتے گیرد خیالات ضمیر	بلکہ صورت گردد از بانگ صفیر
قوت اک پکڑیں خیالات ضمیر	بلکہ دے صورت دکھا بانگ صفیر
آتش عشق از نواہا گشت تیز	آنچناں کہ آتش آں جوز ریز
تیز ہو جاتی ہے آتش عشق کی	جیسے اس اخروٹ والے کی ہوئی

پانی میں اخروٹ پھینکنے والے کی کہانی

در تغوکے بود آب آں تشنہ راند	بر درخت جوز جوزے میفشاند
تھا گڑھے میں آب اور اک پیاسا تھا	پیڑ پر اخروٹ کے بیٹھا ہوا
میفتاد از جوز بن جوز اندر آب	بانگ مے آمد مے دید او حباب
پھینکتا پانی میں وہ اخروٹ تھا	سنتا بانگ اور دیکھتا تھا بلبلہ
عاقلے گفتا کہ بگذار اے فتا	جوزہا خود تشنگی آرد ترا
بولا اک عاقل یہ کیا ہے دل لگی	ہیں یہی اخروٹ وجہ تشنگی
بیشتر در آب می افتد ثمر	آب در پستی ست از تو دور تر
گرتے ہیں اخروٹ اس میں ٹوٹ کر	پانی ہے پستی میں تجھ سے دور تر
بیشتر در آب مے افتد ببیں	میبرد آبش تراچہ سود ازیں
گر کے پانی میں یہ اخروٹ اے فتا	ڈوب جاتے ہیں تجھے کیا فائدہ
تا تو از بالا فرود آئی بزیر	آب جوزت بردہ باشد اے دلیر
جب تک اوپر سے تو نیچے آئیگا	پانی ان اخروٹوں کو لے جائیگا

گفت قصدم زیں فشاندن جز کیست   تیز تر بنگر بریں ظاہر مایست
بولا یہ اخروٹ کب ہے پھینکنا   چھوڑ ظاہر دیکھ باطن کو ذرا

قصدِ من آنست کاید بانگِ آب   ہم ببینم بر سر آب ایں حباب
ہے یہ مقصد آئے پانی کی صدا   اور نظر پانی پہ آئے بلبلا

تشنہ را خود شغل چہ بود درجہاں   گرد پائے حوض گشتن جاوداں
پیاسے کا کیا شغل ہے اس کے سوا   حوض کے چاروں طرف پھرنا سدا

گردِ جو و گردِ آب و بانگِ آب   ہمچو حاجی طائفِ کعبہ صواب
پانی کے گرد اور گرد آواز کے   جیسے حاجی گرد کعبے کے پھرے

ہمچنیں مقصود من زیں مثنوی   اے ضیاء الحق حسام الدین توئی
مثنوی سے پس میرا مقصود بھی   ہے ضیاء الحق حسام الدین تو ہی

مثنوی اندر فروع و در اصول   جملہ آنِ تست و کردستی قبول
مثنوی فرعاً اور اصلاً ہے تری   کی قبول اور ملکیت تیری ہوئی

التجا بر تست و بر امداد تو   تکیہ بر اشفاق و بر اسعادِ تو
التجائیں تجھ سے ہیں امداد کی   ہے بھروسہ لطف و یاری پہ تری

مثنوی اندر اصول و در فروع   میکند زیر لوائے تو رجوع
ہاں یہ اصلاً اور فرعاً مثنوی   ہر طرح سے ہے پناہوں میں تری

مثنوی اندر اصول و ابتدا   جملہ بہر تست و بر تست انتہا
مثنوی کا ہر اصول اور ابتدا   تجھ سے ہے اور ہے تجھی پہ انتہا

در قبول تست عزّ و مقبلی   زانکہ شاہ جان و سلطان دلی
تیری منظوری ہے عزت مستقل   کیونکہ تو ہے شاہ جاں اور شاہ دل

در قبول آرند شاہاں نیک و بد   چوں قبول آرند نبود ہیچ رد
ہے قبول بادشاہاں نیک و بد   گر کریں مقبول کیوں ہوتا ہے رد

چوں نہالے کاشتی آبش بدہ	چوں کشادش دادہ بکشا گرہ
پیڑ بویا ہے تو پانی اُس کو دے	اب گرہ اچھی طرح سے کھول دے
قصدم از الفاظ او رازِ تو است	قصدم از انشایش آوازِ تو ہست
مقصدِ الفاظ تیرا راز ہے	مقصدِ انشا تری آواز ہے
پیش من آوازت آوازِ خداست	عاشق از معشوق حاشا کے جداست
ہے تری آواز آوازِ خدا	کب ہُوا معشوق سے عاشق جُدا
اتصالے بے تکیف بے قیاس	ہست ربّ الناس را با جانِ ناس
بے تکلف اس کا ہوتا ہے وصال	اپنے بندوں سے ہے ملتا ذو الجلال
لیک گفتم ناس من نسناس نے	ناس غیرِ جان جاں اشناس نے
لیک ہر ناس نہیں معنیِ ناس[1]	بلکہ وہ انسان جو ہے حق شناس
ناس مردم باشد و کو مردمی	تو سرِ مردم ندیدستی دنی
آدمی دیکھے کہاں ہیں اے دنی	آدمی کا سر بھی دیکھا ہے کبھی
مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ خواندۂ	لیک جسمی در تجزّی ماندۂ
مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ ہے پڑھا	جسم کی تقسیم میں ہے تو پڑا
ملکِ جسمت را چو بلقیس اے غبی	ترک کن بہرِ سلیمانؑ نبی
مثلِ بلقیس اس بدن کو اے غبی	ترک کر بہرِ سلیمانؑ نبی
میکنم لاحول نے از گفتِ خویش	بلکہ از وسواسِ آں اندیشہ کیش
کب ہے لاحول اپنے اس احساس پر	بلکہ بد اندیش کے وسواس پر
کو خیالے میکند در گفتِ من	در دل از وسواس و انکارات و ظن
جس کو میری گفتگو کا ہے خیال	وسوسہ، انکار، بدظنی، ملال

---

[1] انسان "آدمی"۔

میکنم لاحول یعنی چارہ نیست　　چوں ترا دردل بضدم گفتنی ست
چارہ ہی کیا ہے بجز لاحول کے　　جب تجھے ضد ہے مری گفتار سے
چونکہ گفت من گرفتت در گلو　　من خمش کردم تو زیں پس خود بگو
پکڑا میری باتوں نے تیرا گلا　　لے میں چپکا ہو گیا اب تو سنا

ہر بے ادب سے تحمل اور رفاقت کرنا

آں یکے نائے کہ خوش نے میزدست　　ناگہاں از مقعدش بادے بجست
تھا بجاتا ایک اچھی بانسری　　ریح اس کی ناگہاں خارج ہوئی
نائے را بر کون نہاد او کہ زمن　　گر تو بہتر میزنی بستاں بزن
بانسری مقعد پہ رکھ کر یوں کہا　　مجھ سے اچھی بج سکے تو تو بجا
اے مسلماں خود ادب اندر طلب　　نیست الا تحمل از ہر بے ادب
اے مسلماں تو ادب کو کر طلب　　بے ادب سے ہے تحمل ہی ادب
ہر کرا بینی شکایت میکند　　کاں فلاں کس راست طبع و خوئے بد
جس کو دیکھو شکوہ کرتا ہے یہی　　ہے فلاں کی طبع و خو بے حد بری
ایں شکایت گو بداں کو بدخو ایست　　کہ مر آں بدخوئے را او بدگو ایست
ہے گلہ اس کو جو خود بدخو ہوا　　کیونکہ اک بدخو کو کہتا ہے برا
زانکہ خوشخو آں بود کو در خمول　　باشد از بدخوئے و بدطبعاں حمول
ہے وہی خوش خو کنارہ جو کرے　　اور تحمل جس کو بدخو پر رہے
لیک در شیخ ایں گلہ ز امر خداست　　نے پئے خشم و ممارات و ہواست
ہاں گلہ مرشد کا ہے امر خدا　　دشمنی اس میں نہ غصہ یا ہوا[1]

[1] حرص ۔

آں شکایت نیست ہست اصلاحِ جاں	چوں شکایت کرد آں پیغمبراں
کب شکایت ہے وہ ہے اصلاحِ جاں	جس طرح نبیوں کی شکوہ سنجیاں
ناتحمّلی انبیا راز امر داں	ورنہ حمّال است بدہا طبعِ شاں
بے تحمل ہوں، تو امرِ حق ہے ہاں	ورنہ خوگر ہیں کہ جھیلیں سختیاں
طبع را کشتند در حملِ بدی	ناتحمّلی گر بود ہست ایزدی
دل کو مارا، حلم کی برداشت کی	بے تحمل ہونا یہ ہے قدرتی
اے سلیماں درمیانِ زاغ و باز	حلمِ حق شو با ہمہ مرغاں بساز
اے سلیماں درمیانِ زاغ و باز	حلمِ حق ہو۔ سب پرندوں کو نواز
بلبلِ بسیار گو را پر مکن	باز را و کبک را بر ہم مزن
بلبلِ نغمہ سرا کے پر نہ جھاڑ	گر نہ باز و کبک سے اپنا بگاڑ
اے دو صد بلقیس حلمت را زبوں	کاہدِ قومی انّہم لا یعلمون
سینکڑوں بلقیس تجھ سے ہیں زبوں	[1] اِہْدِ قومی انّہم و یعلموں

حضرت سلیمانؑ کا بلقیس کو عتاب نامہ بھیجنا

ہیں بیا بلقیسؔ ورنہ بد شود	لشکرت خصمت شود مرتد شود
جلد آ بلقیسؔ ورنہ ہے بُرا	تیرا لشکر تجھ سے سب پھر جائیگا
پردہ دارِ تو درت را برکند	جانِ تو با تو بجاں خصمی کند
توڑیں دروازے کو تیرے پردہ دار	جان تیری جان لے انجام کار
جملہ ذرّاتِ زمین و آسماں	لشکرِ حقند گاہِ امتحاں
سب یہ ذرّاتِ زمین و آسماں	لشکرِ خالق ہیں وقتِ امتحاں

[1] یہ شعر دعائیہ ہے۔ جس میں مخاطب صحیح ذاتِ باری ہے التجا کرتے ہیں کہ یارب ہماری قوم کو ہدایت کر کیونکہ وہ لاعلم اور غیر آگاہ ہے۔

باد را دیدی کہ با عادان چہ کرد
آب را دیدی کہ در طوفاں چہ کرد
دیکھ عادوں سے ہوا نے کیا کیا
آب نے طوفان کر ڈالا بپا

آنچہ بر فرعون زد آں بحر کیں
وانچہ با قاروں نمودست ایں زمیں
حشر جو دریا سے تھا فرعون کا
جو زمیں نے ساتھ قاروں کے کیا

وانچہ آں بابیل با آں پیل کرد
وانچہ پشہ کلۂ نمرود خورد
جو ابابیلوں نے فیلوں سے کیا
کلہ مچھر کھا گیا نمرود کا

وانکہ سنگ انداخت داؤدے بدست
گشت سیصد پارہ و لشکر شکست
ہاتھ سے پتھر گرا داؤد کے
بھاگا لشکر تین سو ٹکڑے ہوئے

سنگ مے بارید بر اعدائے لوط
تا کہ در آب سیہ خوردند غوط
برسے پتھر دشمنوں پر لوط کے
غرق سب آب سیہ میں ہو گئے

گر بگویم از جمادات جہاں
عاقلانہ یاریٔ پیغمبراں
ہو جمادات جہاں کا گر بیاں
اولیا کے تھے وہ کیا کیا ہم عناں

مثنوی چنداں شود کہ چہل شتر
گر کشد عاجز شود از بار بر
مثنوی بڑھ جائے چالیس اونٹ بھی
کھینچنے سے اس کے عاجز ہوں ابھی

دست بر کافر گواہی مے دہد
لشکر حق مے شود سر مے نہد
ہاتھ کافر پر گواہی جب کہ دے
فوج ہو اللہ کی، یہ سر کٹے

اے نمودہ ضد حق در فعل درس
در میان لشکر اوئی بترس
ضد خدا سے ہے تجھے ہر بات پہ
آ پھنسا لشکر میں اُسکے اب تو ڈر

جزو جزوت لشکر او در وفاق
مر ترا اکنوں مطیع اندر نفاق
اس کے لشکر کے ہیں اجزا آج ہاں
حکم کے تیرے ہیں تابع اے جواں

گر بگوید چشم را کو ر افشار
درد چشم از تو برآرد صد دمار
گر کہے وہ آنکھ سے اس کو دبا
درد سے ہو جان تک تیری فنا

گر بدنداں گویدا و بہنا و بال	پس بہ بینی تو زدنداں گوشمال
گر کہے دانتوں سے لاؤ کچھ بلا	پس تو پائے اپنے دانتوں سے سزا
باز کن طب را بخواں باب العلل	تا بہ بینی لشکر تن را عمل
کھول طب اور اس میں پڑھ باب علل ؎	تا کہ دیکھے لشکر تن کا عمل
چونکہ جانِ جانِ ہر جزوت ولیست	دشمنی با جانِ جاں آساں کیست
جبکہ جانِ جاں کا ہے ہر جز و تن	دشمنی پھر جانِ جاں سے ہے کٹھن
خود رہا کن لشکر دیو و پری	کز میانِ جاں کنندم صفدری
ترک کر یہ لشکر دیو و پری	چاہیے اُن سے ہو اُمید صفدری
ملک را بگذار بلقیس از نخست	چوں مرا یابی ہمہ ملک آنِ تست
ملک کو بلقیس کر دے ترک آ	مجھ کو حاصل کر تو سب کچھ ہے ترا
خود بدانی چوں برِ من آمدی	کہ تو بے من نقش گرمابہ بُدی
میرے پاس آتے ہی یہ کھل جائیگا	بے مرے تو نقش تھی حمام کا
نقش اگر خود نقشِ سلطان غنی ست	صورتست از جاں تہی و بے چاشنی ست
نقش سلطانِ غنی بھی ہے اگر	جان کی لذت سے کب ہے بہرہ ور
زینت او از برائے دیگراں	باز کردہ بیہدہ چشم و دہاں
اُس کی زینت دوسروں کے واسطے	جو کہ ہیں چشم و دہن کھولے ہوئے
اے تو در پیکار خود را باختہ	دیگراں را تو ز خود نشناختہ
نفس سے تو جنگ میں ہاری ہے جو	تو نے اپنے سے نہ جانا غیر کو
تو بہر صورت کہ آئی بیستی	کہ منم ایں واللہ آں تو نیستی
چاہے جس صورت میں ہو جلوہ گریں	ہاں میں یہ ہوں ہے قسم تو یہ نہیں

؎ یعنی وہ فصل جس میں بیماریوں کا بیان ہے ۔

یکزما تنہا بمانی توز خلق
در غم و اندیشہ مانی تا بحلق
تو گھڑی بھر بھی اگر تنہا رہے
فکر و اندیشہ میں گردن تک پھنسے

ایں تو کے باشی کہ تو آں اوحدی
کہ خوش و زیبا و سرمست خودی
کس طرح کوئی کہے یکتا ہے تو
جبکہ سرمست خودی زیبا ہے تو

مرغ خویشی صید خویشی دام خویش
صدر خویشی فرش خویشی بام خویش
خود ہی مرغ اور خود ہی صید اور خود ہی دام
خود ہی صدر اور خود ہی فرش اور خود ہی بام

جوہر آں باشد کہ قائم با خودست
آں عرض باشد کہ فرع او شدست
خود پہ جو قائم ہو، جوہر ہے وہی
فرع جو ہو وہ عرض ہے واقعی

گر تو آدمؑ زادۂ چوں او نشیں
جملۂ ذرات را در خود بہ بیں
ہے جو آدمؑ زاد تو، اوج ذات دیکھ
ذات میں اپنی ہی سب ذرات دیکھ

چیست اندر خم کہ اندر نہر نیست
چیست اندر خانہ کاندر شہر نیست
خم میں کیا ہے جو نہیں ہے نہر میں
گھر میں کیا ہے جو نہیں ہے شہر میں

ایں جہاں خم است و دل چوں جوئے آب
ایں جہاں حجرہ است و دل شہر عجاب
یہ جہاں خم اور دل ہے جوئے آب
کوٹھڑی وہ اور یہ شہر خوش آب

بلقیسؑ کو حضرت سلیمانؑ کی دعوتِ ایمانی

ہیں بیا کہ من رسولم دعوتی
چوں اجل شہوت کشم نے شہوتی
آ، کہ میں ہوں اک رسول دعوتی
ہوں اجل شہوت کی، کب ہوں شہوتی

ور بود شہوت امیر شہوتم
نے اسیر شہوت و روئے بتم
ہو اگر شہوت، ہوں شہوت کا امیر
ہوں بتوں میں اور نہ شہوت میں اسیر

بت شکن بودست اصل اصل ما
چوں خلیلؑ حق و جملہ انبیاء
بت شکن ہے اصل میری سن ذرا
جیسے ابراہیمؑ اور سب انبیاء

یکزماں تنہا بمانی تو ز خلق
در غم و اندیشہ مانی تا بحلق
تو گھڑی بھر بھی اگر تنہا رہے
فکر و اندیشہ میں گردن تک پھنسے

ایں تو کے باشی کہ تو آں اوحدی
کہ خوش و زیبا و سرمست خودی
کس طرح کوئی کے یکتا ہے تو
جبکہ سرمست خودی زیبا ہے تو

مرغ خویشی صید خویشی دام خویش
صدر خویشی فرش خویشی بام خویش
خود ہی مرغ اور خود ہی صید اور خود ہی دام
خود ہی صدر اور خود ہی فرش اور خود ہی بام

جوہر آں باشد کہ قائم با خود است
آں عرض باشد کہ فرعِ او شد است
خود بہ جو قائم ہو، جوہر ہے وہی
فرع جو ہو وہ عرض ہے واقعی

گر تو آدمؑ زادہ چوں او نشیں
جملہ ذرات را در خود بہ بیں
ہے جو آدمؑ زاد تو، اوج ذات دیکھ
ذات میں اپنی ہی سب ذرات دیکھ

چیست اندر خم کہ اندر نہر نیست
چیست اندر خانہ کاندر شہر نیست
خم میں کیا ہے جو نہیں ہے نہر میں
گھر میں کیا ہے جو نہیں ہے شہر میں

ایں جہاں خم است و دل چوں جوئے آب
ایں جہاں حجرہ است و دل شہر عجاب
یہ جہاں خم اور دل ہے جیسے آب
کوٹھڑی ہی وہ اور یہ شہر خوش آب

بلقیسؑ کو حضرت سلیمانؑ کی دعوتِ ایمانی

ہیں بیا کہ من رسولم دعوتی
چوں اجل شہوت کشم نے شہوتی
آ، کہ میں ہوں اک رسول دعوتی
ہوں اجل شہوت کی کب ہوں شہوتی

ور بود شہوت امیر شہوتم
نے اسیر شہوت و روئے بتم
ہو اگر شہوت، ہوں شہوت کا امیر
ہوں بتوں میں اور نہ شہوت میں اسیر

بت شکن بودست اصلِ اصل ما
چوں خلیلؑ حق و جملہ انبیاء
بت شکن ہے اصل میری سن ذرا
جیسے ابراہیمؑ اور سب انبیاء

گر در آید محرمِ دیں در بتکدہ
بُت سجود آرد بیاد در معبدہ
محرم اگر جائیں کبھی بت خانے میں
مندروں میں بت انہیں سجدہ کریں

احمدؐ و بوجہل در بتخانہ رفت
زیں شدن تا آں شدن فرقیست زفت
احمدؐ اور بوجہل بت خانے گئے
فرق ہیں دونوں کے جانے میں بڑے

او در آید سر نہند او را بتاں
ایں در آید سر نہد چوں امتاں
وہ جو آئیں، اُن کو بت سجدہ کرے
یہ جب آئے بت کے آگے سر رکھے

ایں جہانِ شہوتی بتخانہ ایست
انبیا و کافراں را لانہ ایست
یہ جہانِ شہوتی بت خانہ ہے
کافر اور نبیوں کا اک کاشانہ ہے

لیک شہوت بندۂ پاکاں بود
زر نسوزد زانکہ نقدِ کاں بود
پاکوں کی لونڈی ہے شہوت برملا
جل نہیں سکتا جو سونا ہو کھرا

کافراں قلب اند و پاکاں ہمچو زر
اندریں بوتہ درند ایں دو نفر
کھوٹے کافر، پاک ہیں مانندِ زر
ایک ہی بوتے میں ہیں دونو نفر

قلب چوں آمد سیہ شد در زماں
زر در آمد زری او شد عیاں
کھوٹا جب آیا تو کالا پڑ گیا
سونا جب آیا، کھرا پن جاگ اٹھا

دست و پا انداخت اندر بوتہ زر
در رخِ آتش ہمے خندد چو خور
بوتہ میں سونے نے ڈالے دست و پا
آگ میں چمکا مگر خورشید سا

جسمِ ما روپوش باشد در جہاں
ما چو دریا زیرِ ایں کہ قُد نہاں
تن ہمارا دنیا میں ہے روپوش سا
مثلِ دریا زیرِ کہ جوں میں چھپا

شاہِ دیں را منگر اے نادان بطین
کیں نظر کردہ است ابلیسِ لعین
کر نہ مٹی اُن کو جو ہوں شاہِ دیں
یہ نظر رکھتا تھا ابلیسِ لعین

۱؎ "کشتمالی" ؟

کے تواں اندودن ایں خورشید را
با کفِ گل تو بگو آخر مرا
کس طرح خورشید چھپتا ہے بھلا
ایک مٹھی خاک سے تو ہی بتا

گر بریزی خاک و صد خاکسترش
بر سرِ نور او برآید بر سرش
گر تو اس کے نور پر بھی گرائے
لوٹ کر پھر تیرے ہی سر پہ وہ آئے

گہ کہ باشد کہ بپوشد روئے آب
طیں کہ باشد کہ بپوشد آفتاب
گھاس کس صورت ڈھکے گی روئے آب
اور مٹی کب چھپائے آفتاب

خیز بلقیسا چو ادہمؒ شاہ وار
دود ازیں ملکِ دو سہ روزہ برار
اٹھ کے آ بلقیس ابراہیمؒ وار
پھونک دے یہ ملک جو ہے مستعار

حضرتِ ابراہیم ادہمؒ کا باقی حصہ[1]

بر سریرِ تختے شنید آں نیک نام
طقطقے و ہائے ہوئے شب ز بام
تخت پر تھے تخت پر شب کو وہیں
بام پر کھٹ کھٹ کی آوازیں سنیں

گامہائے تند بر بامِ سرا
گفت با خود ایں چنیں زہرہ کرا
کوٹھے پر تھا تیز کوئی دوڑتا
بولے ایسی کس کی طاقت ہے بھلا

بانگ زد بر روزنِ قصر او کہ کیست
ایں نباشد آدمی ماناپریست
کون ہے یہ جھڑکی سے آواز دی
آدمی تو یہ نہیں، ہو گی پری

سر فرو کردند قومے بو العجب
ما ہمے گردیم شب بہرِ طلب
نیچے جھک کر چند لوگوں نے کہا
ہم طلب میں رات سے ہیں مبتلا

ہیں چہ مے جوئید گفتند اشتراں
گفت اشتر بام بر کہ جست ہاں
بولے کس کی ہے طلب؟ بولے شتر
بولے آئے اونٹ کیوں کر بام پر

---

[1] یعنی حضرت ابراہیم ادہمؒ ۔

پس بگفتندش کہ تو بر تخت جاہ	چوں ہمے جوئی ملاقات الٰہ
بولے تم اس تخت پر با عزّ و جاہ	ڈھونڈتے ہو جوں ملاقات الٰہ
خود ہُمائید و دیگر او را کس ندید	چوں پری از آدمی شد ناپدید
خود ہما تھا کون اُس کو دیکھتا	آدمی سے جوں پری غائب ہُوا
معنیش پنہان و او در ریش خلق	خلق کے بینند غیر ریش و دلق
ہیں نہاں معنی مگر وہ سامنے	لوگ ریش و دلق کو ہیں دیکھتے[1]
چوں ز چشم خویش و خلقاں دُور شد	ہمچو عنقا در جہاں مشہور شد
چشم خلقت سے ہوا جو دُور وہ	مثل عنقا ہو گیا مشہور وہ
جانِ سیمرغے کہ آمد سوئے قاف	جملۂ عالم ازو بافند لاف
قاف کی جانب جو سیمرغ آ گیا	سارے عالم میں ہے اس کا ماجرا
چوں رسید اندر سبا آں نورِ شرق	غلغلے افتاد در بلقیسؑ و خلق
جبکہ جا پہنچا سبا میں نورِ شرق[2]	رہ گئی حیران سی بلقیس و خلق
روحہائے مُردہ جملہ پر زدند	مُردگان از گورِ تن سر بر زدند
مُردہ روحیں سب کی سب اُڑنے لگیں	مُردے نکلے گور سے سب بالیقیں
یکدگر را مژدہ میدادند ہاں	نک ندائے میرسید از آسماں
ایک کو دیتا تھا مژدہ دوسرا	آسماں سے بھی کچھ آتی تھی صدا
زاں ندا دینہا ہمے گردند گبز	شاخ و برگِ دل ہمے گردند سبز
اُس ندا سے دین ہوتے تھے قوی	شاخ و برگ دل کو سرسبزی ملی
از سلیمانؑ آں نفس چوں نفخِ صور	مُردگاں را میرہانید از قبور
وہ سلیمانؑ کا پیام صُور زا	مُردوں کو کرتا تھا قبروں سے رہا

---

[1] یعنی مخلوق تو اُسے دیکھتی ہے جو نبی کی سی داڑھی چھوڑے اور گدڑی پہنے ہوئے ہو۔

[2] حضرت سلیمانؑ کے پیام روشن سے مُراد ہے۔

مر ترا بادا سعادت بعد ازیں   غم گذشت اللہ اعلم بالیقیں
تجھ کو پہنچے گی سعادت بعد ازیں   غم گیا ، واللہ اعلم بالیقیں

اہلِ سبا کا باقی قصہ

قصۂ گویم از سبا مشتاق وار   چوں صبا آمد بسوئے لالہ زار
پھر کہوں حال سبا مشتاق وار   جوں صبا آیا تو لے سوئے لالہ زار

لاقت الاشباح یوم وصلہا   عادت الاولاد صوب اصلہا
جسم اپنے وصل کے دن سے ملے   ہوئے سب فرزند جانب اصل کے

امۃ العشق خفی فی الامم   مثل جود حولہ لوم السقم
امت عشق امتوں میں ہے نہاں   جیسے گھیریں جود کو بیماریاں

ذلۃ الارواح من اشباحہا   عزۃ الاشباح من ارواحہا
روح کی ذلت ہے اُس کے جسم سے   روح سے بڑھتے ہیں رتبے جسم کے

ایہا العشاق السقیا لکم   انتم الباقون والبقیا لکم
ہے تمہیں کو عاشقو پینا روا   تم ہو باقی اور تمہاری ہے بقا

ایہا الشابون قوموا واعشقوا   ذاک ریح یوسف استنشقوا
اے جوانو ! عشق اور الفت کرو   بوئے یوسف آئی اس کو سونگھ لو

منطق الطیر[2] سلیمانی بیا   بانگ ہر مرغے کہ آید می سرا
منطق الطیر سلیمانی ہے تو آ   ہو پرندوں کی طرح نغمہ سرا

چوں بمرغانت فرستاد است حق   لحن ہر مرغے بدادستت سبق
طائروں میں حق نے بھیجا ہے تجھے   نغمۂ طائر سکھایا ہے تجھے

---

[1] یعنی پیام حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام ۔

[2] وہ فلسفۂ سلیمانی ہے جس سے پرندوں کی بولیاں سمجھ میں آجائیں ۔

مرغِ جبری را زبانِ جبر گو	مرغِ پر اشکستہ را از صبر گو
مرغِ جبری کو زبانِ جبر دے	پر شکستہ طائروں کو صبر دے
مرغِ صابر را تو خوش دار و معاف	مرغِ عنقا را بخواں اوصافِ قاف
مرغِ صابر کو تو خوش کر اور معاف	مرغِ عنقا کو سنا اوصافِ قاف
مر کبوتر را حذر فرما ز باز	باز را از حلم گوی و احتراز
کر کبوتر سے رہے محفوظ باز	باز کو دے درس حلم و احتراز
واں خفاشے را کہ ماند او بے نوا	مے کنش با نور جفت و آشنا
اور چمگاڈر کہ جو ہے بے نوا	نور سے تو اس کو کر دے آشنا
کبکِ جنگی را بیاموزاں تو صلح	مرغِ خروساں را نما اشراطِ صبح
صلح کا دے جب کبکِ جنگی کو سکھا	صبح کے آداب مرغوں کو بتا
ہمچنیں می رو ز ہدہد تا عقاب	رہ نما واللہ اعلم بالصواب
جا بجا یوں ہدہد سے لے کر تا عقاب	خضر بن رہ ، واللہ اعلم بالصواب

بلقیس کا اپنے ملک سے آزاد ہونا

چوں سلیمانؑ[۱] سوئے مرغانِ سبا	یک صفیرے کرد بست آں جملہ را
جیسے شہ نے سوئے مرغانِ سبا	اک صدا دی۔ قید ہر طائر ہوا
جز مگر مرغے کہ بُد بے جان و پر	یا چو ماہی گنگ بود از اصل کر
ماسوا اس کے جو تھا بے جان و پر	مثلِ ماہی یا تھا گونگا اور کر
نے غلط گفتم کہ کر گر سر نہد	پیش وحیِ کبریا سمعش[۲] دہد
یہ غلط میں نے کہا بہرا اگر	سر جھکائے، سمع سے ہو بہرہ ور

[۱] حضرت سلیمانؑ سے مراد ہے۔

[۲] یعنی سماعت سے یا قوت اور کان سے۔

چونکہ بلقیس از دل و جاں عزم کرد   بر زمانِ رفتہ ہم افسوس خورد
دھن جو یہ بلقیس کو دل سے لگی   اپنے دورِ رفتہ پر کڑھنے لگی
ترکِ مال و ملک کرد او آں چناں   کہ بترکِ نام و ننگ آں عاشقاں
اس نے ملک و مال چھوڑا بے درنگ   جوں کریں عشاق ترکِ نام و ننگ
آں غلامان و کنیزانِ بناز   پیشِ چشمش ہمچو پوسیدہ پیاز
وہ غلام اور وہ کنیزیں محو ناز   اُس کے آگے تھیں سڑی جیسے پیاز
باغہا و قصرہا و آبِ رود   پیشِ چشمش از عشق گلخن مے نمود
خاک قصر و نہر گلشن ہو گئے   عشق سے نظروں میں گلخن ہو گئے
عشق در ہنگامِ استیلا و خشم   زشت گرداند لطیفاں را بچشم
عشق غصہ اور غلبہ جب دکھائے   ہو جو چیز اچھی بڑا اُس کو بنائے
ہر زمرد را نماید گندنا   غیرتِ عشق ایں بود معنیٔ لا
وہ زمرد کو بنائے گندنا   عشق کی غیرت ہے یہ معنیٔ لا
لا الہ الا ہو اینست اے پناہ   کہ نماید مہ ترا دیگِ سیاہ
لا الہ الا ہو۔ کی ہے پناہ   چاند بھی آئے نظر دیگِ سیاہ
ہیچ مال و ہیچ مخزن ہیچ رخت   نے دریغش آمد الا جز کہ تخت
مال و مخزن کا نہ غم اُس کو ہوا   تھا مگر افسوس ترکِ تخت کا
پس سلیمان از دلش آگاہ شد   کز دلِ او تا دلِ او راہ بد
پس سلیمان کو خبر اس کی ہوئی   انکے دل سے اُسکے دل تک راہ تھی
آں کسے کو بانگِ مرغاں بشنود   وز ضمیرِ ہر یکے واقف بود
وہ کہ جو سن لے پرندوں کی صدا   اور ہو واقف سب کے دل سے بھلا
نالۂ مخفیِ موراں بشنود   ہم فغانِ سرِ دوراں بشنود
چیونٹیوں کا نالۂ مخفی سنے   اور سنے جو فغاں کوئی کرے

آنکہ گوید رمز قَالَتْ نَمْلَةٌ[1]   ہم بداند رمز ایں طاق کہن
جو کہ جانے راز قَالَتْ نَمْلَةٌ   کیوں نہ سمجھے راز دنیائے کہن
دید از دورش کہ آں تسلیم کیش   تلخش آمد فرقتِ آں تختِ خویش
دُور سے دیکھا کہ وہ ہے بیقرار   چھوڑ دنیا تخت کا ہے ناگوار
گر بگویم آں سبب گردد دراز   کہ چرا بودش بتخت آں عشق و ناز
گر کہوں اس کا سبب تو طول ہو   چھوڑنا دشوار کیوں تھا تخت کو
گرچہ ایں کلکِ قلم خود بے حسے ست   نیست جنسِ کاتب او را مونسے ست
گرچہ بے حس ہے قلم اے دوست دار   جنسِ کاتب سے نہیں ہے اس کا یار
ہمچنیں ہر آلتِ پیشہ ورے   ہست بیجاں مونسِ ہر جانورے
ایسے ہی ہر آلہ، اہلِ پیشہ کا   ہے تو بیجاں لیک مونس ہے تھا
ایں سبب را من معین گفتمے   گر نبودے چشمِ فہمت را نمے
یہ سبب بے شک بتا دیتا تمہیں   گر نہ بھرتا پانی چشمِ فہم میں
از بزرگی تخت کز حد مے فزود   نقل کردن ہیچ نوع امکاں نبود
تخت جو حد سے زیادہ تھا بڑا   اس کے لے جانے کا کب امکان تھا
خُردہ کاری بود و تفریقش خطر   ہمچو اوصالِ بدن با یکدگر
پچیکاری کے اکھڑنے کا تھا ڈر   وہ ملی جوں اعضائے تن با یکدگر
پس سلیمانؑ گفت گرچہ فی الاخیر   سرد خواہد شد برو تاج و سریر
پھر سلیمانؑ نے کہا انجام کار   تخت اور تاج اس کو ہوگا ناگوار

---

[1] اس آیہ شریف کی طرف اشارہ ہے۔ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ یعنی ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو اپنے اپنے گھروں میں گھس بیٹھو، تاکہ سلیمان اور ان کا لشکر تم کو پامال نہ کر ڈالے کیونکہ وہ نہیں جانتے ۔

چوں ز وحدت جاں بروں آرد سرے   جسم را با فرّ او نبود فرے
جان وحدت سے نکالے گی جو سر   جسم میں باقی نہ ہوگا کوئی فر

چوں برآید گوہر از قعرِ بحار   بنگری اندر کفِ خاشاک و خار
تہ سے دریا کی جو گوہر باہر آئے   خاک اور کانٹوں میں وہ کیونکر سمائے

سر برآرد آفتاب با شرر   دُمِ عقرب را کہ سازد مستقر
جبکہ نکلے آفتاب پُر شرار   کس طرح بچھو کی دُم کو ہو قرار

لیک خود با اینہمہ در بدو حال   جست باید تختِ او را انتقال
باوجود ان ساری باتوں کے ولے   پہلے اس کا تخت لانا چاہیئے

تا نگردد خستہ ہنگام لقا   کودکانہ حاجتش گردد روا
تاکہ آکر ہو نہ غم میں مبتلا   حاجت طفلانہ اُس کی ہو روا

ہست بر ما سہل و او را بس عزیز   تا بود بر خوانِ حوراں دیو نیز
ہم کو آساں اور اس کی ہے خوشی   خوان پہ حوروں کے ہو اک دیو بھی

عبرتِ جانش شود آں تخت باز   ہمچو دلق و چارقے پیشِ ایاز
عبرت اسکو ہوگا پھر یہ تخت ناز   جیسے دلق اور جوتیاں پیشِ ایاز[1]

تا بداند در چہ بود آں مبتلا   از کجا بود و رسید او تا کجا
تاکہ جانے کس میں تھی وہ مبتلا   تھی کہاں اور ہے کہاں رونق فزا

خاک را و نطفہ را و مضغہ را   پیشِ چشمِ ما ہمے دارد خدا
خاک نطفہ گوشت سب کو لے تھا   ہے ہمارے سامنے حق نے رکھا

---

[1] یعنی جسطرح ایاز محمود غزنوی کا محبوب ہو کر بھی اپنی پرانی گدڑی اور جوتیوں کو سامنے رکھ کر عبرت حاصل کیا کرتا تھا اسی طرح بلقیسؓ کو بھی یہاں اس تخت کی موجودگی سے اپنی پہلی حالت پر عبرت ہوگی ۔

کز کجا آوردمت اے بدنیت	کہ ازاں آید ہمے خفریقیت
میں کہاں سے لایا تجھ کو بدنیت	اب گرانی تجھ کو جو آتی ہے بہت
تو بداں عاشق بُدی در دورِ آں	منکرِ ایں فضل بودی آں زماں
اُس زمانے میں تو عاشق اس پہ تھا	اور منکر تھا ہمارے فضل کا
ایں کرم چوں دفعِ آں انکارِ تست	کہ میانِ خاک میکردی نخست
یہ کرم ہے دفع اس انکار کا	وہ کے مطلق خاک جو تو نے کیا
حجتِ انکار شد انشارِ تو	از دوا بدتر شد ایں بیمارِ تو
حجتِ انکار سے ہے ابتری	بڑھ گیا دارو سے دکھ کچھ اور بھی
خاک را تصویرِ ایں انکار از کجا	نطفہ را خصمی و انکار از کجا
خاک کی صورت میں ہو انکار کیا ؟	نطفہ کا مالک۔ پریشاں کیوں ہوا
چوں دراں دم بیدل و بے سر بُدی	فکرت و انکار را منکر بُدی
جبکہ اس دم بیدل و بے سر تھا تو	فکر اور انکار سے منکر تھا تو
از جمادی چونکہ انکارت برست	ہم ازیں انکار حشرت شد درست
جب جمادی سے رہا انکار تھا	حشر اس انکار سے ثابت ہوا
پس مثالِ تو چو آں حلقہ زنیست	کز درونش خواجہ گوید خواجہ نیست
تو ہے ایسا، دیں جو دستک بالیقیں	مالک اندر سے کہے۔ مالک نہیں
حلقہ زن زیں نیز دریابد کہ ہست	پس ز حلقہ برندارد ہیچ دست
کھٹکھٹانے والا جب واقف ہوا	کھٹکھٹانے سے وہ کیوں لے ہاتھ اٹھا
پس ہم انکارت مبیّن می کند	کز جماد او حشرِ صد فن می کند
پس یہ روشن ہے تیرے انکار سے	حشر وہ نشو نمو جمادی سے کرے
چند صنعت رفت اے انکار تا	آب و گِل انکار زاد از ہل اتیٰ[1]
صنعتوں میں آب و گِل کمتر تو رہا	ہل اتیٰ سے پھر تو منکر ہو گیا

---

[1] قولہ تعالیٰ: ہل اتیٰ علی الانسان حین من الدہر لم یکن شیئاً مذکورا۔ یعنی کیا انسان پر وہ

آب و گل میگفت خود انکار نیست
بانگ میزد بیخبر کاخبار نیست
آب و گل کو خود نہیں انکار کچھ
کر رہی ہے۔ یہ نہیں اخبار[1] کچھ

پس بگویم شرح ایں از صد طریق
لیک خاطر لغزد و از گفت دقیق
سو طرح سے میں کروں اسکو بیاں
لغزش خاطر کا لیکن ہے گماں

شرح آں زالب بہ بستم اے کیا
بہر نقل تخت بلقیسؑ از سبا
شرح سے اس کی خموشی ہے سوا
یوں سبا سے تخت اڑا بلقیسؑ کا

حضرتِ سلیمانؑ کا تختِ بلقیسؑ کو منگانا

پس سلیمانؑ گفت با لشکر عیاں
تخت او را حاضر آید ایں زماں
پس سلیمانؑ نے یہ لشکر سے کہا
تخت یاں حاضر کرو بلقیسؑ کا

گفت عفریتے کہ تختش را بفن
حاضر آرم[2] تا تو زیں بیروں شدن
بولا اک جن فن گر حکم آپ دیں
آپ باہر آئیں، اتنی دیر میں کہ

گفت آصف من باسم اعظمش
حاضر آرم پیش تو در یک دمش
بولا آصف اسم اعظم سے ابھی
تخت لاتا ہوں یہاں میں اے نبیؑ

گرچہ عفریت اوستادِ سحر بود
لیک آں از نفخ آصف رو نمود
گرچہ وہ جن سحر میں استاد تھا
دم سے آصف[3] کے مگر تخت آ گیا

حاضر آمد تخت بلقیسؑ آں زماں
لیک ز آصف نز فن عفریتیاں
تخت بلقیسؑ آگیا فوراً وہاں
لایا آصف، جن نہ لائے بیگماں

---

[1] یعنی یہ اخبار نہیں، جس میں جھوٹی سچی خبریں ہوں۔ [2] یعنی اتنی دیر میں کہ آپ اپنے دولت خانہ سے باہر تشریف لائیں۔ مطلب یہ ہے کہ بہت جلد [3] آصفؑ ہی شخص ہیں جس کا ذکر قرآن مجید میں ان الفاظ میں آیا ہے کہ قال الذی عندہ علم من الکتاب انا آتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک یعنی اس شخص نے جسکے پاس علم کتاب تھا کہا کہ میں اسکو لاتا ہوں اس سے پہلے کہ تم اپنی آنکھ کو

گفت حمد اللہ بریں و صد چنیں
کہ بدیدستم ز رب العالمین

شکر خالق کا سلیماںؑ نے کیا
اس پہ جو دیکھا تھا لطف کبریا

پس نظر کرد آں سلیماں سوئے تخت
گفت آرے گول گیری اے درخت

تخت پر ڈالی نظر اور یوں کہا
پھانسنے والا ہے تو نادان کا

پیش چوب و سنگ چوں نقشے کنند
اے بسا گولاں کہ سرہا مے نہند

نقش خود کرتے ہیں چوب و سنگ پر
اس کے آگے خود جھکا دیتے ہیں سر

ساجد و مسجود از جاں بے خبر
دیدہ از جاں جنبشے و اندک اثر

ساجد و مسجود جاں سے بے خبر
جنبش جاں کا بھی کچھ دیکھا اثر؟

دیدہ در وقتے کہ شد حیران و دنگ
کہ سخن گفت و اشارت کرد سنگ

دیکھا اس دم جبکہ تھے حیران و دنگ
بات کرتا ہے اشارے کرکے سنگ

نرد خدمت را چو ناموضع بباخت
شیر سنگی را شقی شیرے شناخت

کھیل کھیلے بے محل وہ بے خبر
شیر کو پتھر کے جانا شیر نر

از کرم شیر حقیقی کرد جود
استخوانے سوئے سگ انداخت زود

پھر کرم شیر حقیقت نے کیا
ہڈی اک کتے کو بھی کر دی عطا

گفت گرچہ نیست آں سگ بر قوام
لیک مارا استخواں لطفے ست عام

اور کہا گو ہے یہ کتا بد قوام
ہڈیاں دیتا ہے میرا لطف عام

حضرت حلیمہؓ کا قصہ

قصہ را از حلیمہؓ گویمت
تا زداید داستان او غمت

سن حلیمہؓ کا کنوں قصہ ذرا
تا وہ قصہ تیرے غم کو دے جلا

مصطفےٰ را چوں ز شیر او باز کرد
بر کفش برداشت چوں ریحان و ورد

جب چھڑایا دودھ اس محبوب کا
ہاتھ پہ پھولوں کی صورت رکھ لیا

میگریزانیدش از ہر نیک و بد   تا سپارد آں شہنشہ را بجد
نیک و بد سے تھیں بچاتی ماہ کو   تا سپرد خود کریں اُس شاہ کو
چوں ہمے آورد امانت را ز بیم   شد بکعبہ و آمد او اندر حطیم
جب امانت لیکے ڈرتی آ گئیں   اور حطیم[1] کعبہ میں داخل ہوئیں
از ہوا بشنید بانگے کاے حطیم   تافت بر تو آفتابے بس عظیم
یہ سنی آواز انہوں نے اے حطیم   تجھ پہ چمکا ایک خورشید عظیم
اے حطیم امروز آید بر تو زود   صد ہزاراں نور از خورشید جود
اے حطیم آج آئیں گے تیرے لئے   نور لاکھوں آفتاب جود کے
اے حطیم امروز آرد در تو رخت   محتشم شاہے کہ پیک اوست بخت
اے حطیم آج اس جگہ ہے جلوہ گر   شاہ وہ، اقبال جس کا نامہ بر
اے حطیم امروز بیشک از نوی   منزل جانہائے بالائی شوی
اے حطیم آج ایسی پائے تازگی   عالم بالا ہو ہر منزل تری
جانِ پاکاں طلب طلب جوق جوق   آیدت از ہر نواحی مست شوق
پاک روحیں فوج فوج اور جوق جوق   ہر طرف سے آئیں ہو کر مست شوق
گشتہ حیراں آں حلیمہؓ زاں صدا   نے کسے در پیش نے سوئے قفا
دنگ تھیں سن کر حلیمہؓ یہ صدا   سامنے کوئی نہ پیچھے کوئی تھا
شش جہت خالی ز صورت ویں ندا   شد پیاپے آں ندا را جاں فدا
شش جہت صورت سے خالی اور ندا   آتی تھی پیہم۔ ہو جاں اُس پہ فدا
مصطفیٰؐ را بر زمیں بنہاد او   تا کند آں بانگ خوش را جستجو
مصطفیٰؐ کو تو دیا اک جا بٹھا   تاکہ اس آواز کو ڈھونڈیں ذرا

---

[1] حطیم کعبہ میں بجانبِ مغرب ایک بیرونی دیوار ہے جہاں کعبہ کا حوض بنا ہوا ہے ؛

چشم می انداخت آں دم سو بسو
کہ کجا است آں شہ اسرار گو
ہر طرف جویا ہوئی ان کی نظر
راز کہنے والا ہے آخر کدھر

کیں چنیں بانگ بلند از چپ و راست
میرسد یارب رسانندہ کجاست
دائیں بائیں سے جو آتی ہے صدا
کون ہے یارب یہ ایسا خوش نوا

چوں ندید او خیرہ و نومید شد
جسم لرزاں ہمچو شاخ بید شد
ہوگئیں نومید کچھ آیا نہ بن
بید کی صورت ہُوا لرزاں بدن

باز آمد سوئے آں طفل رشید
مصطفےٰ را در مکان خود ندید
لوٹ کر جب بچے کی جانب گئیں
مصطفےٰ کو اس جگہ دیکھا نہیں

حیرت اندر حیرت آمد بر دلش
گشت بس تاریک از غم منزلش
اور حیرت میں ہوئی حیرت سوا
غم سے دل تاریک انکا ہو گیا

سوئے منزلہا دوید و بانگ داشت
کہ کہ بر دُردانہ ام غارت گماشت
منزلوں دوڑی بھی دیتی صدا
آہ لوٹا کس نے دُردانہ مرا

مکیاں گفتند ما را علم نیست
ما ندانستیم کاں بچہ کو و کیست
کہتے تھے مکی خبر ہم کو کہاں
ہم نہ جانیں کوئی بچہ تھا یہاں

ریخت چنداں اشک و کرد او بس فغاں
کہ باو گریاں شدند آں مکیاں
اسقدر کرتی تھیں وہ آہ و فغاں
مکے والے اُن پہ تھے گریہ کناں

سینہ کوباں آنچناں بگریست خوش
کاختراں گریاں شدند از گریہ اش
روتی تھیں ہر بار سینہ کوٹ کر
روتے تھے اس غم سے تارے چرخ پر

بوڑھے رہنما کی حکایت

پیرمردے پیشش آمد با عصا
کاے حلیمہ چہ فتاد آخر ترا
آیا اک بڈھا لئے اپنا عصا
پوچھا کیا ہے اے حلیمہ ماجرا

کاینچنیں آتش ز دل افروختی ویں جگر ہا راز ماتم سوختی
آگ کیوں دل میں ہے یہ بھڑکی ہوئی ہے جگر میں آگ کس کے سوگ کی
گفت احمدؐ را حلیمہؓ معتمد پس بیاوردم کہ بسپارم بجد
بولیں اپنے مصطفےٰؐ کی دائی ہوں انکے گھر پہنچانے انکو آئی ہوں
چوں رسیدم در حطیم آوازہا می رسید و می شنیدم از ہوا
جب حطیم آیا بصدائیں بارہا آتی تھیں میں سن رہی تھی برملا
من چو آں الحاں شنیدم از ہوا طفل را بنہادم آنجا زاں صدا
جب ہوا سے میں نے آوازیں سنیں بچے کو بٹھلا کے بالائے زمیں
تا ببینم ایں صدا آواز کیست کہ ندائے بس لطیف و بس شہی ست
میں بھی دیکھوں یہ کس کی ہے صدا ایسی دلکش اور لطیف ایسی ندا
نز کسے دیدم بگرد خود نشاں نہ ندائے منقطع شد یک زماں
پر نہ آتا تھا نظر مجھ کو کوئی بند ہوتی تھی نہ آواز اک گھڑی
چونکہ واگشتم ز حیرتہائے دل طفل را آنجا ندیدم وائے دل
ہو کے حیراں جگہ میں واپس ہوئی بچے کو اس جا نہ پایا واقعی
گفتش اے فرزند تو اندہ مدار کہ نمایم من ترا یک شہریار
پیر بولا، غم نہ کر جانے بھی دے میں ملاتا ہوں تجھے اک شاہ سے
کہ بگوید گر بخواہد حال طفل او بداند منزل و ترحال طفل
حال کہدیگا وہ سارا طفل کا جانتا ہے وہ کہاں بچہ گیا
پس حلیمہؓ گفت اے جانم فدا مر ترا اے شیخ خوب خوش ندا
پس حلیمہؓ بولیں تجھ پہ جاں نثار ہے تری آواز میں دل کا قرار
ہیں مرا بنمائے آں شاہِ نظر کش بود از حال طفل من خبر
پاس اس سلطان کے لے چل جلد تر میرے بچے کی جسے ہو کچھ خبر

پیر اورا پیش عزیٰ کایں صنم	ہست در اخبارِ غیبی مغتنم
پیشِ عزیٰ لے گیا، ہاں یہ صنم	غیب کی خبروں میں ہے بس مغتنم
ما ہزاراں گمشدہ زو یافتیم	چوں بخدمت سوئے او بشتافتیم
گمشدہ اس سے ہزاروں ہی ملے	جب ہم اس کے پاس آئے دوڑ کے
پیر کرد اورا سجود و گفت زود	ایخداوند عرب وے بحرِ جود
سجدہ کرکے اس کو بڈھے نے کہا	اے خداوندِ عرب بحرِ عطا
گفت اے عزّیٰ تو بس اکرامہا	کردۂ تا رستہ ایم از دامہا
کیا بہت اکرام اے عزّیٰ ترے	تو نے ہم کو ہے چھڑایا دام سے
بر عرب حق است از اکرام تو	فرض گشتہ تا عرب شد رام تو
ہے عرب پہ حق ترے اکرام کا	رام ہے ملکِ عرب سارا ترا
ایں حلیمہؓ سعدی از امیدِ تو	آمد اندر ظلِ شاخِ بیدِ تو
یہ حلیمہؓ سعدیہ کرکے اُمید	آگئی ہے سائے میں تیرے اے سعید
کہ ازو فرزند طفلے گم شد است	نام آں کودک محمدؐ آمد است
کھو گیا ہے اس کا اک بچہ کہیں	نام ہے جس کا محمدؐ بالیقیں
چوں محمدؐ گفت آں جملہ بتاں	سرنگوں گشتند ساجد آں زماں
جب کہا اس نے محمدؐ رعب سے	گرنے لگے بت سجدے میں سب گر گئے
کہ برو اے پیر ایں چہ جستجوست	آں محمدؐ را کہ عزلِ ما دروست
اور کہا اس کو نہ ڈھونڈ اے پیر جا	وہ محمدؐ جو ہے ہم سب کی فنا
ما نگوں و سنگسار آئیم ازو	ما کساد و بے عیار آئیم ازو
ہم تو اس سے ہیں نگوں اور سنگسار	کر دیا ہے اس نے کھوٹا اور خوار
آں خیالاتے کہ دیدندے زما	وقتِ فترت گاہ گاہ اہلِ ہوا
وہ خیالات اور اشارے وہم کے	دیکھے جو فترت[۱] میں اہلِ حرص نے

---

[۱] دو پیغمبروں کے درمیان کا زمانہ

گم شود چوں بارگاہ او رسید	آب آمد مر تیمم را درید
گم ہوئے جب عہد اس کا آ گیا	پانی جب آیا۔ تیمم کب رہا
دُور شو اے پیر فتنہ کم فروز	ہیں ز رشکِ احمدی ما را مسوز
آگ فتنے کی نہ اے بوڑھے لگا	رشکِ احمدؐ سے نہ یوں ہم کو جلا
دُور شو بہرِ خدا اے پیر تو	تا نسوزی زآتشِ تقدیرِ تو
دُور ہو بڈھے خدا کے واسطے	یوں نہ جھلسا آتشِ تقدیر سے
ایں چہ دُمِ اژدہا افشردن است	ہیچ دانی چہ خبر آوردن است
اژدہے کی دُم دباتا ہے مگر	کیا خبر تجھ کو کہ ہے کیسی خبر
زیں خبر خوں شد دل دریا و کاں	زیں خبر لرزاں شود ہفت آسماں
خون اس سے ہے دلِ دریا و کاں	اس خبر سے کانپ اُٹھے سات آسماں
چوں شنید از سنگہا پیر ایں سخن	پس عصا انداخت آں پیرِ کہن
بڈھے نے پتھر کی جب باتیں سنیں	خوف سے اپنا عصا پھینکا وہیں
پس ز لرز و خوف و بیم آں ندے	پیر دندانہا بہم برمیزدے
خوف سے آواز کے لرزے پڑے	دانت مردِ پیر کے بجنے لگے
آنچناں کاندر زمستاں مردِ عور	او ہمے لرزید و میگفت اے ثبور
جس طرح سردی میں کوئی برہنا	کانپ کر کہنے لگے لو میں مرا
چوں درآں حالت بدید آں پیر را	پا و سر گم کرد زاں تدبیر را
جبکہ اس حالت میں دیکھا پیر کو	سعدیہ بھولیں سر اک تدبیر کو
گفت پیرا گرچہ من در محنتم	حیرت اندر حیرت اندر حیرتم
بولی اے بڈھے میں گو اُلجھن میں تھی	اور بھی حیرت میں حیرت بڑھ گئی
ساعتے با دم خطیبی میکند	ساعتے سنگم ادیبی میکند
ہے کبھی موجِ ہوا میری خطیب	اور کبھی بنتے ہیں بُت میرے ادیب

باد با حرف سخنہا میدہد
سنگ و کوہم فہم اشیا میدہد
مجھ سے کچھ کرتی ہے باتیں یہ ہوا
اور اشیا سے کریں سنگ آشنا
گاہ طفلم را ربودہ غیبیاں
غیبیان سبز پوش آسماں
غیب والے لے گئے بچہ مرا
آسماں کے سبز پوشوں نے حسرتا
از کہ نالم با کہ گویم زیں گلہ
من شدم سودائی اکنوں صد دلہ
کس سے روؤں اور کروں کس سے گلہ
میں ہوئی سودائی وحشت ہے سوا
غیرتش از شرح غیبم لب ببست
اینقدر گویم کہ طفلم گم شدہ است
لب مرے ہیں بند شرح غیب سے
"کھو گیا بچہ" یہ ہیں نالے مرے
گر بگویم چیز دیگر من کنوں
خلق بندندم بزنجیر جنوں
بھید کی گر بات میں کوئی کہوں
لوگ ابھی پہنائیں زنجیر جنوں
گفت پیرش کاے حلیمہؓ شاد باش
سجدۂ شکر آر و رو را کم خراش
بولا بڈھا اے حلیمہؓ شاد ہو
شکر کر غم سے نہ یوں برباد ہو
غم مخور یاوہ نگردد او ز تو
بلکہ عالم یاوہ گردد اندرو
غم نہ کر تجھ سے وہ ہوگا گم کہاں
بلکہ اس میں ہوگا گم سارا جہاں
ہر زمانش از رشک غیرت پیش و پس
صد ہزاراں پاسبانست و حرس
رشک و غیرت سے ہیں ہر دم ہر زماں
آگے پیچھے اس کے لاکھوں پاسباں
آں ندیدی کاں بتان ذو فنوں
چوں شدند از نام طفلت سرنگوں
کیا نہ دیکھا یہ بتان ذو فنوں
نام سے اس کے ہوئے سب سرنگوں
ایں عجب قرنیست بر روئے زمیں
پیر گشتم من ندیدم جنس ایں
یہ زمیں پر اک زمانہ ہے نیا
ایسا کب دیکھا میں بڈھا ہو گیا
زیں رسالت سنگہا چوں نالہ داشت
تا چہ خواہد بر گنہگاراں گماشت
اس رسالت سے ہیں پتھر نوحہ خواں
کیا گنہگاروں پہ ہونگی سختیاں

سنگ مجرم است ور معبود کیش   تو نۂ مضطر کہ بندہ بود کیش
بت جو ہیں معبود ہو کر بے خطا   تو نہیں مضطر کہ بندہ ہے بنا
آنکہ مضطر اینچنیں ترساں شد است   تاکہ بر مجرم چہا خواہند بست
جبکہ مضطر اس قدر ہے خوف میں   جانے کیا مجرم پہ آئیں آفتیں

عبدالمطلب کو حضورؐ کے گم ہونے کی خبر ہونا

چوں خبر یابید جدِّ مصطفےؐ   از حلیمہؓ وز فغانش بر ملا
جب ہوئے آگاہ وہ جدِّ مصطفےؐ   یوں حلیمہؓ کی فغاں سے برملا
وز چناں بانگ بلند و نعرہا   کہ بمیلے میرسید از وے صدا
وہ بلند آواز، وہ شور و بکا   جاتی تھی اک میل تک جس کی صدا
زود عبدالمطلبؓ دانست چیست   دست بر سینہ ہمیزد و میگریست
سمجھے عبدالمطلبؓ یہ ماجرا   سینہ کوٹا اور روئے باوفا
آمد از غم بر درِ کعبہ بسوز   کای خبیر از سرِّ شب و رازِ روز
کعبہ کے در پہ وہ آئے غم نشیں   اور کہا اے عقدۂ شب کے رازداں
خویشتن را نہ بینم من فنے   تا بود ہمراز تو ہمچوں منے
کوئی فن پاتا نہیں اپنے میں جو   مجھ سا اک بندہ ترا ہمراز ہو
خویشتن را من نمے بینم ہنر   تا شوم مقبول ایں مسعود در
ایسا بھی مجھ میں نہیں کوئی ہنر   ہوں قبول اس سے کرے کعبہ کا در
یا سر و سجدہ مرا قدرے بود   یا بہ اشکم دو لبے خنداں شود
یا مرے سجدے کی سر کی قدر کر   یا ہنسا مجھ کو کہ جوں اشکم تر
لیک در سیمائے آں دُرِّ یتیم   دیدہ ام آثارِ لطفت اے کریم
اے خدا اس کی جبیں میں چمکتے   دیکھے ہیں آثار تیرے لطف کے

کہ نیابد مبا گرچہ زیاست
ما ہمہ مسیم و احمد کیمیاست

ہم سے جب بتا نہیں ہم میں مگر
ہم ہیں مس اور کیمیا خیر البشر

آں عجائبہا کہ من دیدم برو
من ندیدم بر ولی و بر عدو

وہ عجیب باتیں جو اس میں دیکھی ہیں
دوست و دشمن میں نہیں دیکھیں کہیں

آنچہ فضلِ تو دریں طفلیش داو
کس نشاں ندہد بصد سالاں جہاد

تو نے جو کچھ اس کو طفلی میں دیا
سو برس میں بھی نہ اوروں کو ملا

چوں یقیں دیدم عنایتہائے تو
بروئے آں دُر لیست از دریائے تو

جب ہیں اتنے لطف اس کے حال پر
تیرے ہی دریا کا ہے وہ اک گہر

من ہمو را اے شفیع آرم بتو
حال او اے حال داں با من بگو

واسطہ اس کا میں دیتا ہوں تجھے
حال اس کا کچھ بتا یا رب مجھے

از درون کعبہ آمد بانگ زود
کہ ہم اکنوں رخ بتو خواہم نمود

اندرونِ کعبہ سے آئی ندا
تو ابھی دیکھے گا روئے مصطفےٰ

با دو صد اقبال او محفوظ ماست
با دو صد طلب ملک محفوظ ماست

سینکڑوں اقبال سے محفوظ ہے
وہ فرشتوں میں بہت محفوظ ہے

ظاہرش را شہرۂ گیہاں کنیم
باطنش را از ہمہ پنہاں کنیم

ظاہر اُس کا شہرۂ دوراں کریں
باطن اُس کا سب سے ہم پنہاں کریں

زر کانست آب و گل ما زرگریم
کہ گہش خلخال و گہ خاتم بریم

آب و گل سونا ہے اور زرگر ہیں ہم
خاتم اور پازیب گھڑتے رہیں ہم

گہ حمائلہائے شمشیرش کنیم
گاہ بند گردن شیرش کنیم

تیغ کی اس کو حمائل گہ بنائیں
شیر پہ اُس کو کبھی غلبہ دلائیں

گہ ترنج تخت بر سازیم ازو
گاہ تاج فرقہائے ملک جو

گہ ترنج تخت ہم اُس کو کریں
گاہ تاج اور سر پہ شاہوں کے رکھیں

عشقہا داریم با ایں خاک ما　　زانکہ افتادست در قعدہ رضا
ہم کو ہے اس خاک سے اُلفت بڑی　　کیونکہ یہ راہِ رضا میں ہے پڑی
گہ چنیں شاہے ازو پیدا کنیم　　گہ ہم اورا پیش شہ شیدا کنیم
اس سے ہم سلطان کبھی پیدا کریں　　پیش شہ اس کو کبھی شیدا کریں
صد ہزاراں عاشق و معشوق ازو　　در فغان و در نفیر و جستجو
لاکھوں معشوق اس سے اور عاشق بنے　　جو فغان و جستجو میں ہیں پڑے
کارِ ماسے وائے بر کوریِ آں　　کہ بکارِ ما ندارد میل جاں
یہ ہے صنعت، اس پہ حسرت ہے مگر　　جو نہیں راغب ہمارے کام پہ
ایں فضیلت خاک را زاں رُو دہیم　　زانکہ نعمت پیش بے برگاں نہیم
یہ فضیلت خاک کو دیتے ہیں ہم　　ہے ہمارا بے نواؤں پہ کرم
زانکہ دارد خاک شکلِ اغبری　　وز دروں دارد صفاتِ انوری
کیونکہ صورت خاک کی ہے پُر غبار　　اور ہیں اندر صفاتِ نور بار
ظاہرش با باطنش گشتہ بجنگ　　باطنش چوں گوہر و ظاہر چو سنگ
ظاہر و باطن میں ہے جنگ استقدر　　ظاہر اس کا سنگ ہے باطن گہر
ظاہرش گوید کہ ما اینیم و بس　　باطنش گوید نکو بیں پیش و پس
کہتا ہے ظاہر کہ ہم تو یہ ہیں بس　　کہتا ہے باطن، نظر کر پیش و پس
ظاہرش منکر کہ باطن ہیچ نیست　　باطنش گوید کہ بنمائیم بیست
بولے ظاہر کچھ نہیں باطن۔ مگر　　کہتا ہے باطن، دکھاتا ہوں ٹھہر
ظاہرش با باطنش در چالش اند　　لاجرم زیں صبر نصرت میکشند
ظاہر و باطن میں ہے جنگ و جدل　　صبر سے پاتے ہیں دونوں نیک پھل
زیں ترش رو خاک صورتہا کنیم　　خندۂ پنہانش را پیدا کنیم
خاک سے صورت کو دیں نقش و نگار　　خندۂ پنہاں کو کردیں آشکار

زانکہ ظاہر خاک اندوہ و بکاست   در درونش صد ہزاراں خندہاست
ظاہرا ہے خاک اندوہ و بکا   خندے باطن میں ہیں لاکھوں گنا
کاشف السریم کار ما ہمیں   کایں نہانہا را برآریم از زمیں
بھید ظاہر کرتے ہیں ہم بے گماں   لائیں باہر جو زمیں میں ہے نہاں
گرچہ دزد از منکری دم میزند   شحنہ آں از عصر پیدا میکند
چھُد چوری سے جو ہو منکر تو کیا   تنگ کرکے شحنہ لے سب بتا
فضلہا دزدیدہ اند ایں خاکہا   ما بیفشاریم شاں از ابتلا
خاک نے فضلے لئے ہیں سب چرا   ہم نچوڑتے ہیں کرکے مبتلا
بس عجب فرزند کو را بودہ است   لیک احمد بر ہمہ افزودہ است
ایک اک فرزند عجب اس کو ملا   لیکن احمدؐ اُن سبھوں سے بڑھ گیا
شد زمین و آسماں خنداں و شاد   کایں چنیں شاہے ز ما دو جفت زاد
شاد و خنداں ہیں زمین و آسماں   ہم سے یہ پیدا ہوا سلطانِ جہاں
میشگافد آسماں از شادیش   خاک چوں سوسن شد از آزادیش
ہے پھٹا جاتا خوشی سے آسماں   خاک سوسن کی طرح ہے شادماں
ظاہرت با باطنت اے خاک خوش   چونکہ در جنگند و اندر کشمکش
ظاہر و باطن ہے خوشتر خاک کا   کشمکش میں ہیں یہ دونوں مبتلا
ہر کہ با خود بہر حق باشد بجنگ   تا شود معنیش خصم بو و رنگ
بہر حق اپنے سے جو ہو جنگ جو   اس کا باطن ہو عدوئے رنگ و بو
ظلمتش با نور او شد در قتال   آفتاب جانش را نبود زوال
جنگ اُس کی ظلمتیں ہوں نور سے   آفتاب جاں نہ گھاٹے میں پڑے
ہر کہ کوشد بہر ما در امتحاں   پشت زیر پاش آرد آسماں
جو ہمارے واسطے دے امتحاں   پیٹھ زیر پا جھکا دے آسماں

ظاہرش از تیرگی افغاں کناں	باطن او گلستاں در گلستاں
ظاہر اس کا تیرگی سے نوحہ خواں	باطن اس کا گلستاں در گلستاں
قاصداً چوں صوفیان رُو ترش	تا نیامیزد باہر نور کُش
ہیں ترش رو مثل صوفی با یقیں	نور کش اُن سے نہ مل جائیں کہیں
عارفاں رو ترش چوں خار پشت	عیش پنہاں کردہ در خارِ دُرشت
رو ترش عارف ہیں سیہی کی مثال	کانٹوں میں رکھتے ہیں پنہاں عیش حال
باغ پنہاں کردہ گل را خار فاش	کاے عدوے دور زیں در دُور باش
باغ میں پنہاں ہیں گل اور خار فاش	دشمن گل سے رہیں کہتے دور باش
خار پشتا خار حارس کردۂ	سر چو صوفی در گریباں بردۂ
تو ہے سیہی ، خار تیرے پاسباں	مثل صوفی سر گریباں میں نہاں
تا کسے در چار دانگِ عیش تو	کم شود زیں کم زناں خارِ تُو
تنگ اس پر ہے جہانِ عیش سے	خار تو کوئی نہ گل جاتا رہے
طفل تو گرچہ کہ کودک خو بُد است	ہر دو عالم خود طفیل اُو بُد است
تیرا بچہ گو ہے بچہ بے گماں	ہیں طفیل اس کے مگر دونوں جہاں
ما جہانے را بدو زندہ کنیم	چرخ را در خدمتش بندہ کنیم
ہم جہاں کو اُس سے دیں گے زندگی	اور فلک اس کی کرے گا بندگی

مقام حضورؐ کے متعلق عبد المطلبؓ کا پتہ پوچھنا

گفت عبد المطلب کایں دم کجاست	اے علیم السرّ نشاں دہ راہ راست
بولے عبد المطلب ہے اب کہاں	اے علیم راز دے اس کا نشاں
از درُون کعبہ آوازش رسید	گفت اے جویندۂ طفل رشید
آئی پھر کعبہ کے اندر سے صدا	ایک تو جویا ہے طفل پاک کا

بانقش گفتا مخور غم کایں زماں　　باتو زاں شاہ جہاں بدہم نشاں
بولا پیرک غم نہ کر ہو شادماں　　ہم تجھے اُس شاہ کا دیتے نشاں
در فلاں وادیست زیر آں درخت　　پس رواں شد زود پیرِ نیک بخت
ہے فلاں وادی میں نیچے پیڑ کے　　پس وہ اُس جانب روانہ ہو گئے
در رکابِ او امیرانِ قریش　　زانکہ جدش بود ز اعیانِ قریش
ساتھ تھے سب اُن کے اعیانِ قریش　　تھے وہ سردار رئیسانِ قریش
تا بہ پشتِ آدمؑ اسلافش ہمہ　　مہتران رزم و بزم و ملحمہ
اُن کے سب اسلاف آدمؑ تک یہاں　　گذرے رزم و بزم کے سردار ہاں
ایں نسب خود قشرِ او بودہ است　　کز شہنشاہاں مہ پالودہ است
یہ نسب خود پوست تھا اُن کے لئے　　بادشاہوں نے کیا تھا صاف اُسے
مغزِ او خود از نسب دورست و پاک　　نیست جنبش از سمک کس تا سماک
مغز اُس کا ہے نسب سے صاف و پاک　　کون مثل اُن کا سمک سے تا سماک
نورِ حق را کس نجوید زاد و بود　　خلعتِ حق را چہ حاجت تار و پود
نورِ حق کی کون ڈھونڈے زاد و بود　　خلعتِ حق بے نیاز تار و پود
کمتریں خلعت کہ بدہد در ثواب　　بر فزاید بر طرازِ آفتاب
کمتریں خلعت جو کرتا ہے عطا　　دیتا ہے سورج سے بھی رتبہ بڑھا

حضرت سلیمانؑ و بلقیسؒ کا باقی قصہ

خیز بلقیسا بیا و مُلک بیں　　بر لبِ دریائے یزداں دُر بچیں
دیکھ یہ ملک اُٹھ کے اے بلقیسؒ　　چُن کہ یہ ہے گوہرِ دریائے خدا
خواہرانت ساکنِ چرخِ سنی　　تو بمردارے چہ سلطانی کنی
تیری بہنیں چرخ پر ہیں جلوہ گر　　ہے حکومت تیری کیوں مُردار پر

خیز بلقیسا بیا دولت نگر	جاوداں از دولتِ ما بر بخور
اٹھ کے آ بلقیس دولت ہے یہاں	پھل اٹھا اس مال و زر سے جاوداں
خواہرانت را ز بخششہاے داد	ہیچ میدانی کہ آں سلطاں چہ داد
تیری بہنوں پہ ہوئی کیسی عطا	کچھ خبر ہے کیا خدا نے دے دیا
خیز بلقیسا در آ در بحرِ جود	ہر دمے بر دار بے سرمایہ سود
جود کے دریا میں آ اے بلقیس آ	اور بے سرمایہ کے پا فائدہ
خواہرانت جملہ در عیش و طرب	بر تو چوں خوش گشت ایں رنج و تعب
تیری بہنوں کو ملا عیش و طرب	کیوں گوارا ہے تجھے رنج و تعب
خیز بلقیسا سعادت یار شو	وز ہمہ ملکِ سبا بیزار شو
آ یہاں بلقیس نیک اطوار ہو	اور سبا کے ملک سے بیزار ہو
تو ز شادی چوں گدائے طبل زن	کہ منم شاہ و رئیسِ گولخن
طبل زن شادی سے ہے مثل گدا	یعنی میں گھورے کی ہوں فرماں روا
آں سگے در کو گدائے کور دید	حملہ مے آورد و دلقش میدرید
تو وہ سگ ہے جو گدائے کور پہ	حملہ ور ہوتا ہے گدڑی کھینچ کر
کور گفتش آخر آں یارانِ تو	بر کنند ایں دم شکار و صید جو
کور کہتا ہے کہ آخر تیرے یار	جنگلوں میں کرتے پھرتے ہیں شکار
قوم تو در کوہ مے گیرند گور	در میانِ کوئے میگیری تو کور
قوم تیری ہے پکڑتی گورِ خر	حملہ ور تو ہے گلی میں اندھے پر

آدمی کا دنیا اور اُس کی حرص پر قانع ہونا

گفتہ ایم ایں را و لے بارِ دگر	شد مکرر بہرِ تاکید نظر
کہہ چکے ہیں ہم و لے بارِ دگر	کہتے ہیں پھر بہرِ تاکید نظر

ترک ایں تزویر گو شیخ نفور
آب شورے جمع کردہ چند کور

چھوڑ مکاری کو اے شیخ نفور
جمع کیوں اندھے کئے اور آب شور

کایں مریداں من و من آب شور
میخورند از من ہمے گردند کور

کر دیا ہے میرے چیلے آب شور
پیوے ہے کر پیتے ہیں ہوتے ہیں کور

آب خود شیریں کن از بحر لدن
آب بد را دام ایں کوراں مکن

پانی کر بحر لدن سے خوش گوار
آب بد سے سب کو کر دے رستگار

تیز شیران خدا ہیں گورگیر
تو چو سگ چونی بزرقے گورگیر

دیکھ شیران خدا ہیں گورگیرے
مکر سے تو حیل سگ ہے گورگیر

گور چہ از صید غیر و دست خود
جملہ شیر و شیرگیر و مست خود

گو رصید غیر ہے اور اس سے دور
شیر سب ہیں شیرگیر اور مست خود

در نظارہ صید و صیادی شہ
کردہ ترک صید و مردہ وردہ

صید و صیادی شہ میں دیکھتے
صید چھوڑے سب ہیں حیرت میں پڑے

ہمچو مردہ مردہ شاں بگرفتہ یار
تا کنند و جنس ایشاں را شکار

خود ہیں مردہ ہے کیا مردوں کو یار
تا وہ اپنی جنس کو کر لیں شکار

مردہ مرغ مضطرانند وصل و بین
خواندہ قد القلب بین الاصبعین

مرغ مضطر وصل میں فرقت میں بھی
دل ہے حق کی انگلیوں میں واقعی

مرغ مردہ اش کہ بہر او شد شکار
چوں بجنبید شد شکار شہریار

مرغ مردہ کا ہوا ہے جو شکار
اصل میں وہ ہے شکار شہریار

ہر کہ او زیں مرغ مردہ سر بتافت
دست آں صیاد را ہرگز نیافت

مرغ مردہ سے جو برگشتہ ہوا
ہاتھ تھی دیکھا نہ اس صیاد کا

ے یعنی گورخر کا شکار کرنے والے۔

گوید او منگر بمُرداریٔ من	عشق شہ بیں در نگہداریٔ من
وہ یہ کہتا ہے نہ مرداری کو دیکھ	عشق شہ کو اور نگہداری کو دیکھ
من نہ مردارم مرا شہ کشتہ است	صورت من شبہ مردہ گشتہ است
میں نہیں مُردار مارا شاہ نے	ہیں نشاں مردے کے چہرے پہ مرے
جنبشم زیں پیش بود از بال و پر	جنبشم اکنوں ز دستِ داوگر
میری جنبش پہلے بال و پر سے تھی	اب خدا کے ہاتھ میں ہے واقعی
جنبش فانیم بیروں شد ز پوست	جنبش باقیست اکنوں آں ز دوست
جنبش فانی ہوں میں بیرون پوست	جنبش باقی ہے یہ اکرام دوست
ہر کہ کج جنبد بہ پیش جنبشم	گرچہ سیمرغست زارش میکشم
جو میری جنبش کے آگے کج ہوا	گو کہ تھا سیمرغ خوار اسکو کیا
ہاں مرا مردہ مبیں گر زندۂ	در کفِ شاہم نگر گر بندۂ
کہ نہ مردہ مجھ کو زندہ ہے اگر	دیکھ دست شہ میں بندہ ہے اگر
مردہ زندہ کرد عیسیٰؑ از کرم	من بکفِ خالق عیسیٰؑ درم
مُردے کو عیسیٰ نے زندہ کر دیا	خالق عیسیٰ کا ہوں دست آشنا
کے بمانم مردہ در قبضہ خدا	بر کفِ عیسیٰؑ مدار ایں ہم روا
قبضۂ حق میں رہوں مُردہ میں کیا	دستِ عیسیٰ پہ بھی مت رکھ یہ روا
عیسیمؑ لیکن ہر آنکو یافت جاں	از دمِ من او بماند جاوداں
ہوں میں عیسیٰ بخشش دونگا جس کو جان	میرے دم سے وہ رہے گا جاوداں
شد ز عیسیٰؑ زندہ لیکن باز مُرد	شاد آنکو جاں بدیں عیسیٰؑ سپرد
زندہ عیسیٰ سے ہوا پھر مر گیا	خوش وہ ۔ اس عیسیٰ کو جس نے دم دیا
من عصایم در کفِ موسائے خویش	موسیٔم پنہان و من پیدا بہ پیش
ہاتھ میں ہوں اپنے موسیٰ کے عصا	موسیٰؑ پنہاں اور میں ہوں ظاہرا

بر مسلماناں نیل دریا شوم   باز بر فرعون اژدرہا شوم
مسلموں پر میں نیل دریا بنوں   اژدہا فرعون کے حق میں رہوں

ایں عصا را اے پسر تنہا مبیں   کہ عصا بے کنِ حق نبود چنیں
اس عصا کو اے پسر تنہا نہ جان   بے کنِ حق تو اُسے ایسا نہ مان

موج طوفاں ہم عصا بُد کز درد   طنطنہ جادو پرستاں را بخورد
موج طوفاں بھی عصا تھی اے غیور   کھا گئی سب جادو پرستوں کا غرور

ہم عصا بُد باد بر اعدائے ہودؑ   کہ بر آورد از بقیۂ عاد دود
ہودؑ کے اعداء کو تھی آندھی عصا   اور قوم عاد کو تعجب دیا

ہم عصائے بود پشّہ در نبرد   کہ بر آورد از سر نمرود گرد
ایک مچھر بن گیا تھا اک عصا   جس نے سر نمرود کا ٹکڑے کیا

گر عصائے خدا را بشمرم   زرق ایں فرعونیاں ابردرم
گر عصاؤں کو خدا کے میں گنوں   مکر ان فرعونیوں کا توڑ دوں

لیک زیں شیریں گیاہ زہر مند   ترک کن تا چند روزے میچرند
ترک عیشیں گھاس زہریلی تو کر   چرنے دے کچھ دن انہیں تا جو رش

گر نباشد جاہ و فرعونی سری   از کجا یابد جہنم پروری
ہو نہ گر فرعونیت اور سروری   پھر کہاں سے ہو جہنم پروری

فربہش کن آنگہش کش اے قصاب   زانکہ بے برگند در دوزخ کلاب
اے قصائی کرکے فربہ اس کو مار   کتے دوزخ میں ہیں بھوکے بے شمار

گر نبودے خصم و دشمن در جہاں   پس بمردے خشم اندر مرداں
ہوتے دشمن گر نہ دنیا میں عیاں   غصے کا ہوتا نہ لوگوں میں نشاں

دوزخ آں خشم است و خصمی بایدش   تا زید ورنہ رحیمی بکشدش
غصہ ہی دوزخ ہے آمد و دشمنی   تا جئے ورنہ فنا ہووے رحم ہی

درجہاں گر لطف بے قہرے بُدے	پس کمالِ پادشاہی کے شُدے
لطف گر بے قہر دنیا میں رہا	تو کمال پادشاہی کیا ہوا
ریشخندی کردہ اند آں منکراں	بر مثلہا و بیانِ ذاکراں
منکروں نے تو اڑائی تھی ہنسی	ذاکروں کے ذکر اور اذکار کی
تو اگر خواہی بکن ہم ریشخند	چند خواہی زیست اے مردار چند
تو بھی گر چاہے تو اب تضحیک کر	دہر میں کب تک جئے گا تو مگر
شاد باشید اے محباں در نیاز	بر ہمیں در کایں شود امروز باز
شاد ہو جاؤ۔ اب اہلِ احتیاج	تم اسی در پر جو کھلنے کو ہے آج
ہر حبوبے باشدش کردے دگر	درمیان باغ از سیر و گزر
ہر ضرورت کی ہے اک کیاری جدا	ہے کہیں گاجر کہیں لہسن اگا
ہر یکے با جنس خود در کردِ خود	از برائے پختگی نم مے خورد
اپنی ہم جنسوں سے ہر شے بیش و کم	پختگی کے واسطے کھاتی ہے نم
تو کہ کردِ زعفرانی زعفراں	باش آمیزش مکن با ضیمراں
زعفرانی ہے تو رہ۔ تو ہے زعفران	مل نہ جا کر تازہ بو سے اے جواں
آب میخور زعفرانا تا رسی	زعفرانی اندراں حلوا رسی
اپنی ہی کیاری کا تو پانی بھی پی	تاکہ شیرینی سے ہو بہرہ وری
تو مکن در کردِ شلغم پوزِ خویش	تا نگردد با تو او ہم طبع و کیش
منھ نہ تو شلغم کی کیاری میں بنا	ہم طبیعت وہ نہ ہو جب تک ترا
تو بکردے او بکردے مودعہ	زانکہ ارض اللہ آمد واسعہ
تو ہے اپنی جا، تو وہ ہے اپنی جا	کیونکہ ہے ارض بڑا ملکِ خدا

خاصہ آں ارضے کہ از پہناوری در سفر گم میشود دیو و پری
اُس زمیں کی خاص کر وسعت بڑی جس میں ہیں بھول جاتے ہی گم دیو و پری
اندراں بحر و بیابان و جبال منقطع میگردد اوہام و خیال
ایسے دریا ایسے دشت ایسے جبال گم ہیں ہو جائیں جہاں وہم و خیال
ایں بیاباں در بیابانہائے او ہمچو اندر بحر بیحد یک تار مو
ہے یہ اس صحرا کا اس صحرا میں حال جو بھرے دریا میں جیسے ایک بال
آب استادہ کہ سیر منبعش نہاں تازہ تر خوشتر ز جوہائے رواں
ہے کھڑا پانی رہے سیر اس کی نہاں تازہ و خوشتر بہ نسبت نہر رواں
کز درون خویش چوں جان رواں سیر پنہاں دارد و پائے رواں
ہمت باطن سے اپنی مثل جاں سیر پوشیدہ رکھے پاؤں رواں
مستمع خفتہ است کوتہ کن خطاب اے خطیب ایں نقش را کم کن بر آب
سننے والا سو رہا ہے مت پکار اے خطیب اب نقش پانی پہ نہ مار

حضرت سلیمانؑ اور بلقیسؓ

خیز بلقیسا کہ بازاریست تیز از خسیسان کساد افگن گریز
جلد آ بلقیسؓ ہے بازار تیز ان خسیسوں سے مناسب ہے گریز
خیز بلقیسا کنوں با اختیار پیش ازانکہ مرگ آرد گیر و دار
آ کہ ہے اس وقت ملک با اختیار پیشتر اس سے کہ آئے موت یار
خیز بلقیسا بیا پیش از اجل ور نگر شاہی و ملک بے خلل
جلد اٹھ بلقیسؓ آ پیش از اجل دیکھ یہ شاہی ہے ملک بے خلل
خیز بلقیسا بچارہ خود مناز اندریں درگہ نیاز آور نہ ناز
گر نہ اے بلقیسؓ اس دولت پہ ناز مصلحت اس بارگہ میں ہے نیاز

خیز بلقیسا وستہ با قضا	ورنہ مرگ آید کشد گوش ترا
لڑ اجل سے یوں نہ اے بلقیس ہاں	لائے گی ورنہ پکڑ کر موت کان
بعد ازاں گوشت کشد مرگ آنچناں	کہ چو دزدے آئی بشحنہ موکناں
کان یوں پکڑے گی مرگ جاں شناس	مثل دزد آئے گی تو شحنہ کے پاس
زیں خراں تا چند باشی نعل دزد	گر ہمے دزدی بیا و لعل دزد
نعل خر سے کیوں چرائے تو بھلا	چوری کرنی ہے تو لعل آ کر چرا
خواہرانت یافتہ ملک خلود	تو گرفتہ ملکت کور و کبود
تیری بہنوں کا ہے دائم اقتدار	تو نے کی اندھی حکومت اختیار
اے خنک آں کز ایں ملکت بجست	کہ اجل ایں ملک را ویراں کنست
ہے مبارک نکلا جو اس ملک سے	ہیں اجل اس ملک کو ویراں کرے
خیز بلقیسا بیا بارے ببیں	ملکت شاہان و سلطاناں دیں
آ تو اب بلقیس یہ شاہی بھی دیکھ	مملکت شاہانِ ملت کو بھی دیکھ
شستہ در باطن میان بوستاں	ظاہرا خارے میان دوستاں
فی الحقیقت ساکن گلزار ہیں	دوستوں میں وہ بظاہر خار ہیں
بوستاں با او رواں ہر جا رود	لیک آں از خلق پنہاں میشود
ساتھ ہیں ان کے ہر اک جا بوستاں	دیدۂ خلقت سے لیکن ہیں نہاں
میوہا لابہ کناں کز من بخور	آب حیواں آمدہ کز من بجور
میوے کہتے ہیں غذا ہم کو کرو	آب حیواں کہتا ہے مجھ کو پیو
طوف میکن بر فلک بے پر و بال	ہمچو خورشید و چو بدر و چوں ہلال
آ طواف چرخ کر بے پر و بال	مثل مہر و بدر اور مثل ہلال
چوں رواں باشی رواں پائے نہ	میخوری صد لوت و لقمہ خائے نہ
جب رواں ہو جو رواں بے پاؤں کے	جب غذا کھائے تو بے لقمہ کے

نے نہنگِ غم زند بر کشتیت ۔ نے پدید آید ز گردون زشتیت
حملہ ور ہوگا نہ کشتی پر مگر[۱] ۔ اور نہ ہوگی موت سے حالت بتر

ہم تو شاہ و ہم تو لشکر ہم تو تخت ۔ ہم تو نیکو بخت باشی ہم تو بخت
تو ہی لشکر تو ہی سلطاں تو ہی تخت ۔ تو ہی نیکو بخت ہو اور تو ہی بخت

گر تو نیکو بختی و سلطان زفت ۔ بخت غیرِ تست تو نے بخت رفت
خوش نصیب آخر تو سلطاں ہے تو کیا ۔ بخت بیگانہ ہے تو اک دن گیا

تو بمانی چوں گدائے بے نوا ۔ دولتِ خود ہم تو باش اے مجتبیٰ
تو رہے مثلِ گدائے بے نوا ۔ اپنی دولت آپ ہی اے باوفا

چوں تو باشی بختِ خود اے معنوی ۔ پس تو کہ بختی ز خود کے گم شوی
جب بنے گا بخت اپنا آپ ہی ۔ پھر نہ اپنے آپ سے گم ہو کبھی

تو ز خود کے گم شوی اے خوش خصال ۔ چونکہ عین تو ترا شد ملک و مال
خود تو کب گم ہو سکے اے خوش خصال ۔ جبکہ تیری ذات ہوگی ملک و مال

حضرت سلیمانؑ کا مسجدِ اقصیٰ کو تعمیر کرنا

بعد ازاں آمد ندا از پیشِ تخت ۔ بر سلیمانؑ اے نبیؑ نیک بخت
بعد ازاں آئی ندا اک پیشِ تخت ۔ اے سلیمانؑ اے نبیؑ نیک بخت

کاے سلیمانؑ مسجدِ اقصیٰ بساز ۔ لشکرِ بلقیس آمد در نماز
اے سلیمانؑ مسجدِ اقصیٰ بنا ۔ لشکرِ بلقیسؓ ہے سجدہ نما

چونکہ او بنیاد آں مسجد نہاد ۔ جنّ و انس آمد بدال را کار داد
جس گھڑی بنیاد مسجد کی رکھی ۔ کام کرنے آئے جنّ و انس بھی

---

[۱] مگر مچھ:

یک گروہ از عشق و قومے بیمراد
ہمچنانکہ در رہِ طاعت جہاد
اک جماعت شوقِ حق سے، اک بے مراد
جس طرح بندے کریں خالق کو یاد

خلق دیوانند و شہوت سلسلہ
میکشدشاں سوئے دُکان و غلہ
خلق دیو، اور شہوت اک زنجیرِ پا
کھینچتی ہے جانب حرص و غذا

ہست ایں زنجیر از خوف و ولہ
تو مبیں ایں خلق را بے سلسلہ
پاؤں میں زنجیر ہے یہ خوف سے
دیکھ مت خلقت کو بے زنجیر کے

میکشاندشاں سوئے کشت و شکار
میکشدشاں سوئے کانہا و بحار
کھیت تک کھینچے وہ یا بہر شکار
کانوں اور دریا پہ کھینچے بار بار

میکشاندشاں بسوئے نیک و بد
گفت حق فی جیدہا حبل المسد
کھینچتی ہے اُن کو سوئے نیک و بد
قولِ حق، فی جیدہا حبل المسد

قَدْ جَعَلْنَا الْحَبْلَ فِی اَعْنَاقِہِمْ
وَاتَّخَذْنَا الْحَبْلَ مِنْ اَخْلَاقِہِمْ
گردنوں میں ان کی رسی ڈالدی
عادتوں سے ان کی بٹی رسی تھی

لیس من مستقذر مستنقذ
قط الا طائرہ فی عنقہ
کب ہے کوئی پُر خطا و بے خطا
ہو نہ طائر جس کی گردن میں پڑا

نیستند ایں خلق بے بندِ گراں
ہست آں بند و کمند آں خوفشاں
کب ہے یہ مخلوق بے بندِ گراں
بند اُن کا خوف ہی ہے بے گماں

حرصِ تو در کارِ بد چوں آتش است
اخگر از رنگِ خوش آتش خوش است
حرص کارِ بد میں ہے آتش نہاد
رنگ سے آتش کے چنگاری ہے شاد

۱؎ یعنی ہر تن شوق ہے۔ ۲؎ یہاں سے مولانا علیہ الرحمۃ کے اقوال ہیں۔
۳؎ قولہٗ تعالیٰ عزّ و جل۔ فی جیدہا حبل من مسد۔ یعنی اُن کے گلوں میں کھجور کی رسی پڑی ہوئی ہے۔ ۴؎ یعنی طائرہ اعمال۔

آں سوادِ فحم در آتش نہاں چونکہ آتش شد سیاہی شد عیاں
کوئلہ کا رنگ آتش میں نہاں جب بجھی آتش سیاہی تھی عیاں
اخگر از حرص تو شد فحم سیاہ حرص چوں شد ماند آں فحم تباہ
حرص سے اخگر ہے انگارہ سیاہ حرص گزری کوئلہ پھر ہے تباہ
آں زماں کہ فحم اخگر مے نمود آں ز حسن کارِ نارِ حرص بود
جب نظر آتا تھا اخگر کوئلہ تھا کرشمہ حرص کی وہ آگ کا
حرص کارت را بیارائیدہ بود حرص رفت و ماند کارِ تو کبود
کام تھا یہ حرص سے سنورا ہوا حرص چل دی، کام ویراں ہو گیا
غورہا را کہ بیارائید غول پختہ پندارد کسے کو ہست گول
کچے انگوروں کو سینچا غول نے پختہ سمجھا احمق بھول نے
آزمائش چوں نماید جانِ او کند گردد ز آزموں دندانِ او
ممدوح نے جب امتحاں ان کا کیا دانت کھٹے ہو گئے سب برملا
از ہوس آں دام دانہ مے نمود عکسِ غول حرص آں خود دام بود
دام آیا حرص سے دانہ نظر عکس غول حرص کا تھا دام یہ
حرص اندر کارِ دیں و خیر جو چوں نماند حرص ماند نغز رو
حرص کر دین اور کارِ خیر کی حرص رخصت ہو تو ہے باقی خوشی
خیرہا نغز ند نے از عکسِ غیر تاب حرص ار رفت ماند تاب خیر
خیر کی خوبی میں کب ہے عکسِ غیر حرص مٹ کر بھی رہے گی تابِ خیر
تابِ حرص از کارِ دنیا چوں برفت فحم باشد ماندہ از اخگر بہ تفت
کارِ دنیا سے جو تاب حرص جائے مٹ کے اخگر کوئلہ کا رنگ پائے
کودکاں را حرص مے آرد غرار تا شوند از ذوقِ دل دامن سوار
حرص دھوکا دیتی ہے بچوں کو یار تا ہوں ذوقِ دل سے وہ دامن سوار

چوں ز کودک رفت آں حرص بدش　　بر دگر اطفال خندہ آیدش
حرص بد بچے کی جس دم ہو فنا　　دوسرے بچوں پہ ہنستا ہے بجا
کہ چہ میکردم چہ میدیدم دریں　　تلخ ز عکس حرص چوں بود انگبیں
کہتا ہے کیا تھا وہ فعل عشرتیں　　زہر کہ عکس حرص سے تھا انگبیں
آں بنائے انبیا بے حرص بود　　لاجرم پیوستہ رونقہا فزود
انبیاء کی ہر بنا بے حرص تھی　　رونقیں اُن سے بڑھ گئیں دائمی
اے بسا مسجد برآوردہ کرام　　لیک نبود مسجد اقصاش نام
مسجدیں لوگوں نے بنوائیں تمام　　مسجد اقصیٰ نہیں ہے اُن کا نام
کعبہ را کش ہر زماں عزے فزود　　آں ز اخلاصاتِ ابراہیمؑ بود
کعبہ جس کا شوق ہر لحظہ بڑھے　　وہ تھا اخلاصاتِ ابراہیمؑ سے
فضل آں مسجد ز خاک و سنگ نیست　　لیک در بناش حرص و جنگ نیست
وقر مسجد خاک پتھر سے نہیں　　حرص و جنگ اس کی بناءٔ تھیں نہ تھیں
نے کتبِ شاں چوں کتابِ دیگراں　　نے مساجد شاں نہ کسب و خان و ماں
دوسروں کی سی کتب اُن کی نہ تھیں　　مسجدیں اور کسب اور گھر بھی نہیں
نے ادبشاں نے غضبشاں نے نکال　　نے نعاس و نے قیاس و نے خیال
وہ ادب اور وہ غضب اور وہ عذاب　　تھے الگ سارے قیاس و فہم و خواب
ہر یکے را دادہ حق در مرتبت　　صد ہزاراں حشمت و صد مکرمت
مرتبے میں سب کو خالق نے دیا　　حشمت و اکرام اوروں سے سوا
ہر یکے شاں را یکے فرِّ دگر　　مرغِ جانِ شاں طائر از پرِّ دگر
اُن میں ہر اک کا نرالا تھا دبدبا　　طائرِ جاں کو ملا تھا پر نیا
دل ہمے لرزد ز ذکرِ حالِ شاں　　قبلۂ افعالِ ما افعالِ شاں
دل لرز جاتا ہے اُن کے ذکر سے　　فعل اُن کے اپنے فعلوں سے بڑے

مرغ شاں را بیضہ ہا زریں بدست
نیم شب جان شاں سحر گہ بیں شدست

مرغ ان کے دیتے تھے بیضائے زر
نصف شب کو دیکھ لیتے تھے سحر

ہر چہ گویم من بجاں نیکوئے قوم
نقص گفتم گشتہ تا ناقص گوئے قوم

وصف جو کچھ میں کروں ان کا بیاں
نقص رہ جائے گا اس میں بے گماں

مسجد اقصیٰ بسازید اے کرام
کہ سلیمانؑ باز آمد والسلام

مسجد اقصیٰ بنا اے قوم اکرام
پھر سلیماں آ رہے ہیں والسلام

ور ازیں دیوان و پریاں سرکشند
جملہ را اطلاق در چنبر کشند

گر کریں کچھ سرکشی دیو و پری
ان کو جکڑیں جوں شکنجوں میں ابھی

دیو یکدم کج رود از مکر و زرق
تازیانہ آیدش بر سر چو برق

مکر کر کے دیو اگر ٹیڑھا چلے
سر پہ کوڑا مثل بجلی کے لگے

چوں سلیمانؑ شو کہ تا دیوان تو
سنگ برند از پے ایوان تو

بن سلیمان تاکہ جمگھٹ دیو کے
ڈھوئیں پتھر تیرے ایواں کے لئے

چوں سلیمان باش بے وسواس و ریو
تا کند فرمان برو جنّے و دیو

بن سلیمان چھوڑ مکر و وسوسے
دیو اور جن تا ہوں قبضے میں ترے

خاتم تو ایں دلست و ہوش دار
تا نگردد دیو را خاتم شکار

یہ ترا دل ہے انگوٹھی ہوشیار
ہو نہ جائے دیو کی اک دن شکار

پس سلیمانی کند بر تو مدام
دیو با خاتم حذر کن والسلام

پھر سلیمانی کرے تجھ پہ مدام
دیو خاتم سے حذر کر والسلام

آں سلیمانی دلا منسوخ نیست
در سر و سرت سلیمانی کنیست

وہ سلیمانی نہیں منسوخ ابھی
ہے سر و سر میں سلیمانی وہی

دیو ہم وقتے سلیمانی کند
لیک ہر جولاہہ اطلس کے تند

ہو سلیمانؑ دیو بھی اک وقت پہ
ہر جلاہا کب بنے اطلس مگر

دست جنباند چو دست او و لیک　　درمیان ہر دوشاں فرقیست نیک
ہاتھ اس کے ہاتھ کی صورت ہلائے　　پر تو اُن دونوں میں بیحد فرق پائے
درمیان ایں حدیث معنوی　　یک حکایت بشنو اندر مثنوی
اس حدیث معنوی کے ضمن میں　　مثنوی کی یہ حکایت بھی سنیں

ایک شاعر کا قصہ

شاعرے آورد شعرے پیش شاہ　　بر امید خلعت و اکرام و جاہ
ایک شاعر شعر لایا پیش شاہ　　تھی امید خلعت و اکرام و جاہ
شاہ مکرم بود فرمودش ہزار　　از زر سرخ و کرامات و نثار
شہ سخی تھا اشرفی دیدی ہزار　　اور دیا انعام اس کو بے شمار
پس وزیرش گفت کایں اندک بود　　دہ ہزارش ہدیہ دہ تا وا رود
پس وزیر آیا۔ کہا یہ کم رہے　　دس ہزار اب اس کو دینا چاہیے
از چنو شاعر پس از تو بحر دست　　دہ ہزارے ہم کہ گفتم اندک است
ایسا شاعر تجھ سا اک بحر کرم　　دس ہزار اب بھی کہے ہیں میں نے کم
قصہ گفت آں شاہ را و فلسفہ　　تا بہ آمد عشر خرمن از کفہ
کچھ سنایا فلسفہ۔ قصے کہے　　دس گنا غلہ نکالا یاں سے
دہ ہزارش داد و خلعت درخورش　　خانۂ فکر و ثنا گشت آں سرش
دس ہزار دستار اور عمدہ اک خلعت دیا　　اُس کا سر شکر و ثنا سے بھر گیا
پس تفحص کرد کایں سعی کہ بود　　شاہ را اہلیت من کہ نمود
اس نے ڈھونڈا کس نے کی تھی یہ سعی　　شاہ کو دکھلائی اہلیت مری
پس بگفتندش کہ حسن الدین وزیر　　آں حسن نام و حسن خلق و ضمیر
پس کہا لوگوں نے ہے سعی وزیر　　ہے حسن نام اور حسن خلق و ضمیر

ور ثنائے وے یکے شعرِ دراز بر نوشت و سوئے خانہ رفت باز
شعر کچھ اس کے لئے اس نے لکھے اور اپنے گھر سدھارا شوق سے

بے زبان و لب ہماں نعمائے شاہ مدح شد میگفت خلعتہائے شاہ
بے زباں و لب سخاوت شاہ کی مدح خواں تھی اور خلعت شاہ کی

چند سال کے بعد شاعر کا پھر آنا

بعد سالے چند بہر رزق و کشت شاعر از فقر و عوز محتاج گشت
کچھ برس کے بعد طالب رزق کا فقر کا مارا وہ شاعر پھر ہوا

گفت وقت فقر و تنگی دو دست جستجوئے آزمودہ بہتر است
بولا وقت فقر و تنگی مو بمو آزمودہ کی ہے بہتر جستجو

درگہی را کآزمودم از کرم حاجت نو را ہماں جانب برم
آزمایا لطف جس درگاہ کا حاجت نو بھی اُدھر لے جاؤں گا

معنیِ اللہ گفت آں سیبویہ یولہون فی الحوائج ہم لدیہ
سیبویہ[1] اللہ کے یہ معنے کہے وقت حاجت[2] رو چکی اس کے سامنے

گفت الہنا فی حوائجنا الیک والتمسناہا وجدناہا الیک
اور کہا جب وقت حاجت کی پکا اور ڈھونڈا ہم نے اس کو پا لیا

صد ہزاراں عاقل اندر وقت درد جملہ نالاں پیش آں دیان فرد
لاکھوں عاقل جبکہ ہوں تکلیف میں رو میں، یاد اللہ کو اپنے کریں

ہیچ دیوانہ فلیوسے آں کند بر بخیلے عاجزے کدیہ تند
ہو گا ایسا وہ دیوانہ کوئی جو کرے عاجز سے دریوزہ گری

---

[1] علم نحو کے بڑے عالم و فاضل امام گذرے ہیں ۔

[2] اپنی حاجتوں کے وقت بندے اس کے سامنے زاری کرتے ہیں ۔

گر ندیدندے ہزاراں بار بیش
عاقلاں کے جاں کشیدندش بہ پیش
پہلے لاکھوں بار جا بجا ہے آئے
ورنہ عاقل جان دیتے کس لئے

بلکہ جملہ ماہیاں در موجہا
جملۂ پرندگاں بر اوجہا
بلکہ موجوں میں ہیں جتنی مچھلیاں
جو پرندے ہیں فضاؤں میں نہاں

بلکہ جملہ موجہا بازی کناں
ذوق شوقش راعناں اندر عناں
بلکہ ہیں موجیں بھی سب بازی کناں
ذوق میں اس کے عناں اندر عناں

پیل و گرگ و شیر و اشکار نیز
اژدہائے زفت و مور و مار نیز
بھیڑیا اور شیر ہاتھی اور شکار
اژدہا یہ خوف اور سب مور و مار

بلکہ خاک و آب و باد و ہم شرار
مایہ زو یابند ہم دی ہم بہار
خاک پانی اور ہوا اور یہ شرار
سب خزاں پاتے ہیں اس سے اور بہار

ہر دمش لابہ کند ایں آسماں
کہ فرو مگذارم اے حق یکزماں
کرتا ہے اس کی خوشامد آسماں
چھوڑنا یارب نہ مجھ کو ناگہاں

استن من عصمت و حفظ تو است
جملہ مطوی بیمین آمد و دست
ہے ستوں میرا، حفاظت میں تری
ہاتھ میں لپٹے ہیں تیرے ہم سبھی

وین زمین گوید کہ دارم بر قرار
ایکہ بر آبم تو کردی استوار
اور زمیں کہتی ہے رکھنا برقرار
مجھ کو پانی پہ کیا ہے استوار

جملگاں کیسہ ازو بردوختند
دادن حاجت ازو آموختند
سب نے کیسہ لطف سے اس کے سیا
اس نے سکھایا کرنا حاجت کا روا

ہر نبی زو بر آوردہ برات
استعینوا منہ صبراً و الصلوٰۃ[۲]
ہر نبی نے اس سے حاصل کی برات[۱]
تم مدد لو اس سے با صبر و صلوٰۃ

---

[۱] حقیر۔ معجزہ۔

[۲] اسْتَعِینُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃ۔ صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ سے مدد چاہو۔

ہیں ازو خواہید نے از غیر او   آب در یم جو مجو از خشک جو
اسی سے مانگو ہاں نہ مانگو غیر سے   پانی لے دریا سے نہریں چھوڑ دے
ور بجوابی از دگر ہم او دہد   برکفِ میلش سخا ہم او نہد
دوسرے سے بھی جو مانگے دے وہی   ہاتھ کو میل سخاوت اُس نے دی
آنکہ معرض را ز زر قاروں کند   رو بدو آری بطاعت چوں کند
معترض کو دیکھے زر قاروں کیا   گر کرے طاعت تو دے کتنا بھلو
بار دیگر شاعر از سودائے دلو   رو بسوئے آں شہ محسن نہاو
شاعر آیا داد کی اُمید پہ   اپنے محسن کی طرف پھر لوٹ کر
ہدیۂ شاعر چہ باشد شعر نو   پیش محسن آرد و بنہد گرو
ہدیہ شاعر کے کیا اشعار نو   پیش محسن لا کے رکھتا ہے گرو
محسناں باصد عطا و جود و بِر   زر نہادہ شاعراں را منتظر
سو عطا و جود سے محسن تمام   شاعروں کے منتظر ہیں و کلام
پیش شاں شعرے بہ از یک تنگ شعر   خاصہ شاعر کو گہر آرد ز قعر
شعر اچھیں ریشم سے ہیں محبوب تر   خاص کر شاعر ہو دے جو گہر
آدمی اوّل حریص ناں بود   زانکہ قوتِ ناں ستونِ جاں بود
آدمی اوّل حریص ناں ہوا   روٹی کھانا ہی ستون جاں ہوا
سوئے کسب و سوئے غصب و صد حیل   جاں نہادہ بر کفِ از حرص و اَمل
کسب و غصب اور سو طرح حیلہ کرے   حرص سے جاں کو ہتھیلی پہ دھرے
چوں بنادر گشت مستغنی ز ناں   عاشقِ نام است و مدحِ شاعراں
جب کبھی روٹی سے مستغنی ہوا   شاعروں کی مدح پہ مرنے لگا
تاکہ اصل و فصل او را بر دہند   در بیانِ فضلِ او منبر نہند
تاکہ اصل و نسل کی تحسین کریں   کرنے کو تعریف منبر پہ چڑھیں

تاکہ کرّ و فرّ زر بخشی او
ہمچو عنبر بو دہد در گفتگو

تاکہ شانِ جود اس کی بے گماں
گفتگو میں مثلِ عنبر ہوں عیاں

خلق ما بر صورتِ خود کرد حق
وصفِ ما از وصفِ او گیرد سبق

رب کی صورت پہ ہے مخلوقِ جہاں
ہیں ہمارے وصف اس کی خوبیاں

چونکہ آں خلاقِ شکر و حمد جوست
آدمی را مدح جوئی نیز خوست

وہ ہے خالق شکر کا اور حمد جوُ
مدح جوئی بھی ہے انسانوں کی خو

خاصہ مردِ حق کہ در فضل است چست
پُر شود زاں باد چوں مشکِ درست

خاصکر وہ جو ہے فضلِ حق سے چست
اس ہوا سے مشک بنکر ہے درست

ور نباشد اہل زاں بادِ دروغ
خیک بدریداست کے گیرد فروغ

گر نہ ہو وہ اہل تو بادِ دروغ
پھاڑ ڈالے مشک. کب پائے فروغ

ایں مثل از خود نہ گفتم اے رفیق
سرسری مشنو چو اہلی و مفیق

یہ مثل خود ساختہ کب ہے نگار!
سرسری مت سُن اگر ہے ہوشیار

ایں پیمبرؐ گفت چوں بشنید قدح
کہ چرا فربہ شود احمدؐ بمدح

ہجو سنکر اپنی احمدؐ نے کہا
مدح سے فربہ میں کیوں ہونے لگا

رفت شاعر سوئے آں شاہ و بُرد
شعر اندر شکرِ احساں کاں نمرد

پیشِ حضرتؒ شعر شاعر لے گیا
شکرِ احساں میں نہیں جس کو فنا

محسناں مردند و احسانہا بماند
اے خنک آں را کہ ایں مرکب براند

مرگئے محسن اور احساں رہ گئے
ہے مبارک جس نے یہ احساں کئے

ظالماں مردند و ماند آں ظلمہا
وائے جانے کو کند مکر و دغا

مرگئے ظالم ، رہی باقی جفا
وائے اس پہ جو کرے مکر و دغا

گفت پیغمبرؐ خنک آں را کہ او
شد ز دنیا ماند ازو فعلِ نکو

کہتے ہیں حضرتؐ مبارک ہے وہی
جس کی نیکی مرکے بھی باقی رہی

نام نیک اوز فعل نیک داں   لیس فرد است و یقیں بنگر عیاں
نیک نامی جان فعل نیک سے   اور یقیناً زندہ ہے وہ دیکھ لے
مرد محسن نیک احسانش نہ مرد   نزد یزداں دین احساں نیست خرد
مر گیا محسن، مرا احساں نہیں   پیش حق، افضل ہے احسان اور دیں
وائے آنکو مرد و عصیانش نمرد   تا نہ پنداری بمرگ او جاں ببرد
ہائے! عصیاں جس کا زندہ - خود مرا   مر کے وہ کب جاں بچا کر لے گیا
ایں رہا کن زانکہ شاعر بر گذر   وام دار است و قوی محتاج زر
چھوڑ اس کو کیونکہ شاعر اب ادھر   ہے بہت مقروض اور محتاج زر

شاعر کا بادشاہ کے پاس شعر لے جانا

برد شاعر شعر سوئے شہریار   بر امید بخشش و احسان پار
لایا شاعر شعر پیش شہریار   بخشش و احساں کا تھا امیدوار
نازنیں شعرے پر از در درست   بر امید و بوئے اکرام نخست
آبدار اشعار مانند گوہر   پہلے سے انعام کی امید پر
بازشہ بر خوئے خود گفتش ہزار   چوں چنیں بد عادت آں شہریار
عادتاً دی اشرفی شہ نے ہزار   تھی یہی از بسکہ خوئے شہریار
لیک ایں بار آں وزیر پر ز جود   بر براق عز ز دنیا رفتہ بود
جو وزیر باعطا سابق میں تھا   چھوڑ کر دنیا کو اب تھا چل بسا
بر مقامش او وزیر نو رئیس   گشتہ لیکن سخت بے رحم و خسیس
جانشیں اس کا نیا تھا اک رئیس   تھا جو بے رحم اور بہت ہی تھا خسیس
گفت اے شہ خرجہا داریم ما   شاعرے را نبود ایں بخشش سزا
بولا اے شہ خرچ اپنا ہے بڑا   مستحق شاعر نہیں اس جود کا

من بہ ہر یک عشر آں اے محتشم	ہر دو شاعر را خوش و راضی کنم
دس کی میں جو نقاقؑ پہ باصد خوشی	راضی اس شاعر کو کروں گا ابھی
خلق گفتندش کہ او از پیش ستدست	دہ ہزار اے زیں گدا و ربودہ است
لوگوں نے اس سے کہا ہے پہلی بار	لے گیا ہے بادشہ سے دس ہزار
بعد شکر کلک خائی چوں کند	بعد سلطانی گدائی چوں کند
کھا کے شکر کس طرح نرسل چبائے	کر کے سلطانی گدائی کیسے پائے
گفت بفشارم ورا اندر فشار	تا شود زار و نزار از انتظار
بولا میں دوں گا اسے ایسا فشار	ہوگا وہ مجبور کر کے انتظار
آنکہ از خاکش دہم از راہ من	ور رباید ہمچو گلبرگ از چمن
پھر اٹھا کر خاک اگر دوں گا اسے	مثل گل لے جائیگا وہ باغ سے
ایں ہمہ بگذار کاستادم و دیں	گر تقاضا گر بود ہم آتشیں
چھوڑیے مجھ پہ ہوں پرفن بالیقیں	گر تقاضا گر ہو پیدا آتشیں
از ثریا گر بپرد تا ثری !	نرم گردد چوں بہ بیند او مرا
وہ ثریا سے اڑے گر تا ثری	نرم ہو گر دیکھے گا مجھ کو ذرا !
گفت سلطانش برو فرماں تراست	لیک شادش کن کہ نیکو گوئے ماست
شاہ بولا۔ دی اجازت تجھ کو جا	خوش مگر کر دے کہ ہے مدحت سرا
گفت او را دو صد امید لیس !	تو بمن بگذار و آں بر من نویس
بولا اس کو دو حریفیں ایسے تمام	سونپ مجھ کو اور لکھوا لے میرے نام
جنس او و ہیچو او سی صد ہزار	تو رہا کن با من و با من گذار
اس کے ہم جنس ایسے لاکھوں لا کلام	چھوڑ مجھ پہ میں کروں گا انتظام
پس فگندش صاحب اندر انتظار	شد زمستان و دی و آمد بہار
کر دیا اس کو شکار انتظار !	گذرے جاڑے اور خزاں آئی بہار

شاعرش چندانکہ حاجت مینمود
صاحبش در وعدہ حیلہ مے فزود
جس قدر کرتا تھا شاعر التجا !
اتنے ہی کرتا تھا وہ وعدے سوا

تاکہ اندر انتظارش پیر شد
پس زبون ایں غم و تدبیر شد
رہتے رہتے منتظر بوڑھا ہوا
اس غم و تدبیر سے وہ تھک گیا

گفت اگر زر نہ کہ دشنامم دہی
تا رہد جانم ترا باشم رہی
بولا زر دیتا نہیں دشنام دے
تا بچے جاں - یہ ترا بندہ رہے

انتظارم کشت بارے گو برو
تا رہد ایں جان مسکیں از گرو
منتظر کب تک رہوں کہدے کہ جا
تا رہائی پائے جاں مبتلا !

بعد ازانش داد ربع عشر آں
ماند شاعر اندر اندیشہ گراں
اس کی جو تھائی جو پائی بعد ازاں
فکر سے شاعر ہوا وہ سر گراں

کو چناں نقد و چناں بسیار بود
دیر کرد آں شگفتہ دستہ خار بود
گرچہ یہ نقد و زر بسیار تھا
دیر میں کھلنے سے یہ گل خار تھا

پس بگفتندش کہ آں دستور راد
رفت از دنیا خدا مزدش دہاد
پس کہا لوگوں نے وہ بھلا وزیر
چل بسا بخشے اُسے رب قدیر

کہ مضاعف زو ہمے گشتے عطا
کم ہمے افتاد در بخشش خطا
جس سے ہو جاتی تھی دگنی ہر عطا
اور کم ہوتی تھی بخشش میں خطا

ایں زماں او رفت و احساں را ببرد
او ببرد الحق و لے احساں نمرد
وہ گیا اور رسم احساں لے گیا
وہ مرا احساں مگر زندہ رہا

رفت از ما صاحب راد و رشید
صاحب سلاخ درویشاں رسید
ہو گیا رخصت جوانمرد رشید
یہ ملا دشمن فقیروں کا پلید

رو بگیر ایں را و زینجا شب گریز
تا نگیرد با تو ایں صاحب ستیز
دے جو کچھ لے اور چل دے رات کو
تا تیرے ساتھ اس کا کچھ جھگڑا نہ ہو

ما بصد حیلہ ازو ایں ہدیہ را بستدیم اے بے خبر با جہد ہا
ہم نے سو حیلوں سے یہ ہدیہ لیا کوششیں کر کر کے ہے حاصل کیا

رُو بایشاں کرد و گفت اے مشفقاں از کجا آمد بگوئید ایں عوان
اُن سے شاعر نے کہا۔ اے دوستو یہ یہاں آیا کہاں سے ہے کہو

چیست نام ایں وزیر جامہ کن قوم گفتندش کہ نامش ہم حسن
ہے وزیر راہ زن کا نام کیا نام اس کا ہے حسن سب نے کہا

گفت یارب نام آن و نام ایں چوں یکے آمد دریغ اے ربِّ دیں
بولا یارب ایک ہے دونوں کا نام ہے تعجب سخت مجھ کو لا کلام

آں حسن نامی کہ از یک کلکِ اُو صد وزیر و صاحب آمد جود جو
اک حسن وہ تھا کہ اس کے کلک سے سینکڑوں محتاج صاحب زر ہوئے

ایں حسن کز ریش زشتِ ایں حسن میتواں بافید اے جاں صد رسن
اک حسن یہ ہے کہ اس کی ریش سے سینکڑوں رسّی بنانی چاہیئے

بر چنیں صاحب چو شہ اصغا کند شاہ و ملکش را ابد رُسوا کند
ایسے صاحب کا جو شہ کہنا سنے ملک و مالک تا ابد رُسوا رہے

اس وزیر کی فرعون سے مُشابہت

چند آں فرعون میشد نرم و رام چوں شنیدے او ز موسیٰؑ آں کلام
ہوتا تھا فرعون کتنا نرم و رام جبکہ سنتا تھا وہ موسیٰ کا کلام

آں کلامے کہ بدادے سنگ شیر از خوشیِ آں کلامِ بے نظیر
دودھ پتھر سے نکالے جو کلام بے نظیر اور لاجواب و خوش نظام

چوں بہاماں کہ وزیرش بُود او مشورت کردے کہ کینش بُود خو
جب وہ ہاماں سے، کہ تھا اس کا وزیر مشورہ کرتا۔ تو کہتا وہ شریر

پس بگفتے تاکنوں بودی خدیو   بندہ گردی ژندہ پوشے را بریو
شاہ تھا فرعون اب تک تیرا نام   اب ہے گدڑی والے کا بنتا غلام
ہمچو سنگ منجنیقے آمدے   آں سخن بر شیشہ خانہ او زدے
بات یہ گوپھن کے پتھر کی مثال   شکستہ دل پہ تھی لگتی۔ تھا یہ حال
ہر چہ صد روز آں کلیمؑ خوش خطاب   ساختے دریکدم او کردے خراب
سو دنوں تک وہ کلیمؑ خوش خطاب   جو بناتے، ہوتا دم بھر میں خراب
عقل تو مغلوبِ دستورِ ہواست   در وجودت رہزنِ راہِ خداست
عقل جو تیری ہے مغلوبِ ہوا   جسم میں ہے رہزنِ راہِ خدا
ناصحے ربانیے پندت دہد   آں سخن را او بفن طرحے نہد
گر تجھے کوئی نبی بھی پند دے   یہ ہوا سو مکر سے ٹالے اسے
کایں نہ بر جا ایست ہیں از جا مشو   نیست چنداں با خود آ شیدا مشو
اں یہ بے موقع ہے تو دھوکا نہ کھا   کچھ نہیں بس ہوش کر آپے میں آ
وائے آں شہ کہ وزیرش ایں بود   جائے ہر دو دوزخ پر کیں بود
وائے وہ شہ ایسا جس کا ہو وزیر   دونوں یہ دوزخ میں ہونگے جائے گیر
شاد آں شاہے کہ او را دستگیر   باشد اندر کار چوں آصف وزیر
ہے مبارک شاہ جس کا دستگیر   کارِ شاہی میں ہو آصف سا وزیر
شاہ عادل چوں قرینِ او شود   معنیٔ "نورٌ علیٰ نور" ایں بود
شاہ عادل جب قریب آ کے ہوا   ہو گیا "نورٌ علیٰ نورٌ" نے ثنا
چوں سلیمانؑ شاہ و چوں آصف وزیر   نور بر نور است عنبر بر عبیر
چوں سلیمانؑ شاہ آصف سا وزیر   نور پہ ہے نور۔ عنبر پہ عبیر
شاہ فرعون و چو ہامانش وزیر   ہر دو را نبود زبد بختی گزیر
شاہ فرعونی، اور ہاماں سا وزیر   دونوں کو ہے بد نصیبی ناگزیر

پس بود ظلمات بعض فوق بعض
نے خرد یار و نہ دولت روز عرض
ہے یہی تاریک سے تاریک تر
روز محشر عقل کام آئے نہ زر

من ندیدم جز شقاوت در لئام
گر تو دیدستی رساں از من سلام
جز شقاوت کیا کمینوں کا ہے کام
تو نے دیکھا ہو تو پہنچا دے سلام

ہمچو جاں باشد شہ و صاحب چو عقل
عقل فاسد روح را آرد بنقل
مثل جاں ہے شہ تو نائب مثل عقل
عقل فاسد روح کو کرتی ہے نقل[ے]

آں فرشتہ عقل چوں ہاروت شد
سحر آموزید و صد طاغوت شد
وہ فرشتہ عقل جو ہاروت تھا
سحر سیکھا اللہ گمرہ ہو گیا

عقل جزوی را وزیر خود مگیر
عقل کل را ساز اے سلطاں وزیر
عقل جزوی کو نہ کر اپنا وزیر
عقل کل اے شاہ ہے اچھا وزیر

مر ہوا را تو وزیر خود مساز
کہ بر آید جان پاکت از نماز
حرص کو تو مت وزیر اپنا بنا
کیونکہ جاں ہوگی نمازوں سے جدا

کایں ہوا پر حرص و حالی بیں بود
عقل را اندیشہ یوم الدین بود
یہ ہوا پر حرص دنیا بیں رہے
عقل اندیشہ قیامت کا کرے

عقل را دو دیدہ در پایان کار
بہر آں گل می کشد او رنج خار
دیکھتی ہے عقل ہر انجام کار
کھینچتی ہے گل کی خاطر رنج خار

کہ نفرساید نریزد ہر خزاں
باد ہر خرطوم اخشم دور ازاں
تا خزاں سے وہ نہ پچکا بکھر ہو
ناک جیسے حس کا ہو اس سے دور ہو

ور چہ عقلت ہست با عقل دگر
یار باش و مشورت کن اے پسر
تجھ میں ہے گو عقل پھر بھی اے پسر
مشورہ اوروں کی عقلوں سے تو کر

[ے] یعنی روح کو بھی فساد کی طرف منتقل کرتی ہے۔

باد و عقل از ہر بلا ہا وا رہی   پائے خود بر اوج گردو نہا ہی
کر دیں دو عقلیں بلاؤں سے رہا   اوجِ گردوں پہ تو ہو رونق فزا

حضرت سلیمانؑ کے مقام پر ایک دیو کا بیٹھنا

دیو گر خود را سلیمانؑ نام کرد   ملک بُرد و مملکت را رام کرد
دیو نے اپنا سلیمانؑ رکھ کے نام   کر لیا ملک اور دولت کو غلام
صورتِ کارِ سلیمانؑ دیدہ بُود   صورت اندر سِرِّ دیوے مینمود
تھا سلیمانؑ کا اگرچہ کاروان   دیو کے پردے میں صورت تھی عیاں
خلق گفتند ایں سلیمانؑ بے صفاست   از سلیمانؑ تا سلیمان فرقہاست
بولے سب ہے یہ سلیمان بے وفا   یہ سلیمان اور ہے۔ وہ اور تھا
او چو بیداریست ایں ہمچوں وسن   ہمچنانکہ آں حسن تا ایں حسن
مثلِ بیداری تھا وہ، یہ مثلِ خواب   جیسے وہ حسنین میں فرق بے حساب
دیو می گفتے کہ حق بر شکلِ من   صورتے کرد است خوش بر اہرمن
دیو کہتا تھا کہ میری شکل پر   حق نے شیطاں کو بنایا سر بسر
دیو را حق صورتِ من دادہ است   تا بنید از شمار او بشست
دیو کو خالق نے میری شکل دی   تا کہ تم پر شست پھینکے مکر کی
گر پدید آید بدعویٰ زینہار   صورتِ او را مدارید اعتبار
ہو اگر دعوے میں اپنے آشکار   اس کی صورت کا نہ کرنا اعتبار
دیو شاں از مکر ایں میگفت لیک   مینمود ایں عکس بر دلہائے نیک
مکر سے یہ دیو کہتا تھا مگر   تھا دلوں پہ اُن کے کچھ اُس کا اثر

لہ وہ ہی بادشاہ کے قدیم وجدید وزیر جن کا ذکر شاعر کے بیان میں ہُوا۔

نیست بازی با ممیز خاصه او
که بود تمییز و عقلش غیب گو
سہل کب عاقل کو دینا ہے دغا
خاص کر اس کو جو ہو غیب آشنا

ہیچ سحر و ہیچ تلبیس و دغل
مے نہ بندد پردہ بر اہل دول
کوئی جادو ، مکر کوئی با یقیں
اہل دل سے چھپ کے رہ سکتا نہیں

پس ہمے گفتند با خود در جواب
باز گونہ میروی اے کج خطاب
اپنے دل میں اس کو دیتے تھے جواب
چال الٹی ہے تری اے ناصواب

باز گونہ رفت خواہی ہمچنیں
سوئے دوزخ اسفل السافلین
کجروی تیری جو باقی ہے یونہی
پہنچے گا دوزخ میں تو اے دغی

او اگر معزول گشتہ است و فقیر
ہست در پیشانیش بدر منیر
وہ اگر معزول ہو کر ہے فقیر
پر ہے تیرے سامنے بدر منیر

تو اگر انگشتری را بردہ
دوزخی چوں زمہریر افسردہ
گر انگوٹھی تو چرا کر لے گیا
تو ہے دوزخ جاڑے سے ٹھٹھرا ہوا

ما بجوش و عارض و طاق و طرب
سر کجا کہ خود ہمے ننہیم سغب
تیرے کر و فر کے آگے اے شقی
سر کہاں ۔ پاؤں نہ رکھیں ہم کبھی

ور بغفلت ما نہیم او را جبیں
پنجۂ مانع بر آید از زمیں
اور جو لیں بھولے سے پیشانی جھکا
پنجہ اک نکلے زمیں سے روکتا

کہ منہ ایں سر مر ایں سر زیر را
ہیں مکن سجدہ مر ایں ادبیر را
یعنی نہ تو اس سرنگوں کو سر جھکا
سجدہ اس بدبخت کو ہے ناروا

کردمے من شرح ایں بس جانفزا
گر نبودے غیرت و رشک خدا
شرح اس کی اور کرتا جاں فزا
گر نہ ہوتی غیرت اور رشک خدا

ہم قناعت کن تو بپذیر اینقدر
تا بگویم شرح ایں وقتے دگر
کر قناعت اب قبول اتنا ہی کر
شرح پھر اس کی کروں گا لے پسر

نام خود کردہ سلیمان نبیؑ
روئے پوشی میکند بر ہر غبی
نام تو اپنا سلیمانؑ کر لیا
چھپتا پھرتا ہے ہر اک سے جا بجا

درگذر از صورت و از نام خیز
از لقب وز نام در معنیٰ گریز
نام اور صورت سے کر تو درگذر
چھوڑ نام اور غور تو معنی پہ کر

پس بپرس از خلق او وز فعل او
درمیان خلق و فعل او را بجو
اس کے خلق و فعل سے دریافت کر
ڈھونڈ خلق و فعل ہی میں سر بسر

کار ہر کس نیست ایں در کش تمام
مسجد اقصیٰ بساز و کن تمام
کام ہر اک کا نہیں یہ لا کلام
مسجد اقصیٰ بنا ، اور کر تمام

شد تمام القصہ مسجد بے فتور
بد سلیمانؑ زائر و مسجد مزور
مسجد القصہ مکمل ہو گئی
اور سلیمانؑ نے زیارت اس کی کی

مسجد میں حضرت سلیمانؑ کا ہر روز تشریف لانا

چوں سلیمان نبیؑ شاہِ انام
ساخت مسجد را و فارغ شد تمام
جب سلیمان نبیؑ شاہِ انام
ہو چکے مسجد سے فارغ لا کلام

ہر صباح او را وظیفہ ایں بُدے
کامدے در مسجدِ اقصیٰ شدے
ہر سحر ان کا یہی دستور تھا
مسجد اقصیٰ میں آتے بے ولا

نو گیاہے رُستہ بودے اندرو
پس بگفتے نام و نفع خود بگو
جب نبیؑ اک گھاس اُگتی دیکھتے
اُس کا نام و نفع اس سے پوچھتے

تو چہ داروئی و نامت بر چہ است
تو زیاں بر کہ و نفعت بر کہ است
تو دوا کس کی ہے کیا ہے تیرا نام
کس کو نقصان ۔ نفع تیرا کس پہ عام

پس بگفتے ہر گیاہے فعل و نام
کہ من آں را جانم و ایں را حمام
گھاس کرتی فعل و نام اپنا بیاں
اس کی ہوں موت اور میں اس کی ہوں جاں

من مرآنرا زہرم و ایں را شکر	نام من اینست بر لوحِ قدر
ہیں اُسے جوں زہر اِدھر اس کو شکر	نام ہے میرا یہ لوحِ عرش پہ
پس سلیمانؑ با حکیماں زاں گیا	شرح کردے ضرّ و نفعش اے کیا
پس طبیبوں سے سلیماں تھے گیاں	نفع و نقصان تھا اس کا کرتے بیاں
آں طبیباں از سلیمانؑ زاں گیا	عالم و دانا شدند و مقتدا
شرح سنکر وہ سلیماںؑ سے فت	عالم و دانا ہوگئے اور پیشوا
تا کتبہائے طبیبی ساختند	جسم را از رنج مے پرداختند
بھیجیں پھر طب کی کتابیں بر ملا	جسم کو دُکھ درد سے خالی کیا
ایں نجوم و طب وحیٔ انبیاست	عقل و حس را سوئے بےسو رہ کجاست
یہ نجوم و طب ہے وحیٔ انبیاؑ	عقل و حس کو کب ہے اُس میں راستا
عقلِ جزوی عقلِ استخراج نیست	جز پذیرائے فن و محتاج نیست
عقل جزوی میں کب استخراج ہے	اہلِ فن کی ہر طرح محتاج ہے
قابلِ تعلیم و فہم است ایں خرد	لیک صاحب وحی تعلیمش دہد
عقل یہ قابل ہے بس تعلیم کے	وحی والا ہی اسے تعلیم دے
جملہ حرفتہا یقیں از وحی بود	اوّل او لیک عقل آں را فزود
حرفتیں سب وحی سے پیدا ہوئیں	اوّل - اوّل. عقل سے پھر بڑھ گئیں
ہیچ حرفت را ببیں کایں عقل ما	تا نداند آموخت بے ہیچ اوستا
کوئی حرفت عقل کب سیکھے کوئی	گر نہ اک اُستاد نے تعلیم دی
گرچہ اندر مکر موئے اشگاف بد	ہیچ پیشہ رام بے اُستا نشد
موشگافی عقل کو تھی گو کہ یاد	رام پیشے کب ہوئے بے اوستاد

ـــہ قوّتِ ایجاد۔

دانش پیشہ ازیں عقل ار بُدے
پیشہ بے اوستا حاصل شدے

پیشے کی دانش جو ہوتی عقل سے
پیشہ بے اُستاد آجاتا تجھے

قابیل کا کوّے سے گورکنی سیکھنا

کندن گورے کہ کمتر پیشہ بود
کے ز فکر و حیلہ و اندیشہ بود

پیشہ ادنیٰ ہے لحد کا کھودنا
فکر و اندیشہ سے وہ بھی تو نہ تھا

گر بُدے ایں فہم مر قابیل را
کے نہادے بر سر او ہابیل را

یہ سمجھ ہوتی اگر قابیل کو
پھر وہ رکھتا سر پہ کیوں ہابیل کو

کہ کجا غائب کنم ایں کشتہ را
ایں بخون و خاک در آغشتہ را

اب کہاں اس کو چھپاؤں مار کر
خاک و خوں میں یہ بھرا ہے سربسر

دید زاغے زاغ مُردہ در دہاں
بر گرفتہ در ہوا گشتہ پراں

دیکھا اک کوّے کو ، اک کوّا مرا
آیا لیکر منہ میں وہ اُڑتا ہوا

از ہوا زیر آمد و شد او بفن
از پئے تعلیم او را گورکن

نیچے اُترا اور ہنر کی راہ سے
کھودی قبر اس کو سکھانے کے لئے

پس بچنگال از زمیں انگیخت گرد
زود زاغ مُردہ را در گور کرد

اپنے پنجوں سے زمیں کو کھود کر
مردہ کوّے کو دبایا بے خطر

دفن کردش پس بپوشیدش بخاک
زاغ از الہام حق بُد علمناک

دفن کر کے خاک میں پنہاں کیا
زاغ تھا الہام حق سے آشنا

گفت قابیل آہ شہ بر عقل من
کہ بود زاغے ز من افزوں بفن

بولا قابیل آہ میری عقل ہے
مجھ سے اک کوّا بھی ہے آگاہ تر

عقل کل را گفت مازاغ البصر
عقل جزوی میکند ہر سو نظر

عقل کل کو کہئے مازاغ البصر؎
عقل جزوی ڈالے ہر جانب نظر

؎ یعنی محمد مصطفےٰ صلعم کی چشم مبارک نے کجروی اور سرکشی نہیں کی:

عقلِ مازاغ است نورِ خاصگاں
عقل زاغ استادِ گورِ مردگاں
نورِ خاصاں عقل ہے مازاغ کی
عقل زاغ استادِ گورِ مردہ بھی

جاں کہ او دنبالۂ زاغاں پرد
زاغ او را سوئے گورستاں برد
جان بھاگی کوّوں کے پیچھے اڑے
زاغ گورستاں سے جا پہنچائے

ہیں مرو اندر پئے نفسے چو زاغ
کو بگورستاں برد نے سوئے باغ
ہاں نہ کر تقلید زاغ نفس کی
باغ کی جائے جائے گورستاں ابھی

گر روی رو در پئے عنقائے دل
سوئے قاف و مسجدِ اقصائے دل
اِن رواں ہو در پئے عنقائے دل
سوئے قاف و مسجدِ اقصائے دل

نو گیاہے ہر دم از سودائے تو
مے دمد در مسجدِ اقصائے تو
گھاس ہر دم تیرے سودا سے نئی
مسجدِ اقصیٰ میں اُگتی ہے اُگی

تو سلیمانؑ وار دادِ او بدہ
پے بر از وے پائے بر رویش منہ
تو سلیمانؑ کی طرح داد اس کی دے
رکھ نہ اس پہ پاؤں اور کھوج اس سے

زانکہ خاکِ ایں زمیں با ثبات
باز گوید با تو انواعِ نبات
کیونکہ اس قائم زمیں کا حسن بھی
گفتگو تجھ سے کرے گی گھاس کی

در زمیں گر نیشکر ور خود نی است
ترجمانِ ہر زمیں نبتِ وی است
ہو زمیں پہ نیشکر یا نے اُگی
ہے زمیں کی ترجماں روئیدگی

پس زمینِ دل کہ نبتش فکر بود
فکرہا اسرارِ دل وا مینمود
خاکِ دل کی فکر ہے روئیدگی
فکر سے اسرارِ دل میں جھلکی

گر سخن کش یابم اندر انجمن
صد ہزاراں گل بروئیم زیں چمن
گر سخن فہم انجمن میں کوئی پاؤں
پھول لاکھوں اس چمن سے میں اگاؤں

ور سخن کش بینیت لے زن بزد
میگریزد نکتہ از پیشم چو دزد
اور سمجھ لوں گر سخن فہم اب بھی
چور کی صورت ہیں نکتے بھاگتے

مستمع چوں نیست خاموشی بہ است / نکتہ از نااہل گر پوشی بہ است
چپ بجا جب سننے والا ہی نہیں / نکتہ نااہلوں سے مت کہہ بالیقیں
جنبش ہر کس بسوئے جاذب ست / جذب صادق نے چو جذب کاذب ست
سوئے جاذب سب کی جنبش ہے یہاں / جذب جھوٹا جذب صادق سے کہاں
میروی گہ گمرہ و گہ در رشد / رشتہ پیدا نے و آں کت میکشد
ہے کبھی گمرہ کبھی رہ آشنا / رشتہ اک مخفی ہے تجھ کو کھینچتا
اشترے کوری مہار تو رہیں / تو کشش مے بیں مہارت را مبیں
تو شتر ہے کور اور گروی مہار / جذب کو دیکھو اور نہ دیکھو اپنی مہار
گر شدے محسوس جذب آں مہار / پس نماندی ایں جہاں دار الغرار
جذب اگر محسوس ہوتا اس کا یاں / مکر کا گھر پھر نہ بنتا یہ جہاں
گبر دیدی کو پئے سگ میرود / سخرۂ دیو ستنبہ مے شود
گبر جو کتوں کے پیچھے جاتا ہے / بھوت کا ہو کر مسخر آتا ہے
در پئے او کے شدے مانند حیز / پائے خود واپس کشیدے گبر نیز
جاتا کیوں مثل مخنث اے اخی / پاؤں اپنے کھینچ لیتا گبر بھی
گاؤ اگر واقف ز قصاباں بدے / کے پئے ایشاں بداں دکاں شدے
گاے قصابوں سے واقف ہوتی گر / ان کے پیچھے جاتی کیوں دکان پر
یا بخوردے از کف ایشاں سبوس / یا بدادے شیرشاں از چاپلوس
کھاتی کیوں بھوسی انہیں کے ہاتھ سے / دودھ دیتی پیار سے کس واسطے
ور بخوردے کے علف ہضمش شدے / گر ز مقصود علف واقف بدے
کھاتی گر چارہ تو ہوتا ہضم کیا / اس کے مقصد سے جو ہوتی آشنا
پس ستون اینجہاں خود غفلت است / چیست دولت کایں دوادو بالتست
پس ہے غفلت ہی ستون اس دہر کا / اور دولت ہے دوا دو لت بجا

اولش دو دو بآخر لت بخور	جز دریں ویرانہ نبود مرگ خر
پہلے دوڑ اور آخر لاتیں کھا	مرگ خر ہے اور ہے دنیا میں کیا
تو بجد کارے کہ بگرفتی بدست	عیبش ایندم بر تو پوشیدہ شدہ ست
ہاتھ میں جو کام تو نے ہے لیا	عیب اُس کا ہے گناہوں سے چھپا
زاں ہمے تانی بدادن تن بکار	کہ بپوشید از تو عیبش کردگار
اس لئے تو شغل میں اُس کی ہے لگا	عیب مخفی حق تعالےٰ نے رکھا
ہمچنیں ہر فکر کہ گرمی دراں	عیب آں فکرت شدہ ست از تو نہاں
ایسے ہی جس فکر میں ہے جستجو	تجھ سے پنہاں عیب ہے اس فکر کا
بر تو گر پیدا شدی زاں عیب و شین	زاں رمیدی جانت بعد المشرقین
تجھ پہ گر وہ عیب ہو جائے عیاں	بھاگ جائے تو کہاں پھر وہ کہاں
حال کاخر زاں پشیماں میشوی	گر شود ایں حالت اول کے روی
تو پشیماں اب ہوا جس حال سے	ہوتا گر پہلے نہ کرتا بھول کے
پس بپوشید اول آں بر جان ما	تا کنیم آں کار بر وفق قضا
اول اول ہے چھپاتا کبریا	تا چلیں ہم حسب منشائے قضا
چوں قضا آورد حکم حق پدید	چشم واگشت و پشیمانی رسید
حکم حق لے کر قضا جب آ گئی	کھل گئیں آنکھیں پشیمانی ہوئی
آں پشیمانی قضائے دیگر است	پس پشیمانی بہل حق را پرست
یہ پشیمانی قضا ہے دوسری	چھوڑ اس کو حق پرستی کر اخی
ور کنی عادت پشیماں خور شوی	زاں پشیمانی پشیماں تر شوی
گر یہ عادت ہو پشیمانی تجھے	تو پشیماں سے پشیماں تر رہے
نیم عمرت در پریشانی رود	نیم دیگر در پشیمانی شود
عمر آدھی تو پریشانی میں جائے	دوسری آدھی پشیمانی میں جائے

ترک ایں فکر و پشیمانی بگو	حال و کار و بار نیکو تر بجو
ترک اس فکر و پشیمانی کو کر	تو ڈھونڈ کار و بار کوئی خوب تر
ور نداری کارِ نیکو تر بدست	پس پشیمانیت بر فوت چہ است
کار بہتر پر نہیں گر اختیار	کیوں پشیماں ہے، اگر ہو فوت کار
گر ہمیدانی رہِ نیکو پرست	ور ندانی چوں بدانی کایں بدست
راہِ نیکی چل، اگر ہے جانتا	گر نہیں معلوم، بد کیونکر کہا
بد ندانی تا ندانی نیک را	ضد را از ضد تواں دید اے فتا
نیک سمجھے تو جو بد سے آشنا	ضد کو ضد سے دیکھتے ہیں اے فتا
چوں ز ترکِ فکر ایں عاجز شدی	از گنہ آنگاہ ہم عاجز بدی
تو جو ترکِ فکر سے عاجز ہوا	تو گنہ کے وقت بھی عاجز ہی تھا
چوں بدی عاجز پشیمانی ز چیست	عاجزی را باز گو کز جذب کیست
تو جو تھا عاجز پشیمانی ہے کیا	عاجزی میں جذب ہے کس کا بتا
عاجزی بے قادری اندر جہاں	کس ندید است و نباشد ایں بداں
عاجزی بے قادری ہوتی نہیں	ہاں کسی نے بھی یہ دیکھا ہے کہیں؟
ہمچنیں ہر آرزو کہ میبری	تو ز عیبِ آں حجابے اندری
اس طرح کرتا ہے تو جو آرزو	عیب سے ناآشنا رہتا ہے تو
ور نمودے علتِ آں آرزو	خود رمیدے جانِ تو زیں جستجو
علتِ اُمید اگر آتی نظر	جان تیری بھاگتی خود سے پھر
گر نمودے عیبِ آں کار او ترا	کس نبردے کش کشاں آں سو ترا
سمجھے یہ کھلتا عیب گر اس کام کا	کھینچنے سے بھی نہ جاتا برملا
واں دگر کارے کزاں کاری نفور	زاں بود کہ عیبش آمد در ظہور
اور ہے جس کام سے نفرت تجھے	عیب اُس کے سب ہیں تجھ پہ کھلے

اے خدائے رازدانِ خوش سخن　　عیب کارِ بد ز ما پنہاں مکن
اے خدا ہاں اے خدائے رازداں　　عیب کارِ بد نہ کر ہم سے نہاں
عیب کارِ نیک را منما بما　　تا نگردیم از روش سرد و ہبا
عیب کارِ نیک کا افشا نہ کر　　تا پریشاں ہم نہ ہوں لے داد گر
ہم بر آں عادت سلیمانؑ سنی　　رفت در مسجد میانِ روشنی
اس روش پر وہ سلیمانؑ سنی　　جانبِ مسجد گئے روشن گھڑی
قاعدہ ہر روز را میجُست شاہ　　کہ بہ بیند مسجد اندر نو گیاہ
جستجو اس قاعدے سے ان کو تھی　　گھاس دیکھیں کوئی مسجد میں نئی
دل بہ بیند سِر بداں چشمِ صفی　　آں حشائش کہ شدُ از عامہ مخفی
تا کہ دل اُن کا ہو پورا رازداں　　اس حشیش و خاشاک کا جو ہے نہاں

باغ میں مراقبہ کرنیوالے صوفی کا قصہ

صوفئے در باغ از بہرِ گشاد　　صوفیانہ روئے بر زانو نہاد
گشت کو گلشن میں اک صوفی گیا　　صوفیانہ سر کو زانو پہ رکھا
پس فرو رفت او بخود اندر نغول　　شد ملول از صورتِ خوابش فضول
محو گہری فکر میں جب وہ ہوا　　یوں بگڑ کر بولا اک بیہودہ سرا
کہ چہ خسپی آخر اندر رز بنگر　　ایں درختاں بین و آثارِ خضر
سو گیا کیا ہے؟ دیکھ انگور و انار　　یہ درخت اور اس پہ سبزے کی بہار
امرِ حق بشنو کہ گفت ست انظروا　　سوئے ایں آثارِ رحمت آر رو
حکمِ حق تو سن کہا ہے انظروا　　ہر طرف آثارِ رحمت دیکھ تو
گفت آثارش دل ست اے بوالہوس　　آں بروں آثار آثار است و بس
بولا دل آثار ہے اے بوالہوس　　ظاہری آثار ہیں آثار بس

باغہا و سبزہا در عین جاں   بر بروں عکسش چو در آب رواں
عین جاں میں باغ و سبزہ ہے نہاں   عکس باہر صورتِ آب رواں
آں خیال باغ باشد اندر آب   کہ کند از لطفِ آب آں اضطراب
ہے خیال باغ پانی میں وسے   مضطرب ہے جو کہ لطف آب سے
باغہا و میوہا اندر دل است   عکس لطفِ آن بریں آب گل است
باغ اور میوے ہیں سب دل میں نہاں   آب و گل پہ عکس ہے اُن کا عیاں
گر نبودے عکسِ آں سرو سرور   پس نخواندے ایزدش دار الغرور
گر نہ ہوتا عکس بستان سرور   کیوں خدا کہتا اُسے دار الغرور
ایں غرور آنست یعنی ایں خیال   ہست از عکسِ دل و جانِ رجال
بس یہی دھوکا ہے یعنی یہ خیال   آدمی کے جان و دل کا عکس حال
جملہ مغروراں بریں عکس آمدہ   بر گمانے کایں بود جنت کدہ
آئے سب مغرور بس اس عکس پر   وہم سے گلزارِ جنت جان کر
میگریزند از اصول باغہا   بر خیالے میکنند آں لاغہا
ہیں اصول باغ سے سب بھاگتے   کھیلتے ہیں اک خیالِ خام سے
چونکہ خوابِ غفلت آید شاں بسر   راست بینند و چہ سود است آں نظر
خواب غفلت سے کھلے گی آنکھ جب   جو حقیقت ہے وہ پھر دیکھیں گے سب
پس بگورستاں غریو افتاد و آہ   تا قیامت زیں غلط وا حسرتا
شور گورستان میں ہے ہو رہا   اس خطا پہ تا ابد ہوگی بکا
اے خنک آنرا کہ پیش از مرگ مرد   یعنی او از اصل ایں رز بوئے برد
خوش رہے وہ جو مرنے سے پہلے مرا   اصل انگوروں سے پھل اس کو ملا

حضرت سلیمانؑ کا غمگین ہونا

ہمچنیں روزے سلیمانؑ را قضا
شد بعادت مسجد اندر رائے فنا

حسب عادت جب سلیمانؑ ایک روز
مسجد اقصیٰ میں تھے رونق فروز

نو گیاہے دید اندر گوشۂ
رستہ برگے دانہ ہمچوں خوشۂ

گھاس اک کونے میں واں دیکھی نئی
دانوں سے جو مثل خوشہ تھی بھری

دید بس نادر گیاہے سبز و تر
می ربود آں سبزیش نور از بصر

گھاس وہ عمدہ تھی بالکل سبز و تر
چھینتی تھی آنکھ سے نور بصر

پس سلامش کرد در دم آں حشیش
او جوابش گفت و بشگفت از خوشیش

پس سلام اس گھاس نے ان کو کیا
آپ نے ہنس کر جواب اس کو دیا

گفت نامت چیست بر گو بے دہاں
گفت خرنوب است اے شاہ جہاں

پوچھا تیرا نام کیا ہے بے دہاں!
بولی ہوں خرنوب؎ اے شاہ جہاں

گفت اندر تو چہ خاصیت بود
گفت من رستم مکاں ویراں شود

پوچھا تجھ میں خاصیت کیا ہے نہاں
بولی مجھ سے ہوتے ہیں ویراں مکاں

من کہ خرنوبم خراب منزلم
ہادم بنیاد ایں آب و گلم

میں خرنوب اک خراب و خستہ دل
ڈھانے والی ہوں بنائے آب و گل

پس سلیمانؑ آں زماں دانست زود
کہ اجل آمد سفر خواہد نمود

پس سلیماں نے یہ سمجھا مرد دیں!
بس اجل آئی۔ سفر ہے بالیقیں

گفت تا من ہستم ایں مسجد یقیں
در خلل ناید ز آفات زمیں

بولے جب تک میں ہوں مسجد بالیقیں
ہو گی کیونکر صرف آفات زمیں

؎ خرنوب ایک گھاس ہے جو ویرانوں میں پیدا ہوتی ہے۔

تا کہ من باشم وجودِ من بود
مسجدِ اقصیٰ مغلل کے شود

میں ہوں جب تک اور مری جان جسم میں
رخنہ اس مسجد میں پڑ سکتا نہیں

پس خرابِ مسجدِ ما بے گماں
بود او بعد مرگ ما بداں

پس یہ مسجد کی خرابی بے گماں
ہو نہیں سکتی مگر مرنے سے یاں

مسجد است ایں دل کہ جسمش ساجد است
یارِ بد خروب ہر جا مسجد است

دل ہے مسجد، جسم سب ساجد ہے [illegible]
یارِ بد خروب ہے [illegible]

یارِ بد چوں رست در تو مہرِ او
ہیں ازو بگریز و کم کن گفتگو

یارِ بد کی مہر جب دل میں پڑے
بھاگ اس سے اور باتیں چھوڑ دے

برکن از بیخش کہ گر سر بر زند
مر ترا و مسجدت را بر کند

پھینک اسے جڑ سے کہ گر آئی ابھر
تجھ کو اور مسجد کو ڈھا دے بے خبر

عاشقا خروب تو آمد کژی
ہمچو طفلاں سوئے کژ چوں میغژی

عاشقا! خروب ہے تیری کجی
مثل بچوں کے کجی پہ دوڑے [illegible]

خویش را نادان و مجرم دان بترس
تا نہ دزدد از تو ایں استاد درس

اپنے کو مجرم سمجھ اور ڈر ذرا
تا نہ لے استاد درس اپنا چھپا

چوں بگوئی جاہلم تعلیم دہ
ایں چنیں انصاف از ناموس بہ

تو کہے جاہل ہوں میں۔ تعلیم دے
خوب یہ انصاف ہے ناموس سے

از پدر آموز اے روشن جبیں
ربنا گفت و ظلمنا پیش ازیں

باپ سے اپنے تو سیکھ اے باوفا
ربنا کہہ کر ظلمنا صحت کہا

---

[1] یعنی اپنے جدِ امجد حضرت آدم علیہ السلام سے۔

[2] قرآن مجید میں خدا فرماتا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ یعنی اے ہمارے رب! ہم نے اپنے نفسوں پر خود ظلم کیا ہے اگر تو نہ بخشے گا اور رحم نہ کرے گا تو ہم بے شک زیاں کار ہوں گے۔

نے بہانہ کرد و نے تزویر ساخت	نے لوائے مکر و حیلت بر فراخت
کچھ بہانہ تھا نہ تھی کوئی بنا	اور فریب و مکر و حیلہ کچھ نہ تھا
باز آں ابلیس بحث آغاز کرد	کہ بدم من سرخ رو کردیم زرد
بحث پھر شیطان نے آغاز کی	سرخ رو تھا میں ندامت تو نے دی[1]
رنگ رنگ تست صباغم توئی	اصل جرم و آفت و داغم توئی
رنگ ہے تیرا ہی ہے رنگ ریز تو	جرم و آفت کا ہے غم انگیز تو
ہیں بخواں ربِّ بما اغویتنی	تا نگردی جبری و کژ کم تنی
اب تو پڑھ ربِّ[2] بما اغویتنی	تا نہ جبری کا بن کے سب حرف بکی
بر درخت جبر تا کے بر جہی	اختیار خویش را یکسو نہی
کودے گا کب تک درختِ جبر پہ	اختیاروں کو تو اپنے چھوڑ کر
ہمچو آں ابلیس و ذرّیات او	با خدا در جنگ و اندر گفتگو
مثل ابلیس اور ذرّیات کے	تو خدا سے جنگ میں کب تک رہے
چوں بود اکراہ با چندیں خوشی	کہ تو در عصیاں ہمے دامن کشی
اس خوشی میں جبر اور اکراہ کیا	جب تو خود ہے مائل جرم و خطا
آنچناں خوش کس رود در مکرہی	کس چناں رقصاں رود در گمرہی
کوئی یوں ہوتا ہے خوش اکراہ سے	کوئی گمراہی میں یوں رقصاں چلے
بیست مردہ جنگ میکردی دراں	کت ہمی دادند پند آں دیگراں
تو ہے لڑتا جس طرح بیس آدمی	یہ نصیحت تجھ کو اوروں سے ملی

---

[1] ابلیس کا خطاب خدائے عزّ و جل سے ہے۔

[2] قولہٗ تبارک و تعالیٰ: فَبِمَا اَغْوَیْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ صِرَاطَکَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ یعنی شیطان نے خدا سے کہا کہ مجھ کو تیرے بہکانے کی قسم ہے۔ میں اس سیدھی راہ کو ضرور روک کر بیٹھوں گا۔ جو تو نے ان کے لئے بنائی ہے۔

کہ صواب اینست و راہ اینست و بس	کہ زند طعنہ مرا جز ہیچ کس
یہ صواب اور یہ ہے رستہ بالیقیں	کوئی طعنہ مجھ کو دے سکتا نہیں
کے چنیں گوید کسے کو گمراہ است	چوں چنیں جنگد کسے کو بیرہ است
کب کوئی گمراہ یہ باتیں کرے	کب کوئی بے راہ اس ڈھب سے لڑے
ہر چہ نفست خواست داری اختیار	ہر چہ عقلت خواست آری اضطرار
نفس کی خواہش میں تو با اختیار	عقل کی خواہش میں تو نادار و نزار
داند او کو نیکبخت و محرم است	زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است
جانے وہ جو زمرۂ محرم سے ہے	زیرکی شیطاں سے ہے۔ عشق آدم سے ہے
زیرکی آمد سباحت در بحار	کم رہد غرق است او پایان کار
زیرکی ہے بحر کا گویا سفر	رہتا ہے انساں جس میں ڈوب کر
ہل سباحت را رہا کن کبر و کیں	نیست جیحوں نیست جو دریاست ایں
چھوڑ سیر بحر، اور یہ کبر و کیں	ہے سمندر، نہر اور دریا نہیں
و آنگہاں دریائے ژرف بے پناہ	در رباید ہفت دریا را چو کاہ
اب رہا دریائے تند و بے پناہ	وہ بہا دے سات دریا مثل کاہ
عشق چوں کشتی بود بہر خواص	کم بود آفت بود اغلب خلاص
عشق اک کشتی سی ہے بہر خواص	کم ہے آفت، اور اکثر ہے خلاص
زیرکی بفروش و حیرانی بخر	زیرکی ظن است و حیرانی نظر
عقل کو بیچ اور حیرانی خرید	زیرکی ہے وہم، حیرانی ہے دید
عقل قرباں کن بہ پیش مصطفےٰ	حسبی اللہ گو کہ اللہ ام کفےٰ
عقل کر قرباں بہ پیش مصطفےٰ	حسبی اللہ کر کہ کافی ہے خدا
ہمچوں کنعاں سر ز کشتی وا مکش	کہ غرورش داد نفس زیرکش
مثل کنعاں کر نہ کشتی سے گریز	تھا بہت مغرور اس کا نفس تیز

کہ بر آیم بر سر کوہ مشید
منتِ نوحؑ چرا باید کشید
میں ہی چڑھ جاؤں گا عالم کوہ پہ
نوحؑ کا احسان کیوں لوں اپنے سر

چوں رہی از منتش اے بے رشد
کہ خدایم منت او میکشد
اُن کے احساں سے بچے بچ سکتا کہیں
جس کا لے احسان ربّ العالمین

چوں نباشد منتش بر جانِ ما
چونکہ شکر و منتش گوید خدا
اُن کا احساں کیوں نہ ہو ہم پہ بھلا
شکر احساں جن کا فرمائے خدا

تو چہ دانی اے غرورت پُر حسد
کہ نہادن منت او را کی رسد
پُر حسد، احمق، تو کیا سمجھے بھلا
بے شک احساں ان کو کرنا ہے روا

کاشکے او آشنا ناموختے
تا طمع در نوحؑ و کشتی دوختے
کاش اُسے آتا نہ اُس کو تیرنا
نوحؑ اور کشتی کا رکھتا آسرا

کاش چوں طفل از حیل جاہل بُدے
تا چو طفلاں چنگ در مادر زدے
کاش جاہل ہوتا لڑکوں کی طرح
ماں کا لیتا سہارا بچوں کی طرح

یا بعلم نقل کم بودے ملی
علم وحی دل ربودے از ولی
کم بھرا ہوتا وہ علم نقل سے
ہوتا حاصل علم وحی و دل اُسے

چوں تیمم با وجودِ آب داں
علم نقلی با دمِ قطبِ زماں
پانی کے ہوتے تیمم جان سے
علم نقلی کو مقابل قطب کے

خویش ابلہ کن تبع میرو سپس
رستگی زیں ابلہی یابی و بس
بن کے ناداں اُس کے پیچھے پیچھے جا
تاکہ نادانی سے بچ جائے رہا

با چنیں نوری چو پیش آری کتاب
جانِ وحی آسائے او آرد عتاب
ایسے نوری کو جو دکھلائے کتاب
جانِ وحی آسا کرے اس کی عتاب

---

[1] یعنی کنعان ابن نوحؑ کو۔

اکثر اہل الجنۃ البلہ اے پسر	بہر ایں گفتست سلطان البشر
اہل جنت ہوں گے ناداں اے پسر	ہے یہی ارشاد سلطان البشرؐ
زیرکی چوں باد و کبر انگیز تست	ابلہی شو تا بماند دیں درست
عقلمندی ہے تکبر کی ہوا	ہو تو ناداں تا رہے دیں بجا
ابلہی نے کو بمسخرگی دوتوست	ابلہی نے کز شقاوت مال جوست
جو مسخرہ ہو نہ ابلہی ابلہی	یا جو بدبختی سے خواہاں مال کی
ابلہی کو والہ و حیران ہوست	باشد اندر گردن او طوق دوست
ابلہی وہ ہو جو ہجر کی سے شیفتا	طوق ہو جس کے گلے میں دوست کا
ابلہانند آں زنان دست بُر	از کف ابلہ وز رخ یوسف نذر
ابلہ وہ جب ہاتھ کاٹیں بے خطر	ہو بجز یوسفؑ نہ ہاتھوں کی خبر
عقل را قربان کن اندر عشق دوست	عقلہا باری از آں سویست کوست
عقل عشق دوست میں قربان کر	عقل وہ ہے جس کا رشتہ ہے ادھر
عقلہا آں سو فرستادہ عقول	ماندہ آں سو کہ نہ معشوقست گول
عقلیں جو عقلوں نے بھیجی ہیں ادھر	ابلہا وہیں ، معشوق کب ہے بےخبر
زیں سر از حیرت گر ایں عقلت رود	ہر سر مویت سر و عقلے شود
عقل تیری ہو جو حیرت میں فنا	تیرا اک اک بال ہو عقل اے فتا
نیست آں سو رنج و فکرت بر دماغ	کہ دماغ و عقل روید دشت و باغ
ہے وہاں کب رنج اور فکرِ دماغ	واں دماغ و عقل سے ہیں دشت و باغ
سوئے دشت از دشت نکتہ بشنوی	سوئے باغ آئی شود نخلت روی
دشت میں پہنچے سنے نکتہ نیب	باغ میں آ کے تو ہو جائے ہرا
اندریں رہ ترک کن طاق و طرنب	تا قلاوزت نجنبد تو مجنب
ترک اس رستے میں کر شے کر و فر	تو نہ ہل ، ہلتا نہیں گر راہبر

ہر کہ او بے سر بجنبد دم بود	جنبشش چوں جنبش کژدم بود
جو کوئی بے سر ہے بے دُم ہے وہ	اور جنبش جنبش کژدم ہے وہ
کژرو و شبکور و زشت و زہرناک	پیشۂ او خستن جانہائے پاک
خشب کا اندھا ہے وہ کج و زہرناک	اس کا پیشہ خستگی جان، پاک
سر بکوب او را کہ سرش ایں بود	خلق و خوئے مستمرش ایں بود
سر کچل اُس کا یہی ہے بھید بھی	اور عادت ہے یہ اُس کی دائمی
خود صلاح اوست آں سر کوفتن	تا رہد جاں ریزہ اش زیں شوم تن
سر کچلنے میں ہے اس کی بہتری	جسم بد سے تا ہو حاصل جاں بری
واستاں از دست دیوانہ سلاح	تا ز تو راضی شود عدل و صلاح
ہاتھ سے دیوانے کے ہتھیار لے	تجھ سے عدل و صلح تا راضی رہے
چوں سلاحش ہست و عقلش نے ببند	دست او را ورنہ آرد صد گزند
ہاتھ میں ہتھیار، پھر آزادیاں	ہاتھ باندھ اس کے وگرنہ ہے زیاں

بد اصل کیلئے علم و مال کا حصول

بدگہر را علم و فن آموختن	دادن تیغ است دست راہزن
بدگہر کا کچھ سکھانا علم و فن	تیغ دینا ہے بدست راہزن
تیغ دادن در کف زنگی مست	بہ کہ آید علم ناداں را بدست
مست زنگی کے جو خنجر ہاتھ آئے	اس سے بہتر ہے کہ ناداں علم پائے
علم و مال و منصب و جاہ و قراں	فتنہ آرد در کف بد گوہراں
علم و مال اور منصب و جاہ، گراں	بدگہر کے ہاتھ میں فتنہ ہے ہاں
پس غزا زیں فرض شد بر مومناں	تا ستانند از کف مجنوں سناں
اس لئے ہے فرض مومن پہ غزا	دست مجنوں سے سناں کر لیں جدا

جان او مجنوں تنش شمشیر او
واستاں شمشیر رازیں زشت خو
جان مجنوں اس کی ہے تلوار تن
چھین لے تلوار اس سے جان کن

آنچہ منصب میکند با جاہلاں
از فضیحت کے کند صد ار سلاں
جاہلوں پہ جو ستم منصب کریں
شیر سو وہیں فضیحت کب کریں

عیب او مخفی ست چوں آلت نیافت
مار از سوراخ بہ صحرا شتافت
جب نہ تھے اسباب مخفی عیب تھا
سانپ اس کا بل سے جنگل کو گیا

جملہ صحرا مار و کژدم پر شود
چونکہ جاہل شاہ حکم مر شود
سارا جنگل سانپ بچھو سے بھرے
جب کہ اک جاہل کو سلطانی ملے

چوں قلم در دست غدارے فتاد
لاجرم منصور بر دارے فتاد
جب قلم ظالم کے ہاتھوں میں پڑا
لاجرم منصور سولی پہ چڑھا

مال و منصب ناکسے کارد بدست
طالب رسوائی خویش آمد است
مال و منصب جیسے نااہل کو
وہ سبب اپنی ہی رسوائی کا ہو

یا کند بخل و عطاہا کم دہد
یا سخا آرد بنا موضع نہد
یہ کرے بخل، اور نہ دے کچھ عطا
بے محل یا اس سے بیجا ہو سخا

شاہ را در خانہ بیذق نہد
ایں چنیں باشد عطا کاحمق دہد
شہ کو لے گھر میں پیادہ کے بٹھا
اس طرح ہوتی ہے احمق کی عطا

حکم چوں در دست گمراہے فتاد
جاہ پندارید در چاہے فتاد
حکم ہو جب ہاتھ میں گمراہ کے
جاہ سمجھے اور کنوئیں میں گر پڑے

رہ نمیداند قلاوزی کند
جان زشت او جہانسوزی کند
رہ نہ جانے، رہنمائی کو بڑھے
جان اس کی اک جہاں کو پھونک دے

طفل راہ فقر چوں پیرے گرفت
پیروانرا غول ادبیرے گرفت
طفل راہ فقر مثل پیر سے
پیروؤں پہ نحوست ادبار آ پڑے

کہ بیا تا ماہ بنمایم ترا ماہ را ہرگز ندید آں مفترے
ہاں یہاں آ چاند دکھلاؤں تجھے اور نہ دیکھے خود ہی جھوٹے چاند کے

چوں نشانی چوں ندیدستی بعمر عکس مہ و آفتابم اے خام غمر
کیا دکھائے تو سے جب دیکھا نہیں عکس مہ باقی ہیں ہم اے بد یقیں

احمقاں سرور شدند و ز بیم عاقلاں سرہا کشیدہ در گلیم
بن گئے سردار احمق خوف سے عقل والے اپنے کمبل میں چھپے

آیۂ "یا ایہا المزمل" کی تفسیر

خواند مزمل نبی را زیں سبب کہ بروں آ از گلیم اے بوالہرب
یوں نبی کو حق نے مزمل کہا باہر آ کمبل سے اے رنج آشنا

سر مکش اندر گلیم و رو مپوش کہ جہاں جسمیست سرگرداں تو ہوش
تو نہ اپنا چہرہ کمبل میں چھپا جسم ہے دنیا، تو ہوش اس کا بنا

ہیں مشو پنہاں ز ننگ مدعی کہ تو داری نور وحی شعشعی
ہو نہ پنہاں مدعی کے ننگ سے کیونکہ نور وحی کی تو ضو رکھے

ہیں قم اللیل کہ شمعی اے ہمام شمع دائم شب بود اندر قیام
ہو کھڑا شب کو تو ہے شمع انام رات ہی کو شمع کرتی ہے قیام

بے فروغت روز روشن ہم شبست بے پناہت شیر اسیر ارنبست
بے ترے ہے روز روشن شب بنا شیر ہے خرگوش کا قیدی بنا

باش کشتیباں دریں بحر صفا کہ تو نوح ثانیی اے مصطفےٰ
تو ہو کشتی والا دریا ئے صفا نوح ثانی تو ہوا اے مصطفےٰ

رہ شناسے مے بباید با لباب ہر رہے را خاصہ اندر راہ آب
چاہئے ہر رہ میں صاحب عقل رہنما خاص اس میں جو کہ ہو رہ آب کا

خیز و بنگر کاروان رہ زدہ	غول کشتیبان ایں بحر آمدہ
دیکھ اٹھ کر قافلہ بھٹکا ہوا	غول کشتی بان بنا اس بحر کا
خضر وقتی غوث ہر کشتی توئی	ہمچو روح اللہ[1] مکن تنہا روی
خضر وقت اور غوث ہر کشتی تو ہے	مثل روح اللہ نہ کر تنہا روی
پیش ایں جمعی چو شمع آسماں	انقطاع و خلوت آری را بماں
اس جماعت بیچ تو شمع آسماں	ترک خلوت کر، نہ چھوڑ اس کو یہاں
وقت خلوت نیست اندر جمع آ	اے ہدیٰ چوں کوہ قاف و تو ہما
وقت خلوت کا نہیں جلوت میں آ	اے ہدایت کوہ قاف اور تو ہما
بدر بر صدر فلک شد شب رواں	سیر را نگذارد از بانگ سگاں
چاند شب بھر چرخ پر چلتا رہے	سیر کب چھوڑے سگوں کی بانگ سے
طاعناں ہمچوں سگاں بر بدر تو	بانگ می دارند سوئے صدر تو
طعنہ زن کتے ہیں تیرے چاند پر	بھونکتے ہیں تیرا رتبہ دیکھ کر
ایں سگاں کرند از امر انصتوا[2]	از سفہ وعوع کناں بر بدر تو
کتے امر انصتوا سے ہیں یہ کر	بھونکتے ہیں تیرے نور بدر پر
ہیں بمگذار اے شفا رنجور را	تو ز خشم کر عصائے کور را
اے شفا، رنجور سے غافل نہ ہو	اے عصا رستہ دکھا تو کور کو
نے تو گفتی قائد اعمیٰ براہ	صد ثواب و اجر یابد از الٰہ
تو نے کہتا کور کا ہو رہبر جب	پائے گا اللہ سے اجر و جزا
ہر کہ او چل گام کورے را کشد	گشت آمرزیدہ و یابد رشد
رہبر اندھے کا جو چالیس گام	اس کی بخشش میں نہیں کوئی کلام

---

[1] یعنی جس طرح حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام تنہا پھرنے کے عادی تھے [2] یعنی چپ ہو جاؤ

پس بکش تو زین جہان بیقرار ۔ جوق کوران را قطار اندر قطار
پس جہان مضطرب کو کھینچ لے ۔ صف بصف اس میں ہیں اندھے کھڑے

کار ہادی این بود تو ہادئی ۔ ماتم آخر زمان را شادئی
کام یہ ہادی کا ہے ہادی ہے تو ۔ عہد آخر کے لئے شادی ہے تو

ہین روان کن اے امام متقین ۔ این خیال اندیشگان را تا یقین
ہاں تو لے چل اسے امام متقین ۔ ان خیال اندیشوں کو بس تا یقین

ہر کہ در مکر تو دارد دل گرو ۔ گردنش را من زنم تو شاد شو
جو دغا کی فکر میں تجھ سے رہے ۔ خوش رہ تو میں کاٹوں گا ان سب کے گلے

بر سر کوریش کوریہا نہم ۔ او شکر پندارد و زہرش دہم
اس کے اندھے پن پہ اندھاپن رکھوں ۔ وہ شکر سمجھے میں اس کو زہر دوں

عقلہا از نور من افروختند ۔ مکرہا از مکر من آموختند
عقلیں میرے نور سے ہیں نور زاد ۔ مکر میرے مکر سے ہیں اوستاد

چیست خود آلاچق این ترکمان ۔ پیش پائے نرّہ پیلان جہان
کیا ہیں آخر گھاس کے یہ جھونپڑے ۔ ہاتھیوں کی ٹھوکروں کے سامنے

آن چراغ او بہ پیش صرصرم ۔ خود چہ باشد اے مہیں پیغمبرم
وہ چراغ ان آندھیوں کے سامنے ۔ اے پیمبر کیا ہیں تو خود سوچ لے

خیز در دم تو بصور سہمناک ۔ تا ہزاران مردہ بر روید زخاک
ہولناک اک صور ایسا پھونک دے ۔ تا ہزاروں مردے نکلیں خاک سے

چون تو اسرافیل وقتی راست خیز ۔ رستخیزے ساز پیش از رستخیز
تو تو اسرافیل ہے اس دور کا ۔ اک قیامت قبل محشر کر بپا

ہر کہ گوید کو قیامت اے صنم ۔ خویش بنما کہ قیامت نک منم
پوچھے گر کوئی قیامت کا فسوں ۔ کہہ دے اس سے تو قیامت میں ہی ہوں

ور نگر اے سائل محنت زدہ	زیں قیامت صد جہاں قائم شدہ
غور کر اے سائل محنت فشاں	اس قیامت سے ہیں قائم سو جہاں
ور نباشد اہل ایں ذکر و قنوت	پس جواب الاحمق اے سلطاں سکوت
گر نہ ہو حیثیت ذکر و بیاں	تو ہے خاموشی جواب جاہلاں
ز آسمان حق سکوت آید جواب	چوں بود جانا دعا نا مستجاب
گو خموشی آسماں کا ہے جواب	ہو جیسی سچی دعا نا مستجاب
اے دریغا وقت خرمنگاہ شد	لیک روز از بخت ما بیگاہ شد
ہائے گزرا وقت خرمن گاہ کا	بد نصیبی تھی کہ وقت آخر ہوا
وقت تنگست و فضائے ایں کلام	تنگ مے آید برو عمر دوام
وقت ہے تنگ اور لمبا ہے کلام	تھوڑی ہے اس کے لئے عمر دوام
نیزہ بازی اندریں کہائے تنگ	نیزہ بازاں را ہمے آرد بہ تنگ
نیزہ بازی تنگ وادی میں ہو گیا	نیزہ بازوں کو بھی ہو وقت سوا
وقت تنگ و خاطر و فہم عوام	تنگ تر صد رہ ز وقت است اے غلام
وقت ہے تنگ اور خاطر و فہم عوام	وقت سے بھی تنگ تر ہے اے غلام
چوں جواب احمق آمد خامشی	ایں درازی در سخن چوں میکشی
جب جواب احمقاں ہے خامشی	پھر طوالت ہے فضول اس ذکر کی
حق ز بحر رحمت و موج کرم	میدہد ہر شورہ را باراں نعم
بحر رحمت سے خدا کرے کرم	دیتا ہر بنجر کو ہے باران نعم

ایک بادشاہ اور اس کا غلام

بادشاہے بود او را بندۂ	مردۂ عقلے بود و شہوت زندۂ
تھا غلام اک شاہ کا نوجوان سے	زندہ تھا شہوت سے مردہ عقل سے

خردہائے خدمتش نگذاشتے	**بدسگالیدے نکو پنداشتے**
اور تھی ادنیٰ خدمتوں سے تھا پھرا	بدسگالی کو تھا نیکی جانتا
گفت شاہنشہ جرایاتش کم کنید	**ور بجنگد نامش از خط بر زنید**
شاہ بولا ۔ جو وظیفہ اس کا کم	اور رہے تو نام پہ پھیرو قلم
عقل او کم بود و حرص او فزون	**چوں جرے کم دید شد تند و حرون**
عقل کم تھی حرص تھی اس کی فزوں	تھا وظیفہ کی کمی سے وہ زبوں
عقل بودے گرد خود کردے طواف	**تا بدیدے جرم خود گشتے معاف**
عقل ہوتی اپنا خود کرتا طواف	جانتا جرم اور کرا لیتا معاف
چوں خرے پابستہ تندد از خرے	**ہر دو پایش بستہ گردد از سرے**
تھا وہ پابستہ گدھے کی طرح سے	جس کے دونوں پاؤں ہوں رسی سے بندھے
پس بگوید خر کہ یک بندم بس است	**خود بداں کاں دو ز فعل ایں خس است**
پھر کہے خر ۔ بند کافی ایک ہے	اور یہ دو بنداں ہیں اپنا کیا
گر بدیدے تیز بنداں چشم کور	**بند بر وے سخت نہ بستندے بزور**
بندکا بھید اندھا جانتا	بند میں ہوتا نہ ہرگز مبتلا
ور ز جرم بند پا آگہ بدے	**خود ز بند دست و پا ایمن شدے**
جرم پابندی اگر بھانپتا	قید دست و پا سے ہو جاتا رہا
ورنہ تندیدے ز بند آں ابو الفضول	**اور نہ خر بودے بدے شیر فحول**
ورنہ دو بندوں میں پھنس کر جاتا گر	شیر ہوتا پھر تو کیوں ہوتا وہ خر

خلقت کی تین قسمیں

در حدیث آمد کہ یزدان مجید	**خلق عالم را سہ گونہ آفرید**
قول پیغمبر ہے ۔ حق نے اے اخی	کی رکھی پیدا تین قسمیں خلق کی

یک گروہ را جملہ علم و عقل و جود   او فرشتہ است و نداند جز سجود
مل گئے اک کو تو علم و عقل و جود   وہ فرشتہ ہے، نہ جانے جز سجود
نیست اندر عنصرش حرص و ہوا   نور مطلق زندہ از عشق خدا
اس کے عنصر میں نہیں حرص و ہوا   نور مطلق زندۂ عشق خدا
یک گروہ دیگر از دانش تہی   ہمچو حیواں از علف در فربہی
عقل سے خالی جماعت دوسری   ہے وہ حیواں چارہ سے ہے فربہی
او نہ بیند جز کہ اصطبل و علف   از شقاوت غافلست و از شرف
جانے کیا اصطبل و چارہ کے سوا   وہ شرف یا شر سے ہے ناآشنا
زاں سوم ہست آدمی زاد و بشر   از فرشتہ نیمے و نیمیش خر
اور جماعت تیسری ہے آدمی   نصف حیواں نصف قدسی ہے اٹھی
نیم خر خود مائل سفلی بود   نیم دیگر مائل علوی شود
مائل پستی ہے سمجھ کر نیم خر   ہے علو کا عشق نصف دگر
تا کدامیں غالب آید در نبرد   زیں دوگانہ تا کدامیں برد نرد
کون دیکھیں جنگ میں غالب رہے   کون بازی جیتے ان میں دیکھئے
عقل اگر غالب شود پس شد فزوں   از ملائک ایں بشر در آزموں
عقل اگر غالب ہوئی تو بڑھ گیا   قدسیوں سے بھی یہ انساں بڑھا
شہوت ار غالب شود پس کمتر است   از بہائم ایں بشر زاں کابتر است
اور شہوت کا اگر غلبہ ہوا   تو بہائم سے بھی انساں گھٹ گیا
آں دو قوم آسودہ از جنگ و حراب   ویں بشر با دو مخالف در عذاب
ہیں گروہ دونوں سکوں سے کامیاب   آدمی دو دشمنوں میں ہے خراب
ویں بشر ہم ز امتحاں قسمت شدند   آدمی شکلند و سہ امت شدند
پھر یہ انساں بھی بروئے امتحاں   منقسم ہیں تین قسموں پر یہاں

یک گروہ مستغرق مطلق شدہ
ہمچو عیسیٰ با ملک ملحق شدہ
اک جماعت مطلقاً محو خدا
مثل عیسیٰ ہے ملائک آشنا

نقش آدم لیک معنی جبرئیل
رستہ از خشم و ہوا و قال و قیل
ظاہرا انساں ہے باطن جبرئیل
حرص ہے اس میں نہ خشم و قال و قیل

از ریاضت رستہ وز زہد و جہاد
گوئیا کز آدمی او خود نزاد
وہ جہاد و زہد سے آزاد ہے
تو کہے کیونکر وہ آدم زاد ہے

قسم دیگر با خراں ملحق شدند
خشم محض و شہوت مطلق شدند
قسم دیگر مل گئی حیوان سے
خشم محض و شہوت مطلق رہے

وصف جبریلی در ایشاں بود رفت
تنگ بود آں خانہ و آں وصف زفت
وصف جبریلی اگرچہ ان میں تھا
ظرف کی تنگی سے پہ جاتا رہا

مردہ گردد شخص چوں بے جاں شود
خر شود چوں جان او بے آں شود
مردہ ہے ہر جسم جب بے جاں ہوا
جان نکلی رہ گیا کورا گدھا

زاغ گردد چوں پئے زاغاں رود
جسم گردد جاں چو او بے آں شود
کوا ہو جو کوؤں کے پیچھے چلے
جان تو جیتی ہے بے اس وصف کے

زانکہ جانے کاں ندارد ہست پست
ایں سخن حق ست و صوفی گفتہ است
پست ہے وہ جاں نہیں جس میں بقا
یہ مقولہ سچ ہے صوفی نے کہا

او ز حیوانہا فزونتر جاں کند
در جہاں باریک کاریہا کند
بڑھ کے حیوانوں سے وہ گھیرے جہاں
اور کرے سو طرح مینا کاریاں

مکر و تلبیسے کہ او داند تنید
آں ز حیوان دگر ناید پدید
اس میں ہو جو مکر و حیلہ بالیقیں
دوسرے حیواں سے ہو سکتا نہیں

جامہائے زرکشی را بافتن
دُرہا از قعر دریا یافتن
کپڑے بننا زرنگار اور غرق زر
اور لانا قعر دریا سے گہر

خردہ کاریہائے علم ہندسہ	یا نجوم و علم طب و فلسفہ
ہندسہ دانی کی خردہ کاریاں،	فلسفہ۔ طب، اور نجوم اے نوجواں
کاں تعلق با ہمیں دنیاستش	رہ بہفتم آسماں بر نیستش
ہے اسی دنیا سے کچھ نسبت جنہیں	چرخ ہفتم پر وہ کیونکر جا سکیں
ایں ہمہ علم بنائے آخر است	کہ عماد بود گاو و اشتر است
علم یہ سب اک بنا ہیں گھاس کی	اونٹ گائے کے ستون زندگی
بہر استبقائے حیواں چند روز	نام آں کردند ایں گیجاں رموز
تا مقیم اس میں ہوں انساں چند روز	رکھا اس کا نام دنیا اور موز[1]
علم راہ حق و علم منزلش	صاحب دل داند آں را با دلش
علم منزل علم راہ سمجھا یا	اہل دل اور اس کا دل ہے جانتا
پس دریں ترکیب حیوان لطیف	آفرید و کرد با دانش الیف
ہیں اسی ترکیب سے انسان کو	دیکھے دانائی کیا پیدا سنو
نام کالانعام کرد آں قوم را[2]	زانکہ نسبت کو بہ یقظہ نوم را
پھر لقب اُن کو دیا انعام کا	خواب کو نسبت ہے بیداری سے کیا
روح حیوانی ندارد غیر نوم	حسہائے منعکس دارند قوم
روح حیواں صرف جانے نیند کو	منعکس ہیں اس کی حسیں جان کو
یقظہ آمد نوم حیوانی نماند	انعکاس حس خود از لوح خواند
آئی بیداری تو سونا چل دیا	لوح سے وہ عکس حس کا پڑھ لیا

---

[1] کسی کے گھر میں بے اجازت جانا۔

[2] کی قولہ تعالیٰ:- اُولٰئک کالانعام بل ھم اضل سبیلاً۔ یعنی وہ لوگ مثل چوپایوں کے ہیں بلکہ وہ اُن سے زیادہ گمراہ ہیں۔

ہمچو حِس آنکہ خواب او را ربُود
چوں شد او بیدار عکس او نمود

اس کی حس کی طرح جو بس سو گیا
جبکہ جاگا، عکس اُس حس کا پڑا

لاجرم اسفل بود از سافلین
ترک او کن لا یحب الآفلین[1]

پست تر پستوں سے ہے وہ بالیقین
چھوڑ اس کو لا یحب الآفلین

نجاست نجاست کیطرف بڑھتی ہے

زانکہ استعدادِ تبدیل و نبرد
بودش از پستی و آنرا فوت کرد

کیونکہ زہرہ جنگ اور تبدیل کا
پستیوں سے تھا گیا اُس کو فنا

باز حیواں را چو استعداد نیست
عذر او اندر بہیمی روشنی ست

چونکہ استعداد حیواں میں نہیں
عذر ہے حیوانیت کا دل نشیں

زو چو استعداد شد کاں رہبرست
ہر غذائے کہ خورد مغز خرست

جبکہ استعداد ہی رہبر نہیں
کھائے جو کچھ مغز خر ہے بالیقیں

گر بلادر خورد او افیوں شود
سکتہ و بے عقلیش افزوں شود

ہے بلادر تواں بھی افیم اُس کے لئے[2]
جس سے سکتہ اور بے عقلی بڑھے

ماند یک قسم دگر در اجتہاد
نیم حیواں نیم حی با رشاد

تیسری قسم ان کی اہل اجتہاد
نیم حیواں نیم یادِ حق سے شاد

نفس اور عقل کی لڑائی

روز و شب در جنگ اندر کشمکش
کردہ چالیش اوّلش با آخرش

رات دن ہیں کش مکش میں جنگ کی
پہلوں پچھلوں میں لڑائی چھڑ گئی

---

[1] اللہ تعالیٰ فرو ہو جانے والی چیزوں کو دوست نہیں رکھتا ہے۔

[2] حالانکہ بلادر تواں بہ سبب گرم خشک ہونے کے نیند نہیں آنے دیتا۔

ہمچو مجنوں در تنازع با شتر	گر شتر چربید دگر مجنون حرؔ
جس طرح مجنوں سے ہو جنگ شتر	گر شتر غالب کبھی مجنون حر[1]
ہمچو مجنونند و چوں ناقہ اش یقین	میکشد آں پیش و آں واپس بکیں
مثل مجنوں اور ناقہ اہل کیں	کھینچتے ہیں آگے پیچھے بالیقیں
میل مجنوں پیش آں لیلی رواں	میل ناقہ پس پئے طفلش دواں
خواہش مجنوں ہے لیلیٰ میں رواں	اونٹنی بچہ کے پیچھے ہے دواں
یکدم ار مجنوں ز خود غافل شدے	ناقہ گردیدے و واپس آمدے
قیس غافل اک گھڑی ہوتا اگر	ناقہ واپس جا کے لوٹ آتا ادھر
عشق و سودا چونکہ پر بودش بدن	می نبودش چارہ از بیخود شدن
جسم اس کا عشق و سودا لے گیا	بیخودی کے ماسوا چارہ نہ تھا
آنکہ او باشد مراقب عقل بود	عقل را سودائے لیلیٰ در ربود
عقل کرتی ہے مراقب بر ملا	عقل کو سودائے لیلیٰ نے اڑا
لیک ناقہ بس مراقب بود و چست	چوں بدیدے او مہار خویش سست
ناقہ لیکن تھا مراقب اور چست	دیکھتا جس دم نکیل اپنی وہ سست
فہم کردے زو کہ غافل گشت و دنگ	رو سپس کردے بکرہ بیدرنگ
بس سمجھتا وہ ہے غافل اور دنگ	دیکھتا بچے کو مڑ کر بیدرنگ
چوں بخود باز آمدے دیدے زجا	کو سپس رفتہ است بس فرسنگہا
آپ میں آتا تو پھر وہ دیکھتا	کوسوں اُس کے پیچھے ہے دوڑ گیا
در سہ روزہ رہ بدیں احوالہا	ماند مجنوں در تردد سالہا
تین دن کی راہ تھی مجنوں جہاں	تھا انہی حالوں میں برسوں نوحہ خواں

---

[1] آزاد ۔

گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم	ما دو ضد پس ہمرہِ نالائقیم
بولا اے ناقہ ہیں دونوں شیفتہ	دو ضدیں کسطرح ہونگی ایک جا
نیستت بر وفق من مہر و مہار	کرد باید از تو عزلت اختیار
کب موافق ہیں مرے مہر اور مہار	تجھ سے یکسوئی کرونگا اختیار
ایں دو ہمرہ یکدگر را راہزن	گمرہ آں جاں کو فرو ناید ز تن
دونوں ساتھی باہمی ہیں راہزن	جان ہے گمراہ جو ہو محوِ تن
جاں ز ہجر عرش اندر فاقۂ	تن ز عشق خاربن چوں ناقۂ
جان فاقے میں ہے ہجر عرش سے	خار کی الفت سے تن ناقہ بنے
جاں کشاید سوئے بالا بالہا	در زدہ تن بر زمین چنگالہا
جان کھولے سوئے بالا بال و پر	مارتا چنگل بدن ہے خاک پر
تا تو با من باشی اے مردہ وطن	پس زلیلی دور ماند جانِ من
جب تلک اے مردہ وطن ہے دوستی	جان لیلا سے رہیگی دُور ہی
روزگارم رفت زینگوں حالہا	ہمچو تیہ و قوم موسیٰؑ سالہا
عمر[1] ان حالوں میں آخر ہو گئی	قوم موسیٰؑ جیسے جنگل میں رہی
خطوتینے بود ایں رہ تا وصال	ماندہ ام در رہ ز مستی چند سال
دو قدم کی راہ تھی راہ وصال	جس میں مستی سے گئے ہیں چند سال
راہ نزدیک و بماندم سخت دیر	سیر گشتم زیں سواری سیر سیر
راہ تھی نزدیک اور پھر اتنی دیر	سیر ہوں میں لے سواری تجھ سے سیر
سرنگوں خود را ز اشتر در فگند	گفت سوزیدم ز غم تا چند چند
خود کو ناقے سے گرایا سرنگوں	اور کہا۔ غم سے میں اب کب تک جلوں

[1] یہاں سے مجنوں کی گفتگو ناقہ کے ساتھ پھر شروع ہوتی ہے۔

تنگ شد بر وے بیاباں فراخ	خویشتن افگند اندر سنگلاخ
تنگ اُس پہ وسعتِ صحرا ہوئی	پتھروں میں اپنی ہستی ڈال دی
آنچناں افگند خود را سخت زیر	کہ مخلخل گشت جسم آں دلیر
اس طرح وہ ناقہ سے نیچے گرا	جسم اس کا کھوکھلا سا ہو گیا
چوں چناں افگند خود از زیر پست	از قضا آں لحظہ پایش ہم شکست
جب وہ یوں اوپر سے نیچے گر پڑا	اتفاقاً پا شکستہ ہو گیا
پائے را بربست و گفتا گو شوم	در خمِ چوگانش غلطاں میروم
پاؤں باندھا اور کہا گیند اب بنوں	لوٹتا میداں میں اُس کے پھروں
زیں کند نفریں حکیم خوش دہن	بر سواری کو فرو ناید ز تن
اس لئے کرتے ہیں نفرت ہوشیار	اُن سواروں سے جو تن پر ہیں سوار
عشق مولیٰ کے کم از لیلیٰ بود	گوے گشتن بہر او اولیٰ بود
عشق مولیٰ کب ہے کم اس عشق سے	گیند بنا خوب اسی کے واسطے
گوئے شو می گرد بر پہلوئے صدق	غلط غلطاں در خمِ چوگانِ عشق
گیند بن جا صدق کے ارمان میں	لوٹتا پھر عشق کے میدان میں
کایں سفر زیں پس بود جذبِ خدا	واں سفر بر ناقہ باشد سیر ما
یہ سفر ہو بعد ازاں جذبِ خدا	وہ سفر ناقہ کا تو اک سیر تھا
ایں چنیں سیریست مستثنیٰ ز جنس	کایں فزود از اجتہادِ جن و انس
جنس ہی اس سیر کی کوئی نہیں	بڑھ گئی ہر انس و جن سے بالیقیں
ایں چنیں جذبیست نے ہر جذبِ عام	کہ نہادش فضلِ احمد والسلام
ہے یہ جذبِ خاص کب ہے جذبِ عام	یہ طفیلِ مصطفےٰ ہے۔ والسلام
قصہ کوتہ کن برائے آں غلام	کو سوئے شہ بر نبشتہ است او پیام
قصہ کر کوتاہ کر ذکرِ غلام	جس نے سوئے شاہ بھیجا ہے پیام

اس غلام کا بادشاہ کو رقعہ بھیجنا

رقعۂ پر جنگ و پر مستی و کیں
می‌فرستد پیش شاہ نازنیں

ایک رقعہ جس میں تھی جنگ اور کیں
اس نے بھیجا سوئے شاہ نازنیں

کالبد نامہ است اندر وے نگر!
ہست لائق شاہ را آنگہ ببر

جسم بھی نامہ ہے اس پہ غور کر
لائق شہ ہو تو اس کو بھیج ادھر

گوشۂ رو نامہ را بکشا بخواں
ہیں کہ حرفش ہست درخورد شہاں

نامہ تنہائی میں پڑھ کر دیکھ لے
حرف بھی شاہوں کے لائق ہیں کہ نے

گر نباشد درخور او پارہ کن
نامۂ دیگر نویس و چارہ کن

ہوں نہ اس قابل تو پھر پرزے اڑا
دوسرا اک نامہ لکھ کر اور لا

لیک فتح نامۂ تن زیب مداں
ورنہ ہر کس سرِّ دل دیدے عیاں

نامۂ تن کی فکر آساں نہ جان
ورنہ ہوتا رازِ دل سب پہ عیاں

نامہ بکشادن چہ دشوارست و صعب
کارِ مردانست نے طفلان لعب

ہے بہت دشوار نامہ کھولنا
کام بچوں کا نہیں ہے مرد کا

جملہ بر فہرست قانع گشتہ ایم
زانکہ در حرص و ہوا آغشتہ ایم

ہم تو سب قانع ہیں اک فہرست پہ
ہیں بھرے حرص و ہوا میں سر بسر

باشد آں فہرست دامے عامہ را
تا چناں دانند متن نامہ را

ہے بھی فہرست دامِ خلق عام
تا کہ متن نامہ کو سمجھیں تمام

باز کن سر نامہ را گردن متاب
زیں سخن واللہ اعلم بالصواب

کھول سر نامہ نہ کھا تو پیچ و تاب
اس سے اور واللہ اعلم بالصواب

ہست آں عنواں چو اقرار زباں
متن نامہ سینہ را کن امتحاں

چونکہ ہے عنوان اقرار زباں
متن ہے سینہ کر اس کا امتحاں

کہ موافق ہست با اقرارِ تو   تا موافق دار نبود کارِ تو
کیا موافق ہے ترے اقرار سے   تا نہ تیرے کام میں جھگڑا پڑے
چوں جوال بس گرانے میبری   زاں نباید کم کہ در وے بنگری
گون جب تو اتنی بھاری لے چلے   کم سے کم اب دیکھ لینا چاہیئے
تا چہ داری در جوال از تلخ و خوش   گر ہمی ارزد کشیدن را بکش
گون میں کیا کیا ہے اچھا یا برا   لادنے کے ہو جو قابل - لادنا
ورنہ خالی کن جوالت راز سنگ   باز خر خود را ازیں پیکار و ننگ
گون خالی پتھروں سے وہ کر   اور جنگ و ننگ سے کرلے عذر
در جوال آں کن کہ میباید کشید   سوئے سلطاناں و شاہان رشید
گون میں وہ بھر جو بھرنا چاہیئے   جو ہو لائق شاہ اور سلطان کے
زشت نبود کایں جوال مردہ ریگ   ہیچ تی و باشد آنہم نزد ریگ
گون کو ناچیز شے سے بھر لیا   ریت بھر کے بھرے اس کو کھینچنا
چوں ہمیانی کہ پر لعلش کنی   ہم تہی بہتر جو ہم جنس تہی
لعل سے بھرتا نہیں گر جانِ من   خالی بہتر۔ تو جو ہے ہم جنسِ تن

ایک بڑی پگڑی والے فقیہ کی کہانی

یک فقیہے ژندہا بر چیدہ بود   در عمامہ خویش در پیچیدہ بود
چیتھڑے اک مولوی نے کچھ چنے   سب وہ عمامے کے اندر رکھ لئے
تا شود زفت و نماید آں عظیم   چوں در آید سوئے محفل در حطیم
تا کہ عمامہ نظر آئے عظیم   جبکہ ہو وہ داخل بزم حطیم کے

۱؎ یعنی خواہشات نفسانی میں غرق۔
۲؎ کعبہ کی بیرونی دیوار۔

ژندہا از جامہا پیراستہ   ظاہرا دستار ازاں آراستہ
چیتھڑوں کو ایسا کیا آراستہ   سج گئی دستار اس کی ظاہرا
ظاہر دستار چوں حُلّۂ بہشت   چوں مُنافق اندروں رسوا و زشت
پگڑی تھی ظاہر میں حلۂ خلد کا   جوں منافق باطن اس کا تھا بُرا
پارہ پارہ دلق و پنبہ و پوستیں   در درونِ آں عمامہ بُد دفیں
پوستیں گدڑی کے ٹکڑے اور روئی   اُس نے عمامہ کے اندر تھی بھری
روئے سوئے مدرسہ کردہ صبوح   تا بدیں ناموس او یابد فتوح
صبح کو وہ جانب مکتب چلا   تا کہ عزت اس سے حاصل ہو ذرا
در رہِ تاریک مردے جامہ کن   منتظر استادہ بود از بہر فن
اک جگہ تاریک سا تھا راستا   گھات میں واں اک اچکا تھا کھڑا
در ربود او از سرش دستار را   پس دواں شد تا بسازد کار را
اس کی پگڑی لے کے وہ چلتا ہوا   بھاگا تا کچھ کام سے اپنا بنا
پس فقیہش بانگ بر زد کاے پسر   باز کن دستار را آنگہ ببر
چیخا عالم پھر تو اے جانا پسر   دیکھ لے پگڑی کو پہلے کھول کر
ایں چنیں کہ چار پرّہ می پری   باز کن آں ہدیہ را کہ میبری
جس کو لیکر یوں تو جاتا ہے اُڑا   کھول کر تو دیکھ وہ تحفہ ہے کیا
باز کن آں را بدست خود بمال   آنگہاں خواہی ببر کردم حلال
اپنے ہاتھوں سے تو کھول اور مل اُسے   پھر جو چاہے ۔ لے جا جا ترے لیے
چونکہ بازش کرد آنکہ میگریخت   صد ہزاراں ژندہ اندر رہ بریخت
بھاگتے میں اس نے کھولا جب اُسے   راستے میں لاکھ چیتھڑے گر پڑے
زاں عمامہ زفت نابایست او   ماند یک گز کہنہ در دست او
اس عمامے سے جو تھا اتنا بڑا   ہاتھ میں گز بھر کا چیتھڑا رہ گیا

بر زمین زد کہنہ را کاے بے عیار	زین دغل ما را بر آوردی زکار
بولا عالم سے زمین پر پھینک کر	کام دھوکے سے بگاڑا سر بسر
ایں چہ تزویر است و مکر است و چہ شید	کو فگندی مر مرا در قید و صید
کیسا دھوکا تھا یہ کیسا مکر تھا	جس نے مجھ کو یوں خوار اپنا کیا
شرم نامد مر ترا زیں ژندہا	از دغل بفگندیم اندر دغا
شرم چیتھڑوں سے نہ آئی تجھ کو کیوں	جو دغا میں تو نے ڈالا مجھ کو یوں
گفت بنمودم دغل لیکن ترا	از نصیحت باز گفتم ماجرا
بولا بیشک مکر تھا لیکن تجھے	ہم بطور پند تھے سمجھا چکے
ہمچنیں دنیا اگرچہ خوش شگفت	عیب خود را بانگ زد با جملہ گفت
ایسے ہی دنیا ہے گو خوش اور عجب	عیب کر دیتی ہے ظاہر اپنے سب

اہل دُنیا کو دُنیا کی نصیحت

اندریں کون و فساد اے اوستاد	آں دغل کون و نصیحت آں فساد
اس فساد و کون میں اے اوستاد	کون ہے مکر اور نصیحت ہے فساد
کون میگوید بیا من خوش پیم	واں فسادش گفت رو من لاشیم
کون کہتا ہے کہ آ خوش ہے جہاں میں	اور فساد اس کا کہ جا لاشے ہوں میں
اے ز خوبی بہاراں لب گزاں	بنگر آں سردی و زردی خزاں
اے کہ تو کھولے بہار خوش سے لب	سردی اور زردی خزاں کی دیکھ اب
روز دیدی طلعت خورشید خوب	مرگ او را یاد کن وقت غروب
دیکھتا دن بھر ہے تو خورشید خوب	موت اس کی یاد کر وقت غروب
بدر را دیدی بریں خوش چار طاق	حسرتش را ہم ببیں وقت محاق
چرخ پہ دیکھے ہیں جلوے بدر کے	دیکھ حسرت اس کی جب دم وہ گھٹے

کودکے از حسن شد مولائے خلق	بعد فردا شد خرف رسوائے خلق
حسن سے لڑکا ہوا آقائے خلق	جب ہوا بوڑھا ہوا رسوائے خلق
گر تن سیمیں بران کردت شکار	بعد پیری بیں تنے چوں پنبہ زار
گر ہوا سیمیں تنوں کا تو شکار	بعد پیری دیکھیگا تن پنبہ زار
اے بدیدہ لوتہائے چرب خیز	فضلۂ آنرا بہ بیں در آبریز
چکنی چکنی دیکھتا ہے کیا غذا	اُس کا فضلہ دیکھ موری میں ذرا
مرخبیث را گو کو آں خوبیت کو	در فریب آں حسن و مرغوبیت کو
پوچھ اُس سے اب ہے وہ خوبی کہاں	حسن میں باقی ہے مرغوبی کہاں
برطبق کو عشوہ و نرمی و خوت	پرسپد کو جلوہ و نغزی و بوت
اب کہاں وہ عشوہ و نرمی کی خو	اب کہاں وہ جلوۂ رعنا کی بو
گوید آں دانہ بُد و من دام آں	چوں شدی تو صید دانہ شد نہاں
وہ کہے وہ دانہ تھا ۔ میں دام تھا	جب ہوا تو صید دانہ چھپ گیا
پس ازاہل رشک اُستاداں شدہ	در صناعت عاقبت لرزاں شدہ
انگلیاں صنعت میں جو استاد تھیں	آخر کار ایک دن لرزاں ہوئیں
نرگس چشم خماری ہمچو جاں	آخر اعمش بیں و آب از وے چکاں
نرگسی جو آنکھ تھی مانند جاں	ڈھلکی آخر اس سے ہے پانی رواں
حیدرے کاندر صف شیراں رود	آخر او مغلوب موشے می شود
جنگ جو شیروں کی صف میں جائے جو	آخر اک چوہے سے وہ مغلوب ہو
طبع تیز و دور بین و محترف	چوں خر پیرش ببیں آخر خرف
تیز طبع و دور بیں صناع کو	دیکھ اک بوڑھا گدھا صاحب ضعف ہو
زلف وجعد مشکبار عقل بر	آخر او چوں دم زشت پیر خر
مشک بو وہ زلف جو تھی عقل تاب	بوڑھے خر کی دُم کی صورت ہو خراب

خوش ببیں کونش زاوّل باکشاد	وآخر آں رسوائیش بیں وفساد
پہلے اس کے کون کو تھا اک کشاد	اور ہے انجام رسوائی فساد
زانکہ او بنمود پیدا دام را	پیش تو برکند سبلت خام را
کیونکہ اس نے جال پھیلا کے کھلے	کی فضیحت ان کی جو الجھن میں پھنسے
پس مگو دنیا بتزویرم فریفت	ورنہ عقل من زدانہ می شگیفت
پس نہ کہہ دنیا نے دی مجھ کو دغا	ورنہ مجھ کو صبر اک دانے سے تھا
طوق زریں و حمائل بیں ہلہ	غل و زنجیرے شناست و سلسلہ
وہ حمائل اور طوقِ زر نگار	بن گیا زنجیر و غل[1] انجام کار
ہمچنیں ہر جزو عالم می شمر	اوّل و آخر در آرش در نظر
کر یونہی ہر جزو عالم پہ نظر	اوّل و آخر پہ اس کے غور کر
ہر کہ آخر بیں ترا و مسعود تر	ہر کہ آخُر بیں ترا و مطرود تر
جو کہ آخر بیں ہے وہ مسعود ہے	جو حریصِ دانہ ہے مردود ہے
روئے ہر یک چوں مہِ فاخر ببیں	چونکہ اوّل دیدہ آخر ببیں
سب کا منہ مثلِ مہِ خوش کام دیکھ	دیکھ کر آغاز پھر انجام دیکھ
تا نباشی ہمچو ابلیس اعورے	نیم بیند نیم نے چوں ابترے
ہو نہ کانا مثلِ ابلیس لعیں	جس نے آدھا دیکھا اور آدھا نہیں
دید طین آدم و دینش ندید	ایں جہاں دید آں جہاں بینش ندید
دیکھی خاکِ آدم۔ ان کا دیں نہیں	یہ جہاں دیکھا نہ بینش بالیقیں
فضلِ مرداں بر زناں اے بوشجاع	نیست بہرِ قوت و کسب و ضیاع
مرد عورت سے ہے افضل بالیقیں	پہ کمائی اور کھیتی سے نہیں

---

[1] طوق ۔

ورنہ شیر و پیل را بہ آدمی
فضل بودے بہر قوت اے عمی
ورنہ شیر اور فیل کو انسان پہ
افضلیت ہوتی سوچ اے بیخبر

فضلِ مردان بر زنان ایحالی پرست
زاں بود کہ مرد پایاں بیں تر است
مرد زن سے اس لئے افضل ہوا
کیونکہ وہ ہے دور بیں اس سے سوا

مرد کاندر عاقبت بینی خمست
او ز اہلِ عاقبت چوں زن کمست
مرد جو ہو عاقبت بینی میں خم
دور بینوں سے وہ مثلِ زن ہے کم

از جہاں دو بانگ می آید بضد
تا کدامیں را تو باشی مستعد
اس جہاں کی دو صدائیں ہیں جدا
کون سی آواز پر تو ہے فدا

آں یکے بانگش نشورِ اتقیا
واں دگر بانگش فریب اشقیا
اک صدا اس کی حیاتِ متقی
دوسری آواز ہے مکرِ شقی

بانگِ خارو بانگِ اشگوفہ شنو
بعد ازاں شو بانگِ خارش را گرو
سن شگوفوں اور کانٹوں کی صدا
پھر صدائے خار پہ ہو مبتلا

من شگوفہ خارم اے فخر کبار
گل بریزد من بمانم شاخ خار
ہوں شگوفہ اور کانٹا اے نگار
پھول جھڑ جائیں رہوں میں شاخِ خار

بانگِ اشگوفہ اش کہ اینک گلفروش
بانگِ خارِ او کہ سوئے ما مکوش
ہے شگوفے کی صدا ہیں پھول یاں
کانٹا کہتا ہے نہ آ ہرگز یہاں

ایں پذیرفتی بماندی زاں دگر
کہ محب از ضدِ محبوب است کر
اس کو چھوڑیگا اگر اس کی سنی
بہرا عاشق ضد سے ہے محبوب کی

آں یکے بانگ ایں کہ اینک حاضرم
بانگِ دیگر بنگر اندر آخرم
ایک کہتا ہے کہ میں حاضر ہوں آ
دوسرا کہتا ہے دیکھ آخر مرا

حاضری ام ہست ہمچو مکر و کمیں
نقشِ آخر ز آئینہ اول ببیں
حاضری میری ہے مثلِ مکر و کمیں
آئینے میں دیکھ نقشِ آخریں

چوں یکے زیں دو جواں اندر شدی
آں دگر را ضد و نا در خور شدی
دونوں گوتوں سے جو اک میں تو گیا
دوسری کے پھر تو ناقابل ہوا
اے خنک آنکو زاوّل آں شنید
کش عقول و مسمع مرداں شنید
وہ مبارک جس نے پہلے سے سنا
جو عقیلوں اور مردوں نے سنا
خانہ خالی یافت اوراجاگرفت
غیرآنش کژ نماید ناشگفت
جیسے خالی گھر میں کوئی جا گھسے
غیر اس کا اس کو کج دکھلائی دے
کوزۂ نو کو بخود بولے کشد
آں خبث را آب نتواند برد
جذب جو کوزہ کرے پیشاب کو
پاک پھر پانی سے وہ ہرگز نہ ہو
درجہاں ہر چیز چیزے را کشد
کفر کافر را و مرشد را رشد
ایک جاذب دوسرے کا ہے یہاں
کفر کافر کو رشد مرشد کو یاں
درجہاں ہر چیز چیزے جذب کرد
گرم گرمے را کشید و سرد سرد
جاذب ہر شے ہے ہر شے نیک مرد
گرم کھینچے گرم کو ٹھنڈے کو سرد
کہربا ہم ہست و مغناطیس ہست
تا تو آہن یا کہی آئی بشست
جذب مغناطیس ہے اور کہربا
لوہا ہو یا کاہ تو کھنچ جائے گا
بُرد مغناطیس ار تو آہنی
ور کہی بر کہربا ہم می تنی
ہے اگر لوہا تو مغناطیس سے
کاہ ہے تو کہربا کھینچے تجھے
آں یکے چوں نیست با اخیار یار
لاجرم شد پہلوئے فجار جار
جو نہیں نیکوں کا اس دنیا میں یار
وہ بدوں کے ساتھ ہے انجام کار
واں یکے را صحبت خار اختیار
لاجرم شد پہلوئے ہر خار خار
جس نے کی خاروں کی صحبت اختیار
وہ ہوا ہر خار کے پہلو میں خار

ـه ہدایت ۔

ہست موسیٰ پیش قبطی بس ذمیم   ہست ہاماں پیش سبطی بس رجیم
قبطیوں[1] کے آگے موسیٰ تھے بُرے   اور ہاماں سبطیوں[2] کے سب تھے
جان ہاماں جاذبِ قبطی شدہ   جانِ موسیٰ طالبِ سبطی شدہ
جانِ ہاماں جاذبِ قبطی ہوئی   جان موسیٰ طالب سبطی ہوئی
معدۂ خر کہ کشد در اجتذاب   معدۂ آدم جذوبِ گندم آب
معدۂ خر جذب چارے کو کرے   آدمی کا معدہ گندم کھینچ لے
گر تو نشناسی کسے را از ظلام   بنگر اورا کوش سازیداست امام
تو نہ تاریکی سے گر سمجھے تمام   دیکھ اُن کو جن کو کہتے ہیں امام
زانکہ ہر گُرّہ پئے مادر رود   تا بداں جنسیتش پیدا شود
بچہ ماں کے پیچھے جائے بار بار   تا اثر ہو جنسیت کا آشکار

عارف کی غذا نورِ حق ہے

آدمی را شیر از سینہ رسد   شیرِ خر از نیم زیرینہ بود
آدمی کو دودھ سینے سے ملے   اور گدھے کو نصف زیریں جسم سے
عدل قسّام است و قسمت کردنی ست   اے عجب کہ جبر نے و ظلم نیست
عدل ہے قسّام سب کے بخت کا   ظلم و جبر اس میں نہیں ہرگز ذرا
جبر بودے کے پشیمانی شدے   ظلم بودے کے نگہبانی بدے
جبر ہوتا تو پشیمانی تھی کیا   ظلم ہوتا تو نگہباں کون تھا
روز آخر شد سبق فردا بود   رازِ ما را روز کے گنجا بود
ڈھل گیا دن کل سبق ہوگا نیا   ایک ہی دن میں سمائے راز کیا

---

[1] اہل مصر جو آلِ فرعون اور اس کے متبعین میں سے تھے۔

[2] بنی اسرائیل کے بارہ گروہ سبطی کہلاتے تھے جو حضرت موسیٰؑ پر ایمان لائے تھے۔

حاصل آں کاندر دخول دور ایاب   در نگر واللہ اعلم بالصواب
آنے جانے میں تو سب کے ہے حجاب   غور کر۔ اللہ اعلم بالصواب

دنیا کے مغروروں اور نفس کے گرفتاروں سے خطاب

اے بکردہ اعتماد و واثقے   بر دم و بر چاپلوس فاسقے
ایکہ تجھ کو ہے بھروسہ بسر تہ   ہر فریب فاسق ناپاک پر
قبۂ بسا ختتی از حباب   آخر آں خیمہ ست سست واہی طناب
بلبلے سے ڈالی گنبد کی بنا   کس قدر ہے سست یہ خیمہ ترا
زرق چوں برقست اندر نور آں   راہ نتواند دیدن رہرواں
مکر مثل برق ہے اس میں نہاں   راہ رہرو پر نہیں ہوتی عیاں
ایں جہاں و اہل آں بیحاصل اند   ہر دو اندر بیوفائی یکدل اند
یہ جہاں ہے ہیچ اور اہل جہاں   بیوفائی میں ہیں دونوں ہمزباں
زادۂ دنیا چو دنیا بیوفاست   گرچہ رُو آرد بتو آں رو قفاست
اہل دنیا مثل دنیا بیوفا   پیٹھ اُن کی جان جب ہو سامنا
اہل آں عالم چو آں عالم ز بر   تا ابد در عہد و پیماں مستقر
اُس جہاں والے ہیں احساں سر بسر   عہد اور پیماں میں اپنے مستقر[1]
خود دو پیغمبر بہم کے ضد شدند   معجزات ہمدگر کے بستدند
دو نبی آپس میں کس دن ضد ہوئے   ایک کے کب اک نے چھینے معجزے
کے شود پژمردہ میوہ آنجہاں   شادیٔ عقبیٰ نگردو اندہاں
اس جہاں کا میوہ پژمردہ ہو گیا   ہو خوشی عقبیٰ کی کیونکر غم فزا

---

[1] قائم ؛

نفس بیعہد است زاں رو کشتنی ست	او دنی و قبلہ گاہ او دنی ست
نفس بدعہد اس لئے ہے کشتنی	وہ دنی اور قبلہ گاہ اس کا دنی[1]
نفسہا را لائق ست ایں انجمن	مردہ را در خور بود گور و کفن
نفسوں کے لائق ہے بس یہ انجمن	جیسے مردہ قابل گور و کفن
نفس اگرچہ زیرک ست و خردہ داں	قبلہ اش دنیاست او را مردہ داں
نفس اگرچہ ہے بہت باریک داں	قبلہ جو دنیا ہے اُس کو مردہ جان
آبِ وحیِ حق بدیں مردہ رسید	شد ز خاکِ مردہٗ زندہ پدید
پانی وحیِ حق کا جب اُس کو ملا	زندہ خاک مردہ سے ظاہر ہوا
تا نیاید وحی تو غرّہ مباش	تو بداں گلگونہ طال بقاش
وحی جب تک آ نہ جائے کر نہ ناز	لاکھ گلگونہ ملے۔ عمرش[2] دراز
بانگِ دیگی جو کہ آں خالی نشد	تابِ خورشیدے کہ آں آفل نشد
ڈھونڈھ اُس آواز کو جو کم نہ ہو	سورج ایسا جو کبھی مدھم نہ ہو
آں ہنرہائے دقیق و قال و قیل	قوم فرعونند اجل چوں آبِ نیل
یہ ہنر باریک اور یہ قال و قیل	قوم ہیں فرعون کی موت آبِ نیل
رونق و تاب و طرب و سحرِ شاں	گرچہ خلقاں را کشد گردن کشاں
کرّ و فر اور ان کی رونق لے اُٹھی	گو کرے مخلوق کی گردن کشی
سحرہائے ساحراں داں جملہ را	مرگ چوبے داں کہ آں شد اژدہا
جان جادوگر کا جادو بر ملا	جیسے اژدر بن گئی چوبِ قضا
جادوئیہا را ہمہ یک لقمہ کرد	یک جہاں پُر شب بد آں را صبح خورد
جادوؤں کو اس نے اک لقمہ کیا	ایک دنیا کو سحر یک کھا گیا

---

[1] کمینہ۔

[2] دنیا کو یہ درازیٔ عمر کی دعا بطور تمسخر دی گئی ہے۔

نور زاں خوردن نشد افزون و بیش بل ہماں سانست کو بود است پیش
نور کھانے سے نہ کچھ اس کا بڑھا بلکہ وہ ویسا ہی ہے جیسا کہ تھا
ور اثر افزوں شدہ در ذات نے ذات را افزونی و آفات نے
ذات میں تو کیا اثر میں بڑھ گیا ذات میں افزونی و نقصاں ہے کیا
حق ز ایجادِ جہاں افزوں نشد آنچہ اوّل آں نبود اکنوں نشد
حق نہ کچھ ایجاد عالم سے بڑھا وہ نہیں وصف اب بھی جو پہلے نہ تھا
لیک افزوں شد اثر ز ایجادِ خلق درمیانِ آں فراوانست فرق
ہاں اثر ایجاد خلقت سے بڑھا فرق بیّن درمیاں میں پڑ گیا
ہست افزونی اثر اظہارِ او تا پدید آید صفات و کارِ او
اس کا مظہر ہے فزونیٔ[1] اثر تا صفات اس کی ہوں ظاہر سر بسر
ہست افزونی ہر ذاتے دلیل کو بود حادث بعلتہا علیل
ذات ہی کی ہے ہر افزونی دلیل جو ہے حادث اور علت سے علیل
نکتہ شد باریک اینجا اے رفیق لیک بشنو تو مقالاتِ دقیق
نکتہ کچھ باریک تر یہ ہو گیا مسئلہ مشکل ہے لیکن سن ذرا
گفت موسیٰ سحر ہم حیراں کنیست چوں کنم کایں خلق را تمییز نیست
بولے موسیٰ سحر ہے حیرت فزا کیا کروں کوئی نہیں جب جانتا

فاوجس[2] فی نفسہ خیفۃ موسیٰ . . . کی تفسیر

گفت حق تمییز را پیدا کنم عقلِ بے تمییز را بینا کنم
حق کہے تمییز میں پیدا کروں عقل بے تمییز کو بینا کروں

---

[1] یعنی معلول ہر علت ؛

[2] پس موسیٰ نے اپنے نفس میں خوف پایا ؛

چونکہ معجزہات را ظاہر کنم	عقل را در دیدنش فاخر کنم
جبکہ تیرے معجزے ظاہر کروں	عقل کو اس سے پیام فخر دوں
دیدہ بخشم عقل بے تمیز را	کور سازم جاہل ناچیز را
آنکھ دوں میں عقل بے تمیز کو	کور کردوں جاہل ناچیز کو
گرچہ چوں دریا برآوردند کف	موسیا تو غالب آئی لاتخف
مثل دریا گو وہ لائیں کف مگر	غالب آئے گا تو اے موسیٰ نہ ڈر
بود اندر عہد خود سحر افتخار	چوں عصا شد مار آنہا گشت عار
جادو اپنے دور میں تھا افتخار	جب عصا اژدر بنا تھا سحر عار
ہر کسے را دعویٰ حسن و نمک	سنگِ مرگ آمد نمکہا را محک
ہوئے جس کو دعوے حسن و نمک	موت کا پتھر ہے اس کی محک
سحر رفت و معجزۂ موسیٰ گذشت	ہر دو را از بام بود افتاد طشت
سحر اور موسیٰ کا گذرا معجزا	ذکر ان دونوں کا باقی رہ گیا
بانگِ طشتِ سحر جز لعنت نماند	بانگِ طشتِ دیں بجز رفعت نماند
لعنتوں میں سحر کی شہرت رہی	دین کی شہرت مگر رفعت رہی
چوں محک پنہاں شد است از مرد و زن	در صف آ اے قلب اکنوں لاف زن
وہ کسوٹی مرد و زن سے ہیں نہاں	وقت ہے باطل جو ہو مغرور یاں
وقت لافستت محک چوں غائب است	میبرندت از عزیزی دست دست
ہے محک غائب۔ غرور و ناز کر	سب کے دل میں ہے تری عزت کا گھر
ہر دمت عزت ز نازے در فزود	چوں محک آمد چرا گشتی کبود
بڑھ رہی ہے تیری عزت ہر گھڑی	جب کسوٹی آئی رنگت کیوں اڑی
قلب میگوید ز نخوت ہر دمم	اے زرِ خالص من از تو کے کمم
کہتا ہے نخوت سے کھوٹا بالیقیں	اے زرِ خالص میں تجھ سے کم نہیں

زر ہمی گوید بلے اے خواجہ تاش　　لیک می آید محک آمادہ باش
زر یہ کہتا ہے کہ یہ سچ ہے مگر　　اب کسوٹی آ رہی ہے صبر کر
مرگِ تن ہدیہ ست بر اصحابِ راز　　زرِ خالص راچہ نقصانست گاز
مرگِ تن تحفہ ہے بہرِ اہلِ راز　　کیا زیاں دیگا زرِ خالص کو گداز
قلب اگر در خویش آخر بیں بُدے　　آں سیہ کاخر شدا و اوّل شدے
ہوتا آخر بیں جو کھوٹا خوش نگاہ　　مثلِ آخر ہوتا پہلے ہی سیاہ
چوں شدے اوّل سیہ اندر لقا　　دُور بودے از نفاق و از شقا
اور اگر پہلے ہی ہوتا وہ سیاہ　　کب وہ بدبختی سے پھر ہوتا تباہ
کیمیائے فضل را طالب بُدے　　عقل او بر زرق او غالب شدے
ہوتا طالب کیمیائے فضل کا　　غالب اُس کے مکر پہ ہوتی ذکا
چوں شکستہ دل شدے زحالِ خویش　　جابر اشکستگاں دیدے بہ پیش
دل شکستہ جبکہ ہوتا اسے قنا　　دل شکستوں میں وہ خود کو دیکھتا
عاقبت را دید او اشکستہ شد　　از شکستہ بند در دم بستہ شد
وہ شکستہ ہیں غمِ انجام سے　　اور شکستہ بندیوں سے ہیں بندھے
فضل مسہا را سوئے اکسیر راند　　آں زراندود از محک محروم ماند
مس سوئے اکسیر جا پہنچا مگر　　رہ گئے خالی محک سے اہلِ زر
اے زراندودہ مکن دعویٰ ببیں　　کہ نماند مشتریت اعمیٰ چنیں
اے زراندود اب نہ کر دعویٰ گری　　ایسا اندھا بھی نہ ہوگا مشتری
نورِ محشر چشمہا بینا کند　　چشم بندیٔ ترا رسوا کند
نورِ محشر آنکھ کو بینا کرے　　چشم بندی کو تری رسوا کرے
بنگر آنہا را کہ آخر دیدہ اند　　حسرتِ جانہا و رشکِ دیدہ اند
دیکھ ان کو جو کہ آخر بیں ہوئے　　حسرتِ جاں رشکِ دیدہ بن گئے

مگر آنہا را کہ حالی دیدہ اند
ستر فاسد ز اصل سر ببریدہ اند
ہاں نہ دیکھ ان کو جنہوں نے کر دیا
اصل سرشتہ سے ستر فاسد کو جدا

پیش حالی بیں کہ در جہلست و شک
صبح صادق صبح کاذب ہر دو یک
حال بیں کو جہل و شک سے ہو گئی
صبح صادق صبح کاذب ایک سی

صبح کاذب صد ہزاراں کارواں
داد بر بادِ ہلاکت اے جواں
صبح کاذب نے تو لاکھوں کارواں
کر دئے برباد و غارت اے جواں

صبح صادق را طلب کن اے عزیز
تا ز صدق او شوی صاحب تمیز
صبح صادق کو طلب کر اے عزیز
تا ہو اس کے صدق سے تجھ کو تمیز

نیست نقدے کش غلط انداز نیست
وائے آنجاں کش محک و گاز نیست
ہے غلط انداز ہر اک نقد کا
وائے اس پہ جو محک سے ہے جدا

باز رو سوئے غلام و کتبتش
کو سوئے شہ می نویسد نامہ خوش
چل غلام اور اس کے نامے کی طرف
شاہ کو جو لکھ رہا ہے ذی شرف

مدعی کو دعوے سے جھڑکنا

بوسیلم گفت من خود احمدم
دین احمدؐ را بفن برہم زدم
میں ہوں احمدؐ بوسیلم[2] کہتا تھا
دین احمدؐ میں نے برہم کر دیا

بوسیلم را بگو کم کن بطر
غرہ اول مشو آخر نگر
یوں نہ اترا بوسیلم سے کہو
پہلے مت کر غرہ دیکھ انجام کو

ہیں قلاوزی مکن از حرص جمع
پس روی کن تا فتد در پیش شمع
حرص سے بنتا ہے ناحق پیشوا
پیروی کر تا ملے شمع ہدا

[1] تجید ؟
[2] عبدالرحمٰن جسکا لقب مسیلمہ کذاب تھا اور جسنے عہد نبوی میں جھوٹا دعویٰ نبوت کیا تھا۔

شمع مقصد را نماید ہمچو ماہ   کاینطرف دانہ است یا خود دامگاہ
شمع مقصد کو دکھائے مثل ماہ   اس طرف دانہ، ادھر ہے دامگاہ
گر بخواہی ور نخواہی با چراغ   دیدہ گردد نقش باز و نقش زاغ
تیری خواہش ہو نہ ہو جب ہو چراغ   خود عیاں ہو نقش باز اور نقش زاغ
ورنہ ایں زاغاں دغل افروختند   بانگِ بازانِ سپید آموختند
ورنہ ان کووں نے یہ کی ہے دغا   سیکھ کر آئے ہیں بازوں کی صدا
بانگِ ہُدہُد گر بیاموزد قطا   رازِ ہُدہُد کوو پیغامِ سبا
گر صدا ہُدہُد کی سیکھے بھی قطا[1]   لائے گا کس طرح پیغام سبا
بانگِ پررستہ ز پربستہ بداں   تاجِ شاہاں راز "تاجِ ہُدہُداں"
قید اور آزاد کی آواز جان   "تاجِ ہُدہُد" تاجِ شہ میں فرق مان
حرفِ درویشاں و نکتہ عارفاں   بستہ اند ایں بیحیایاں بر زباں
عارفوں کے اور فقیروں کے بیان   بے حیاؤں نے رکھے ہیں بر زبان
ہر ہلاکِ اُمتِ پیشیں کہ بود   زانکہ چندل را گماں کردند عود
تھی ہلاکت اگلی امت کی یہی   عود پتھر کو وہ تھی سمجھی ہوئی
بود شاں تمییز کاں مظہر کند   لیک حرص و آز کور و کر کند
تھی انہیں تمییز جو ظاہر کرے   پر تھے اندھے بہرے حرص وطمع سے
کوریٔ کوراں ز رحمت دور نیست   کوریٔ حرص است کاں معذور نیست
اندھا پن کب رحمتوں سے دور ہے   حرص کی کوری کہاں معذور ہے
چار میخ شہ ز رحمت دور نے   چار میخ حاسدے مغفور نے
ہے کرم بھی چار میخی شاہ کی   چار میخی دشمنوں کی ہے بڑی

---

[1] ایک سنگ خوار جانور ہے۔ جس کی آواز سے مسافروں کو پانی کا پتہ مل جاتا ہے۔

[2] وہ سزا کہ دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں میں میخیں ٹھونک دی جاتی ہیں۔

ماہیا آخر بکے مبنگر بشست	بد گلوئی چشم آخر بینت بست
شست کی جانب بھی پچھلی دیکھ لے	چشم آخر بیں ہے اندھی حرص سے
با دو دیدہ اوّل و آخر ببیں	ہیں مباش اعور چو ابلیس لعیں
اوّل و آخر پہ کر آخر نظر	مثل شیطاں بن نہ کانا اے پسر
اعور آں باشد کہ حالی دید و بس	چوں بہائم بیخبر از پیش و پس
کانا وہ ہے جو فقط ہے حال بیں	پیش و پس کی کچھ خبر جس کو نہیں
چوں دو چشم گاو در جرم تلف	ہمچو یک چشمست کش نبود شرف
دونوں[1] آنکھیں گائے کی گر ہوں تلف	ہے عوض اک آنکھ کا، کم ہے شرف
رُبع قیمت ارزد آمد و چشم او	کہ دو چشمش راست مسند چشم تو
چوتھائی[2] قیمت دونوں آنکھوں کی بجا	مسند آں دو کی ہے اک آنکھ اے فتا
گر کنی یک چشم آدم زادہٗ	نصف قیمت لازمست از جادہٗ
پھوڑ دے گر اک آنکھ تو انسان کی	نصف قیمت چاہیئے دینی اُنکی
زانکہ چشم آدمی تنہا بخود	بے دو چشم یار کارے میکند
کیونکہ تنہا آنکھ بھی انسان کی	خوب کر سکتی ہے کاروبار بھی
چشم خر چوں اوّلش بے آخرست	گر دو چشمش ہست حکمش اعورست
چشم خر جس کی نہیں کچھ انتہا	گو ہیں دو لیکن ہیں کانی برملا
ایں سخن پایاں ندارد واں خفیف	مینویسد رقعہ در طمع رغیف
یہ سخن تو ہے طویل اور وہ غلام	طمع میں روٹی کی لکھتا ہے پیام

---

[1] یہ ایک مسئلہ شرعی ہے۔ کہ اگر کوئی شخص کسی چوپائے کی دونوں آنکھیں پھوڑ ڈالے تو جراحت کا عوض اُس کی ایک آنکھ کے برابر ہوگا۔

[2] یعنی جبکہ تو یک چشم ہے۔ اور آخر بیں نہیں تو اس کی دونوں آنکھوں کی قیمت چوتھائی ہونے کے قابل ہے۔

غلام کا طلب اُجرت کے لئے رقعہ لکھنا

رفت پیش از نامہ پیش مطبخی	کاے بخیل از مطبخ شاہ سخی
شہ کے باورچی سے یوں بہکے کہا	مطبخ شاہی کے لئے بخل آشنا
دور از و وز ہمت او کایں قدر	از جرے ام آیدش اندر نظر
اس کی ہمت سے ہے یہ دور اس قدر	ہو وظیفے پر مرے اس کی نظر
گفت بہر مصلحت فرمودہ است	نے برائے بخل و نے تنگی دست
بولا کچھ اس میں بھی کوئی مصلحت	بخل اور تنگی نہیں اس کی صفت
گفت دہلیزیست واللہ ایں سخن	پیش شہ خاکست ایں زر کہن
بولا کتنی پست ہے تیرا سخن	خاک پیش شاہ ہے زر کہن
مطبخی دہ گونہ حجت بر فراشت	او ہمہ رد کرد از حرصے کہ داشت
گرچہ باورچی نے کیں سو حجتیں	اس نے رد کیں حرص سے اک آن میں
چوں جرے کم آمدش در وقت چاشت	زد بسے تشنیع او سودے نداشت
تھوڑا آیا جب وظیفہ چاشت کا	اس نے کی طعنہ زنی بے فائدہ
گفت قاصد میکنید اینہا شما	گفت نے کہ بندہ فرمانیم ما
بولا یہ سب کرتے ہو تم قصد سے	بولا۔ ہم تو سب ہیں بندے حکم کے
ایں مگیر از فرع ایں از اصل گیر	بر کماں کم زن کہ از بازو ست تیر
فرع سے کیا ہے یہ سب کچھ اصل سے	کیا کماں کا۔ تیر بازو سے چلے
مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ ابتلاست	بر نبیؐ کم نہ گنہ کاں از خداست
[1] مَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ امتحاں	مت نبیؐ پر رکھو گنہ حق سے تو جان

---

[1] جب اس نے تیر چلایا۔ تو گویا اس نے نہیں چلایا۔ بلکہ خدا نے چلایا۔

آب از سرِ نیزہ است اے خیرہ خشم   بیشتر بنگر یکے بکشائے چشم
پانی سر سے ایک نیزہ ہے بلند   کھول آنکھیں دیکھ اس سے بھی دوچند
شد ز خشم و غم درون بقعہ   سوئے شہ بنوشت خشمیں رقعہ
وہ غم و غصہ میں اپنے گھر گیا   خشمگیں اک نامہ سلطاں کو لکھا
اندر آں رقعہ ثنائے شاہ گفت   گوہرِ جود و سخائے شاہ سُفت
رقعہ میں پہلے ثنائے شاہ کی   پھر ستائش جود و بخشش کی لکھی
کائے ز بحر و ابر افزوں کفِ تو   جملہ محتاجاں بتو آوردہ رُو
ہاتھ تیرا ابر و دریا سے سوا   تو ہی محتاجوں کا ہے حاجت روا
زانکہ ابر آنچہ دہد گریاں دہد   کفِ تو خنداں پیاپے خواں نہد
ابر دے جو کچھ بھی وہ رو رو کے دے   تو عطا ہنس ہنس کے لوگوں پہ کرے
ظاہرِ رقعہ اگرچہ مدح بود   بوئے خشم از مدح اثرہا می نمود
تھی بظاہر مدح رقعے میں لکھی   مدح میں آتی تھی بو غصے ہی کی
زاں ہمہ کارِ تو بے نور است و زشت   کہ تو دوری دور از نورِ سرشت
اس لئے ہیں کام بے نور و خراب   نور سے تو دُور ہے اے با حجاب
رونقِ کارِ خساں کاسد شود   ہمچو میوہ تازہ زو فاسد شود
اہلِ دنیا کے ہیں کھوٹے کام سب   میوۂ تازہ گرے جوں بے طلب
رونقِ دنیا برآرد زو کساد   زانکہ ہست از عالمِ کون و فساد
رونق و بہر اس سے لاتی ہے کساد[1]   کیونکہ ہے یہ عالمِ کون و فساد
خوش نگردد از مدیحے سینہا   چونکہ در مدّاح باشد کینہا
مدح سے دل خوش نہیں ہوتا کبھی   مدح میں ہوتی ہے پنہاں دشمنی

---

[1] کھوٹا پن ؛

اے دل از کین و کراہت پاک شو   وانگہاں الحمد خواں چالاک شو
اے دل اس کینہ وری سے پاک ہو   اور پھر الحمد پڑھ دہ چالاک ہو
بر زباں الحمد و اکراہ از دروں   از زباں تلبیس باشد یا فسوں
حمد لب پہ اور دل میں نفرتیں   ہیں زباں پر مکر کی یہ حالتیں
وانگہاں گفتہ خدا کہ بنگرم   ہم بظاہر ہم بباطن ناظرم
قول حق یہ ہے کہ میں ہوں دیکھتا   ظاہر و باطن ہر اک کا برملا

گدڑی والے مدّاح کی حکایت

آں یکے با دلق آمد از عراق   باز پرسیدند یاراں از فراق
گدڑی والا دیکھ کر آیا عراق   دوستوں نے پوچھا کچھ حال فراق
گفت آرے بُد فراق الا سفر   بود بر من بس مبارک مژدہ ور
بولا ہاں فرقت تو تھی لیکن سفر   تھا مبارک اور بہت ہی خوب تر
کاں خلیفہ دادہ دہ خلعت مرا   کہ قرینش باد صد مدح و ثنا
دس دئے خلعت خلیفہ نے مجھے   وہ تو لائق ہے بہت تعریف کے
شکرہا و حمدہا بر می شمرد   تا کہ شکر از حدّ و اندازہ بُرد
شکر اور تعریف وہ کرتا رہا   شکر تھا اندازہ و حد سے سوا
پس بگفتندش کہ احوال نژند   بر دروغ تو گواہی میدہند
لوگ بولے یہ پریشانی تری   جھوٹ پہ ہے کچھ گواہی دے رہی
تن برہنہ سر برہنہ سوختہ   شکرہا دزدیدہ یا آموختہ
جسم ننگا اور برہنہ تیرا سر   شکر لایا ہے چرا کر سیکھ کر
کو نشان شکر و حمد میر تو   بر سر و بر پائے بے توقیر تو
شکر و حمد شاہ کا کیا ہے نشاں   تو برہنہ تن ہے بے توقیر ہاں

گر زبانت مدح آں شہ می تند	ہفت اندامت شکایت میکند
مدح شہ کرتی ہے یہ تیری زباں	اور ہفت اندام سے شکوہ عیاں
در سخائے آں شہ و سلطان جود	مر ترا کفشے و شلوارے نبود
اس قدر تھا شاہ کا جود و سخا	جوتا کرتا بھی نہیں تجھ کو دیا
گفت من ایثار کردم آنچہ داد	میر تقصیرے نکرد از افتقاد
بولا میں نے دیدیا۔ جو کچھ ملا	شاہ کا لطف و کرم تو کم نہ تھا
بستدم جملہ عطاہا از امیر	بخش کردم بر یتیم و بر فقیر
میں نے سب کچھ شاہ والا سے لیا	پھر یتیموں اور فقیروں کو دیا
مال دادم بستدم عمر دراز	در جزا زیرا کہ بودم پاکباز
مال دے کر پائی ہے عمر دراز	یہ لیا بدلہ کہ میں تھا پاکباز
پس بگفتندش مبارک مال رفت	چیست اندر باطنت ایں دود و تفت
بولے سب اچھا کیا خیرات مال	کیوں ہے باطن میں یہ تیرا خستہ حال
صد کراہت در درون تو چو خار	کے بود اندہ نشان ابتشار
تجھ میں مثل خار ہیں صدمے نہاں	غم کہاں ہوتا ہے عشرت کا نشاں
کو نشان عشق و ایثار و رضا	گر درستست آنچہ گفتی ما مضے
ہیں کہاں آثار تسلیم و رضا	تجھ پہ جو گذری اگر وہ ہے بجا
خود گرفتم مال گم شد میل کو	سیل اگر بگذشت جائے سیل کو
میل تو ہو مال اگر تو نے دیا	سیل گذرا تھا۔ تو وہ رستہ دکھا
چشم تو گر بد سیاہ و جانفزا	گر نماند او جانفزا ازرق چرا
آنکھیں کالی تھیں تری اور خوشنما	نیلی کیوں ہیں گر نہیں اب جانفزا
کو نشان پاکبازی اے ترش	بوئے لاف کژ ہمی آید خمش
پاکبازی کا کہاں تجھ میں اثر	مارتا ہے ڈینگ کیوں۔ لب بند کر

صد نشاں باشد درونِ ایثار را
صد علامت ہست نیکوکار را
سو نشاں مخفی ہیں ایثار کے
سو نشاں ہوتے نیک اطوار کے
مال در ایثار اگر گردد تلف
در درونِ صد زندگی آید خلف
مال اگر ایثار کرتا ہے کوئی
ملتی ہے اُس کے عوض سو زندگی
در زمینِ حق زراعت کردنے
تخمہائے پاک آنگہ دخل نے
کاشت گر حق کی زمینوں میں کرے
تخم ہائے پاک سے کیوں پھل نہ دے
گر نگردد زریع جاں یکدانہ صد
صحن ارض اللّٰہ واسع کے بود
یک دانے کے جو سو دانے نہ ہوں
پھر کہیں واسع زمینِ[1] حق کو کیوں
اصل ارض اللّٰہ قلبِ عارف است
لامکاں ست و ندارد فوق و پست
ہے دلِ عارف زمینِ کبریا
لامکاں ہے پست و بالا اس میں کیا
گر نروید خوشہ از روضات ہو
پس چہ واسع باشد ارض اللّٰہ بگو
باغ ہو سے جب نہ اک خوشہ اُگا
پھر کشادہ کیا ہے ارضِ حق بتا
چونکہ ایں ارضِ فنا بے زریع نیست
چوں بود ارض اللّٰہ آں مستوسعی ست
ارض فانی جبکہ بے حاصل نہیں
بے ثمر ہوتی ہے ارضِ حق کہیں؟
ریع آں را نے حدو نے حد بود
کمتریں دانہ دہد ہفصد بود
اس کے حاصل کا نہ اندازہ نہ حد
تھوڑے ہی دانے جو دیکھوں ہفت صد
حمدِ گفتی کو نشانِ حامدوں
نے برونست ہست آثر نے اندروں
حمد کی تو نے نہیں لیکن نشاں
ظاہر و باطن اثر کوئی کہاں
حمدِ عارف مر خدا را راست است
کہ گواہِ حمد او شد پا و دست
حمد ہے عارف کی مقبولِ خدا
ہیں گواہ حمد اس کے دست و پا

---

[1] اِنَّ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃٌ یعنی تحقیق اللّٰہ کی زمین بہت ہی وسیع ہے۔

از چہ تاریکے ز جسمش بر کشید   وز تنگِ زندانِ دنیا اش خرید
جسم کے اندھے کنوئیں سے کھینچ کر   قیدِ دنیا سے چھڑایا سر بسر
اطلس تقوے و نور موتلف   آیت محمد ست اورا بر کتف
اطلس تقوی ہے اور نور صفا   اُس کے کاندھوں پر نشاں ہے محمد کا
وارہیدہ از جہانِ عاریہ   ساکنِ گلزار و عینِ جاریہ
وہ جہانِ عارضی سے چھٹا   ہے مقیم باغ عین جاریہ [1]
بر سریرِ سِرِّ عالی ہمتش   مجلسِ جاہ و مقامِ رتبتش
اس کی ہمت تختِ راز اوج پہ   مجلس اعلیٰ میں وہ ہے جلوہ گر
مقعد صدقے کہ صدیقاں برو   جملہ سرسبزند و شاد و تازہ رو
صدق [2] کا مسکن کہ اہلِ صدق ہی   ہیں وہاں سرسبزے کر تازگی
حمدِ شاں چوں حمدِ گلشن از بہار   صد نشانی دارد و صد گیر و دار
حمد ان کی مثل باغ نوبہار   سو نشاں رکھتی ہے اور سو گیر و دار
بر بہارش چشمہ و نخل و گیاہ   واں گلستان و نگارستان گواہ
پیڑ اور چشمے بہاروں کے گواہ   وہ گلستاں اور وہ اس کی گیاہ
شاہد شاہد ہزاراں ہر طرف   در گواہی، ہمچو گوہر و صدف
شاہد شاہد ہزاروں ہر طرف   جیسے گوہر ہیں گواہ ہر صدف
بوئے سیر بد بیاید از دمت   وز سر و رو [3] تابد اے لافی غمت
آتی ہے لہسن کی بو منہ سے ترے   جھلکے غم تیرے سر و رخسار سے

---

[1] جاری چشمہ۔ [2] قولہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ۔ ان المتقین فی جنٰت ونہر فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر۔ یعنی بیشک پرہیزگار جنتوں اور نہروں اور مقام صدق میں قدرت والے پادشاہ کے پاس ہیں۔

[3] چہرے۔

بو شناسانند حاذق در مصاف
تو بجلدی ہائے ہو کم کن گزاف
بو شناس اس جا بہت ہیں صاف صاف
چھوڑ یاد ہو اور بے لاف و گزاف
تو ملاف از مشک کاں بوئے پیاز
از دم تو میکند مکشوف راز
مشک کا دعوی ہے اور بوئے پیاز
کھولتی ہے ہر نفس میں تیرے راز
گلشکر خوردم ہمیگوئی و بوئے
میزند از سیر کہ یافہ مگوئے
کھایا ہے گلقند کیوں بکتا ہے تو
چغلی کھاتی ہے وہی لہسن کی بو
ہست دل مانندۂ خانہ کلاں
خانۂ دل را نہاں ہمسایگاں
آدمی کا قلب ہے اک گھر بڑا
اور ہمسایہ ہے اس گھر کا چھپا
از شگافِ روزن و دیوار ہا
مطلع گردند بر اسرار ہا
جو شگافے روزن و دیوار سے
دیکھتا ہے بھید ہیں جو کچھ ترے
از شگافے کہ ندارد ہیچ وہم
صاحب خانہ ندارد ہیچ سہم
جس شگاف دل سے تو ہے بیخبر
صاحب خانہ بھی ہے جس سے نڈر
از نبیؐ برخواں کہ دیو و قوم او
میبرند از حال انساں خفیہ بو
جن کہ شیطاں ہیں پڑھ قرآں تو
چھپ کے ان حالات کی لیتے ہیں بو
از رہے کہ انس ازاں آگاہ نیست
زانکہ زیں محسوس و زیں اشباہ نیست
اس طرح کہ ہو نہ انساں کو خبر
کیونکہ وہ اک مختلف ہے رہ گذر
درمیان ناقداں زرقے متن
با محک اے قلب دوں لافے مزن
تو پرکھنے والوں کو دھوکا نہ دے
بکسا نہ اسے کھوٹے! پارکھ کے سامنے

لہ قولہ تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ اِنّہٗ یَرٰکُمْ ھُوَ وَقَبِیْلُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَھُمْ یعنی بے شک وہ شیطان، اور اس کی قوم تم کو دیکھتی ہے اس طرح کہ ان کو نہیں دیکھ سکتے ۔ ۱۲

مر محک را رہ بود در نقد و قلب   کہ خدایش کرد امیر جسم و قلب
ہے کسوٹی کو کھرے کھوٹے میں بار   کیونکہ وہ ہے جسم و دل کی شہریار
چوں شیاطین با غلیظیہائے خویش   واقفند از سرِّ او در فکر و کیش
جب شیاطین جو ہیں ناپاک و لعیں   بھید سب کے جانتے ہیں بالیقیں
مسلکے دارند دزدیدہ درون   ما ز دزدیہائے ایشاں سرنگوں
راستہ رکھتے ہیں باطن میں نہاں   اور ہم ہیں سرنگوں و سرگراں
دمبدم خبط و زیانی میکنند   صاحب نقب و شگاف روزنند
ڈالتے ہیں دھوکے اور نقصاں میں وہ   ڈال کر رخنے شگاف جاں ہیں وہ
پس چرا جانہائے روشن در جہاں   بیخبر باشند از حالِ نہاں
پس وہ جانیں جو کہ ہیں روشن یہاں   کس طرح جانیں نہ حالات نہاں
در سرایت کمتر از دیواں شدند   روحہا کہ خیمہ بر گردوں زدند
کیا اثر میں کم ہیں وہ شیطان سے   جن کے خیمے آسماں پر ہیں گڑے
دیو دزدانہ سوئے گردوں رود   از شہاب محرق و مطعوں شود
جاتا ہے شیطاں جو چھپ کر چرخ پہ   ہیں شہاب اس کو جلاتے بے خطر
سرنگوں از چرخ زیر افتد چناں   کہ شقی در جنگ از زخم سناں
اس طرح گرتا ہے نیچے چرخ کے   جس طرح دشمن سناں کھا کے گرے
آں ز رشک روحہائے دل پسند   از فلک شاں سرنگوں می افگند
رشک ہوتے ہیں جو اچھی روح سے   اوج گردوں سے گراتے ہیں اسے
تو اگر شلّی و لنگ و کور و کر   ایں گماں بر روحہائے مہ مبر
تو جو شل ہے یا ہے لنگڑا کور و کر   یہ گماں تو نیک روحوں پہ نہ کر
شرم دار و لاف کم زن جاں مکن   کہ بسے جاسوس ہست آں سوئے تن
شرم کر اور اس طرح سے شیخی نہ مار   تن کے اُس جانب ہیں مخبر بیشمار

طبیبانِ الٰہی کا امراضِ دلِ دیں کو معلوم کرنا

ایں طبیبانِ بدن دانشور اند
بر سقامِ تو ز تو واقف تر اند
یہ طبیبانِ بدن ہیں عقل ور
ہیں ترے امراض سے آگاہ تر
تا ز قارورہ ہمی بینند حال
کہ ندانی تو از آں رُو اعتدال
دیکھتے ہیں تیرے قارورے سے حال
تو نہ اس صورت سے جانے اعتدال
ہم ز نبض و ہم ز رنگ و ہم ز دم
بو برند از تو بصد گونہ سقم
نبض سے اور رنگ سے اور خون سے
ہوں انہیں معلوم بے حد دُکھ ترے
پس طبیبانِ الٰہی در جہاں
چوں ندانند از تو اسرارِ نہاں
پس طبیبانِ الٰہی اے جواں
کیوں نہ جانیں تیرے اسرارِ نہاں
ہم ز نبضت ہم ز چشمت ہم ز رنگ
صد سقم بینند از تو بیدرنگ
دیکھ کر آنکھیں تری اور نبض و رنگ
وہ ترے امراض سمجھیں بیدرنگ
ایں طبیبانِ نو آموزند خود
کہ بدیں آیاتِ شاں حاجت بود
یہ معالج بھی ہیں نو آموز ہی
ہے ضرورت جن کو ان آثار کی
کاملاں از دُور نامت بشنوند
تا بقعرِ تار و پودت در روند
جو ہیں کامل دُور سے سن کر وہ نام
جانچ لیں گہرائیاں دل کی تمام
بلکہ پیش از زادنِ تو سالہا
دیدہ باشندت بچندیں حالہا
تیری پیدائش سے پہلے سالہا
حال تیرا ہے ان کا دیکھا ہوا
حالِ تو دانند یک یک مُو بمُو
زانکہ پُر ہستند از اسرارِ ہُو
حال تیرا جانتے ہیں مو بمو
کیونکہ وہ ہیں واقف اسرار ہو

حضرت بایزیدؒ کی داستان

آں شنیدی داستانِ بایزیدؒ　کہ ز حالِ بوالحسنؒ از پیش دید
بایزیدؒ پاک کی سن داستاں　بوالحسنؒ کا حال تھا اُن پہ عیاں
روزِ آں سلطانِ تقویٰ میگذشت　با مُریداں جانبِ صحرا و دشت
ایک دن سلطان تقویٰ تھے گئے　جانبِ صحرا مریدوں کو لئے
بوئے خوش آمد مراو را ناگہاں　در سوادِ رَے ز حدِّ خارقاں
ایک خوشبو آئی ان کو ناگہاں　ملک رَے[1] میں ہے جو حدِ خارقاں[2]
ہم در آنجا نالۂ مشتاق کرد　بوئے را از باد استنشاق کرد
نالۂ مشتاق اک اس جا کیا　آئی اک خوشبو ہوا سے برملا
بوئے خود را عاشقانہ می کشید　جانِ او از باد بادہ می چشید
بوئے خوش سے عاشقانہ تھا سماں　بادے عشقی بادہ کش وہ انکی جاں
کوزۂ کو از یخ آبہ پُر بود　چوں عرق بر ظاہرش پیدا شود
کوزے میں ہو برف کا پانی اگر　آشکارا اُس پہ عرق ہو پھوٹ کر
از دُرونِ کوزہ نم بیروں نداست　آں ز سردی ہوا آبے شداست
کوزے کے اندر سے پھوٹا ہے یہ نم　ہے ہوائے سرد سے پانی بہم
باد بوئے او مراو را آب گشت　آب ہم او را شرابِ ناب گشت
وہ ہوائے بو بھی ان کا آب ہے　آب بھی اُن کو شرابِ ناب ہے
چوں درو آثارِ مستی شُد پدید　یک مُرید او را در آندم در رسید
جب ہوئے آثارِ مستی کے عیاں　اک مُرید اسوقت آپہنچا وہاں

---

[1] ایک ملک کا نام ہے۔
[2] ایک ولایت ہے۔

پس بپرسیدش کہ ایں احوال خوش
کہ بروں نیست از حجاب پنج و شش
پوچھا یہ حال آپ کا اے ذی فنون
پنج حس اور شش جہت سے ہے بروں
گاہ سرخ و گاہ زرد و گہ سپید
میشود رویت چہ حالست و نوید
ہے کبھی سرخ اور کبھی زرد و سپید
آپ کا چہرہ، یہ ہے کیسی نوید
میکشی بوئے بظاہر نیست گل
بیشک از غیب است و از گلزار کل
سونگھتے ہو بو، نہیں ہے روئے گل
غیب سے آتی ہے شاید بوئے گل
اے تو کام جان ہر خود کامۂ
ہر دم از غیبت پیام و نامۂ
کام جاں ہو تم ہر اک خود کام کے
آتے ہیں پیغام تم کو غیب سے
ہر دمے یعقوبؑ وار از یوسفےؑ
میرسد اندر مشام تو شفے
صورت یعقوبؑ یوسف کی تمہیں
آ رہی ہیں بے محابا خوشبوئیں
قطرۂ بر ریز بر ما زاں سبو
شمۂ زاں گلستان با ما بگو
ایک قطرہ اس سبو سے دو ہمیں
کچھ تو اس گلشن کی بو سے دو ہمیں
خو نداریم اے جمال مہتری
کہ لب ما خشک و تو تنہا خوری
اس کے ہم عادی نہیں اے نیک خو
ہم ہوں پیاسے اور تم تنہا پیو
اے فلک پیمائے چست چست خیز
زانچہ خوردی جرعۂ بر ما بریز
اے فلک پیما! اٹھو جلدی اٹھو
اپنی مے سے گھونٹ اک ہمکو بھی دو
میر مجلس نیست در دوراں دگر
جز تو اے شہ در حریفاں درنگر
اس جہاں کے میر مجلس ہو تمہیں
دیکھو تو سوئے حریفاں بھی کہیں
کے تواں نوشید ایں مے زیر دست
مے یقیں مر مرد را رسوا گر است
ایسا ویسا پی سکے کب یہ شراب
مرد بھی پی کر ہو رسوا و خراب
بوئے را پوشیدہ و مکنوں کند
چشم مست خویشتن را چوں کند
بو کو ممکن ہے کہ پوشیدہ کرے
اپنی مست آنکھوں کو لیکن کیا کرے

خود ہم آں بوست کیں دم اندر جہاں
صد ہزاراں پردہ اش دارد نہاں
یہ وہ خوشبو ہی نہیں ہے یکیاں
لاکھ پردوں میں جو ہو جائے نہاں

پُر شد از تیزئ او صحرا و دشت
دشت چہ کز نُہ فلک ہم درگذشت
دشت و صحرا اس کی تیزی سے بھرے
کیا صحرا گزری یہ نُہ چرخ سے

ایں سرِ خم را بکہگل در مگیر
کایں برہنہ نیست خود پوشش پذیر
کیوں سرِ خم لیپو کہگل سے امیر
یہ برہنہ خود نہیں پوشش پذیر

لطف کن اے رازدان رازگو
آنچہ بازت صید کردش بازگو
لطف ہو اے رازدان راز گو
حال صید باز کا کچھ تو کہو

گفت بوئے بوالعجب آمد بمن
ہمچنانکہ مر نبیؐ را از یمن!
بوئے آئی مجھ کو اک بوئے حسن
آئی پیغمبرؐ کو جوں بوئے یمن

کہ محمدؐ گفت بر دستِ صبا
از یمن می آیدم بُوئے خدا
ان ہواؤں میں محمدؐ نے کہا!
ہے یمن سے آئی خوشبوئے خدا

بوئے رامیں میرسد از جانِ ویس
بوئے یزداں میرسد ہم از اویسؓ
ویس کی بو سونگھی جوں رامینؒ نے
بوئے حق آئی اویسؓ پاک سے

از اویسؓ و از قرن بوئے عجب
مر نبیؐ را مست کرد و پر طرب
جب قرن سے آئی وہ بوئے عجب
مصطفیؐ کو کر دیا مستِ طرب

چوں اویسؓ از خویش فانی گشتہ بود
آں زمینی آسمانی گشتہ بود
تھے اویسؓ اپنے سے فانی ہو گئے
تھے زمینی آسمانی ہو گئے

۱؎ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم:- انی لاجد نفس الرحمان من طرف الیمن، یعنی مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔

۲؎ رامین اور اویس دونوں طالب و مطلوب گذرے ہیں۔

آں ہلیلہ پروریدہ در شکر چاشنی تلخیش نبود دگر
ہڑ کے اندر جب ملاتے ہیں شکر اس کی تلخی کب ہے پھر اے پسر
آں ہلیلہ رستہ از ما و منے نقش دارد از ہلیلہ طعم نے
ہڑ حقیقی ما و منی سے بالیقیں دیکھنے کی ہے وہ کھانے کی نہیں
آں کسے کز خود بکلی در گذشت ایں منی و مائی خود در نوشت
اپنی ہستی سے جو گذرا بر ملا ما و منی کو اس نے خود طے کر لیا
ایں سخن پایاں ندارد باز گرد تا چہ گفت از وحی غیب آں شیر مرد
یہ سخن بے انتہا ہے ، لوٹ آ حال وحیِ غیب کا سن کیا کہا

حضرت بایزیدؒ کا جواب

گفت زیں سو بوئے یارے می رسد کاندریں دہ شہریارے می رسد
بوئے آتی اس طرف سے بوئے یار آتا ہے اس گاؤں میں اک شہریار
بعد چندیں سال می زاید شہے می زند بر آسمانہا خرگہے
ہوتا ہے برسوں کے پیچھے ایک شاہ آسماں بنتا ہے جس کی بارگاہ
رویش از گلزار حق گلگوں بود از من او اندر مقام افزوں بود
باغِ حق سے ہوگا چہرہ لالہ گوں مرتبے میں مجھ سے ہوگا وہ فزوں
چیست نامش گفت نامش بو الحسن حلیہ اش وا گفت ز ابرو و ذقن
پوچھا کیا ہے نام ، بولے بو الحسنؒ! حلیۂ ابرو کہا ، حال ذقن!
قد او و رنگ او و شکل او یک بیک وا گفت از گیسو و رو
قد کا رنگ و شکل کا کر کے بیاں گیسو و رخ کا کیا حلیہ عیاں
حلیہائے روح او را ہم نمود از صفات و از طریق و جاہ و بود
روح کے حلیے بھی ظاہر کر دئے جائے بود و باش ، اور سب حلیے

حلیۂ تن ہمچو تن عاریت است	دل براں کم نہ کہ آں یکساعت است
حلیۂ تن مثل تن ہے عارضی	دل نہ تو اس سے لگا ہے اک گھڑی
حلیۂ روح طبیعی ہم فناست	حلیۂ آں جاں طلب کو بر سماست
حلیۂ روح طبیعی ہے فنا	حلیہ اس کا ڈھونڈھ جو ہے کبریا
چشم او ہمچوں چراغے بر زمین	نور او بالائے سقف ہفتمیں
آنکھ اس کی شمع ساں سوئے زمیں	نور اس کا فوق چرخ ہفتمیں !
آں شعاع آفتاب اندر وثاق	قرص او اندر سپہر چار طاق
ہر جگہ ہے وہ شعاع آفتاب	اس کی ٹکیا آسماں پر بے حجاب
نقش گل در زیر بینی بہر لاغ	بوئے گل بر سقف ایوان دماغ
جیسے نقش گل ہے بازی کیلئے	اور بوئے گل دماغوں میں رہے
مرد خفتہ در عدن دیدہ فرق	عکس آں بر جسم افتادہ عرق
مرد خفتہ خواب دیکھے پُر خطر	عکس ہو اس کا پسینہ جسم پر
پیرہن در مصر رہن یک حریص	پُر شدہ کنعاں ز بوئے آں قمیص
پیرہن ہو مصر میں رہن حریص	مہکے کنعاں میں مگر بوئے قمیص
بر نبشتند آں زماں تاریخ را	از کباب آراستند آں سیخ را
لکھ لی اُن لوگوں نے تاریخ اسے پھر	یا کبابوں کو چڑھایا سیخ پہ[ل]
چوں رسید آں وقت و آں تاریخ است	زاں زمیں آں شاہ پیدا گشت و خاست
جب کہ وہ وقت آیا اور تاریخ بھی	ہو گئی پیدائش اُس سلطان کی

[ل] یعنی جس طرح سیخ پر کباب چڑھنے سے بحیثیت کباب محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح وہ تاریخ بھی محفوظ ہو گئی *

حضرتِ ابوالحسن خرقانی کی پیدائش

زادہ شد آں شاہ و خسروِ ملکِ بخت
از عدم پیدا شد و مرکب تباخت
خسروِ ملکِ ولا پیدا ہوئے
آئے گھوڑے پر عدم سے دوڑتے

از پسِ آں سالہا آمد پدید
بوالحسنؒ بعد از وفاتِ بایزیدؒ
اتنی ہی مدت سے آئے اے سعید
بوالحسنؒ بعدِ وفاتِ بایزیدؒ

جملہ خوہائے او زِ امساک و جود
آنچناں آمد کہ آں شہ گفتہ بود
خصلتیں سب بخل کی اور جود کی
جو کہی تھیں ان میں بالکل ٹھیک ہی

لوحِ محفوظ ست او را پیشوا
از چہ محفوظ ست محفوظ از خطا
لوحِ محفوظ ان کی بس تھی پیشوا
لوح وہ ہے جو ہے محفوظِ خطا

نے نجوم ست و نے رمل ست و نے خواب
وحیِ حق واللہ اعلم بالصواب
نہ نجوم اب ہے نہ رمل ہے ورنہ خواب
وحی ہے واللہ اعلم بالصواب

از پئے روپوش عامہ در بیاں
وحیِ دل گویند او را صوفیاں
تا رہے یہ بھید لوگوں سے چھپا
وحیِ دل کہتے ہیں اس کو صوفیا

وحیِ دل گیرش کہ منظرگاہِ اوست
چوں خطا باشد چو دل آگاہِ اوست
کیونکہ دل اللہ کی منظرگاہ ہے
کیوں غلط ہو جبکہ دل آگاہ ہے

مومن ینظر بنور اللہ شدی
از خطا و سہو بیروں آمدی
تو مومن[1] ینظر بنورِ اللہ ہوا
تو خطا و سہو سے پھر بچ گیا

---

[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم "اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ" یعنی فراستِ مومن سے ڈرو۔ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

صوفی کے وظیفہ دل و جان کا نقصان

صوفیے از فقر چوں در غم شود	عین فقرش دایہ و مطعم شود
غم اگر صوفی کو ہو کچھ فقر سے	کھانا پینا اُس کو عین فقر دے
زانکہ جنت از مکارہ رستہ است	رحم قسم عاجزِ اشکستہ است
ہے بڑی فردوس مکروہات سے	رحم ہے حصے میں ہر محتاج کے
آنکہ سرہا بشکند او از علو	رحم حق و خلق ناید سوئے او
سر شکن جو ہو علو کے زعم سے	رحم اُس پہ خلق یا حق کیوں کرے
ایں سخن آخر ندارد و آں جواں	از کم اجرائے ناں شد ناتواں
یہ سخن بے انتہا ہے وہ جواں	کم وظیفہ ملنے سے ہے ناتواں
شاد آں صوفی کہ رزقش کم شود	آں شبہ اش دُر گردد و او یم شود
شاد وہ صوفی۔ ہو جس کا رزق کم	بوند اُس کا دُر ہو، وہ بن جائے یم
زاں جرائے خاص ہر کہ آگاہ شد	او سزائے قرب و اجرے گاہ شد
اس جرائے حق سے جو آگاہ ہے	لائق قرب و وظیفہ گاہ ہے
زاں جرائے روح چوں نقصاں شود	جانش از نقصان و لرزاں شود
جب جرائے روح میں نقصان ہے	اُس کی جاں نقصان سے لرزاں ہے
پس بداند کہ خطائے رفتہ است	کہ سمن زار رضا نشگفتہ است
پس وہ یہ جانے ہوئی ہے کچھ خطا	جو نہیں کھلتا سمن زار رضا

حکایتِ غلام کی طرف رجوع

ہمچناں آں شخص از نقصاں گشت	رقعہ سوئے صاحبِ خرمن نوشت
ایسے ہی اس شخص نے نقصان کیا	یعنی اُس سلطان کو رقعہ لکھا

---

[1] یعنی اس جگہ کے بھی لائق ہے۔ جہاں سے دوسروں کو وظیفہ تقسیم ہوتا ہو۔

رقعه‌اش بردند پیشِ شاہِ راد
خواند او رقعہ جوابے وا نداد
لوگ رقعہ پیش سلطاں لے گئے
کچھ نہ لکھوایا جواب اُس کا دے

گفت او را نیست الّا دردِ و ت
پس جوابِ احمق اولیٰ‌تر سکوت
بولا اُس کو ہے فقط رنج عنا
ہے جواب احمق کا خاموشی بھلا

نیستش دردِ فراق و وصل ہیچ!
بندِ فرعست و نجوید اصل ہیچ
رنج وصل و ہجر کچھ اس کو نہیں
اصل سے ہے دور شاخوں سے قریں

احمق است و مردۂ ما و منے
کز غمِ فرعش فراغِ اصل نے
ہے وہ احمق ما و من میں ہے فنا
فرع کے غم میں فراغ اصل کیا

آسمانہا و زمیں یک سیب داں
کز درختِ قدرتِ حق شد عیاں
سیب ہیں گویا زمیں و آسماں
جو ہوئے ہیں تجلّی قدرت سے عیاں

تو چو کرمی در میانِ سیب در
از درختِ قدرتِ حق بے خبر
تو ہے کیڑا سیب میں شوریدہ سر
اُس درخت و باغباں سے بے خبر

آں یکے کرمے دگر در سیب ہم
لیک جانش از بروں صاحب علم
کیڑا ہے اُس سیب میں اک اور بھی
راز بیروں سے ہے واقف واقعی

جنبشِ او وا شگافد سیب را
برنتابد سیب آں آسیب را
اُس کی جنبش توڑتی ہے سیب کو
سیب کیونکر جھیلے اس آسیب کو

بر دریدہ جنبشِ او پردہا
صورتش کرم است و معنی اژدہا
اُس کی جنبش نے دیئے پردے اُٹھا
کرم صورت اس کی معنی اژدہا

آتشے کاوّل ز آہن می جہد
او قدم بس سست بیروں می نہد
شعلہ اُٹھتا ہے جب آہن سے بہم
سست اُٹھتے ہیں بہت اسکے قدم

دایہ‌اش پنبہ است اوّل لیک اخیر
میرساند شعلہا او تا اثیر
دایہ بنتی ہے روئی لیکن اخیر
جاتے ہیں شعلے وہ اُس کے تا اثیر

مرد اول بستۂ خواب و خور است — آخر الامر از ملایک برتر است
پہلے انساں کھانے سونے میں پڑا — مرتبے میں پھر فرشتوں سے بڑھا

در پناہ پنبہ و کبریتہا — شعلۂ نورش برآید تا سہا
گندھک اور روئی کے پردے میں رہا — ہے سُہا تک شعلہ اس[1] کے نور کا

عالم تاریک روشن میکند — کندۂ آہن بسوزن میکند
عالم تاریک کو روشن کرے — لوہے کو پگھلائے اور سوزن کرے

گرچہ آتش نیز ہم جسمانی است — نے ز روح است و نہ از روحانی است
گو کہ آتش بھی ہے جسمانی مگر — روح سے کب ہے تعلق غور کر

جسم را نبود ازاں عز بہرۂ — جسم پیش بحر جاں چوں قطرۂ
نور جاں سے بسکہ بے بہرہ ہے جسم — آگے بحر جاں کے اک قطرہ ہے جسم

جسم از جاں نور افزوں میشود — چوں رود جاں جسم بیں چوں میشود
جاں سے ہے نور جسموں کا سوا — جان جب جائے تو پھر بے نور کیا

حد جسمت یک دو گز خود بیش نیست — جان تو تا آسمان جولاں کنیست
جسم کی حد ایک دو گز ہیں یہاں — روح کی جولانیاں تا آسماں

تا بہ بغداد و سمرقند اے ہمام — روح را اندر تصور نیم گام
تا بہ بغداد و سمرقند اے ہمام — روح کی تخییل میں ہے نصف گام

دو درم سنگ است پیہ چشمتاں — نور روحش تا عنان آسماں
دو درم آنکھوں کی چربی ہے میاں — نور اس کی روح کا تا آسماں

نور بے ایں چشم می بیند بخواب — چشم بے آں نور نبود جز خراب
نور دیکھے خواب میں بے چشم یاں — آنکھ بے اس نور کے رسوا و خوار

جاں ز ریش و سبلت تن فارغ است — لیک تن بیجان بود مردار و پست
روح داڑھی مونچھ سے آزاد ہے — اور تن بے روح ہے مردار ہے

---

[1] یعنی اس آگ کا۔

بار نامہ روحِ حیوانست ایں پیشتر آ روحِ انسانی ببیں
بار نامہ روحِ حیواں کا یہ تھا روحِ انسانی بھی دیکھ آگے تو آ
بگذر از انسان ہم از قال و قیل تا لبِ دریائے جانِ جبرئیلؑ
گذر جا انساں کو اور اس کی قال و قیل چل لبِ دریائے جانِ جبرئیلؑ
بعد از آنت جانِ احمدؐ لب گزد جبرئیلؑ از بیمِ تو واپس خزد
جانِ احمدؐ پھر ترے لب چوم لے اور پھسلے جبرئیلؑ تیرے خوف سے
گوید ار آیم بقدرِ یک کماں من بسوئے تو بسوزم در زماں
اور کہیں گر اک کماں بھر بھی بڑھوں میں تری جانب۔ تو فوراً ہی جلوں
ایں بیاباں خود ندارد پا و سر بے جوابِ نامہ خستہ ست آں پسر
اس بیاباں کا نہیں کچھ پاؤں سر بے جواب آزردہ ہے اب وہ پسر[1]

غلام شاہ کا غمگیں ہونا

چوں جوابِ نامہ نامد خیرہ گشت وز غمِ او آبِ صافی تیرہ گشت
تھا پشیماں جب نہ آیا کچھ جواب غم سے تھا تاریک اُس کا نورِ آب
نے قرارش ماند و نے خواب از جنوں روز و شب بُد در تفکر سرنگوں
لے گیا خواب و قرار اُس کا جنوں روز و شب تھا فکر سے وہ سرنگوں
کای عجب چوں ہم ندارد آں شہ جواب یا خیانت کرد در رقعہ بُرد تاب
کیوں نہ شہ نے دیدیا اُس کا جواب نامہ بر نے یا خیانت کی شتاب
رُقعہ پنہاں کرد و ننمود و بشاہ کو منافق بود مارے زیرِ کاہ
بے دکھائے رقعہ پوشیدہ کیا کہ منافق سانپ زیرِ کاہ تھا

[1] یعنی وہ غلام شاہ ۔

رقعۂ دیگر نویسم زآزموں
دیگرے جویم رسولے ذوفنوں
دوسرا رقعہ میں سلطاں کو لکھوں
نامہ بر بھی دوسرا پیدا کروں

بر امیر و مطبخی و نامہ بر
عیب بنہادہ ز جہل آں بیخبر
نامہ بر، باورچی، اور سلطان پر
جہل سے تھا عیب رکھتا بے خبر

ہیچ گرد خود نمیگردد کہ من
کژ روی کردم چو اندر دین شمن
خود وہ خود پر نہ کرتا تھا کبھی
مثل کافر کی ہے میں نے خود بھی

حضرت سلیمانؑ پہ ہوا کا ٹیڑھا چلنا

باد بر تخت سلیماںؑ رفت کژ
پس سلیمانؑ گفت بادا کژ مغژ
کج چلی تخت سلیماںؑ پہ ہوا
کج نہ چل اس سے سلیماںؑ نے کہا

باد ہم گفت اے سلیماںؑ کژ مرو
ور روی کژ از کژم خشمیں مشو
باد بولی کج نہ پھر تم بھی چلو
اور چلو تو مجھ پہ غصہ کیوں کرو

ایں ترازو بہر ایں بنہاد حق
تا رود انصاف مارا در سبق
یہ ترازو اس لئے حق نے رکھی
تا ہمیں تعلیم ہو انصاف کی

از ترازو کم کنی من کم کنم
تا تو با من روشنی من روشنم
کم کرو گر تم تو میں بھی کم کر دوں
تم جو ہو روشن تو روشن میں بھی ہوں

ہمچنیں تاج سلیماںؑ میل کرد
روز روشن را بروچوں لیل کرد
ایسے ہی تاج سلیماںؑ جب جھکا
رات اُن پہ روشن ہو گیا

گفت تاجا کژ مشو بر فرق من
آفتابا کم مشو از شرق من!
بولے سر پہ کج نہ ہو اے تاج تو
کم نہ ہو مشرق سے اے مہر تاج تو

راست میکرد او بدست آں تاج را
باز کژ میشد بروآں تاج اے فتا
ہاتھ سے کرتے تھے سیدھا تاج کو
تاج ہو جاتا تھا پھر ٹیڑھا سنو

ہشت بارش راست کرد و گشت کژ
گفت تاجا چیست آخر کژ مغژ
آٹھ بار اس کو کیا سیدھا مگر
کج ہوا تو وجہ پوچھی بے خطر

گفت اگر صدرہ کنی تو راست من
کژ شوم چوں کژ شوی اے موتمن
بولا گر سو بار تم سیدھا کرو
کج رہونگا میں اگر تم کج رہو

پس سلیمانؑ اندروں را راست کرد
دل بر آں شہوت کہ بودش کرد سرد
پس سلیمانؑ نے کیا باطن درست
دل میں جو تیزی تھی کر کے اسکو سست

بعد ازاں تاجش ہماندم راست شد
آنچناں کہ تاج را میخواست شد
ہو گیا سیدھا پھر اُن کا تاج بھی
جیسا رکھتے اس کو رہتا ویسے ہی

بعد ازآں کژش ہمی کرد او بقصد
تاج وا میگشت تارک جو بقصد
پھر اگر قصداً وہ کرتے کج اسے
سیدھا ہو جاتا وہ اپنے آپ سے

ہشت کرت کژ بکرد آں مہترش
راست میشد تاج بر فرق سرش
کج سلیمانؑ نے کیا گو آٹھ بار
سر پہ سیدھا ہی رہا تاج اے نگار

شاہ گفت اے تاج چیست ایں ہا
کژ کنم تو راست گردی ز امتحاں
بولے اے تاج اب ہے تیرا حال کیا
کج کیا میں نے تو تو سیدھا ہوا

تاج ناطق گشت کاے شہ ناز کن
چوں فشاندی پر ز گل پرواز کن
تاج بولا اے جی اب ناز کر
پر سے مٹی جھڑ گئی پرواز کر

نیست دستوری کزیں من بگذرم
پردہائے غیب ایں بر ہم درم
کب اجازت ہے کہ اب میں کچھ کہوں
غیب کے پردوں کو کیونکر کھول دوں

بر دہانم نہ تو دست خود بہ بند
مر دہانم راز گفتن ناپسند
ہاتھ رکھ کر میرے منہ کو بند کر
تاکہ بات اُس سے نہ ہو بیہودہ تر

تا ترا ہر غم کہ پیش آید ز درد
بر کسے تہمت منہ بر خویش گرد
درد سے پیش آئے تجھ کو غم اگر
دیکھ خود کو رکھ نہ تہمت غیر پر

ظن مبر بر دیگرے اے دوستکام
آں کمیں کرمیگالید آں غلام
بدظنی اوروں پہ کیوں اے خستہ کام
وہ دہ کرتو کرچکا ہے جو غلام

گاہ جنگش با رسول و مطبخی
گاہ خشمش با شہنشاہ سخی
جنگ باورچی سے ۔ قاصد سے بھی
شاہ پر غصہ بھی جو تھا سخی

ہمچو فرعونے کہ موسیٰؑ ہشتہ بود
طفلکان خلق را سر می ربود
جیسے چھوڑا موسیٰؑ کو فرعون نے
اور کاٹے سر بہت سے بچوں کے

آں عدو در خانۂ آں کوردل
او شدہ اطفال را گردن گسل
دشمن اس کا کوردل کے گھر میں تھا
اور وہ تھا بچوں کی گردن توڑتا

تو ہم از بیروں بدی با دیگراں
و اندروں خوش گشتہ با نفس گراں
تو بھی باہر دوسروں سے ہے بُرا
اور اندر نفس سے ہے آشنا

خود عدوت اوست قندش میدہی
وز بروں تہمت بہر کس می نہی
خود عدو وہ ہے تو اس کو قند دے
اور تہمت غیر پر رکھتا پھرے

ہمچو فرعونی تو کور و کوردل
با عدو خوش بیگناہاں را مذل
صورت فرعون تو اندھا ہوا
خوش عدو سے بے گناہوں سے خفا

چند فرعونا کشی بیجرم را
مینوازی ایں تن پُرجرم را
کب تلک اے فرعون خون بے گناہ
دیگا کب تک جسم مجرم کو پناہ

عقل او بر عقل شاہاں میفزود
حکم حق بیعقل و کورش کردہ بود
عقل تھی گو اس[1] میں شاہوں سے سوا
حکم حق نے بے وقوف اس کو کیا

مہر حق بر چشم و بر گوش و خرد
گر فلاطون ست حیوانش کند
مہر حق تھی کان آنکھوں پہ لگی
ہو وہ حیواں گر ہو افلاطون بھی

---

[1] یعنی فرعون میں ۔

حکم حق بر لوح می آید پدید   آنچنانکہ حکم غیب بایزیدؒ
لوح پر یوں علم حق ہے اے سعید   ہے نمایاں جیسے علم بایزیدؒ

ابوالحسن کا اپنے متعلق خبر سُننا

ہمچناں آمد کہ او فرمودہ بود   بوالحسنؒ از مردماں آں را شنود
جیسا وہ کہتے تھے۔ ویسا ہی ہوا   بوالحسنؒ نے بھی یہ لوگوں سے سنا

کہ حسن باشد مُرید و امتم   درس گیرد ہر صباح از تربتم
بوالحسن ہوں گے مریدوں میں مرے   درس لیں گے روز میری قبر سے

ہر صباحے آمدے خواندے سبق   بر سر خاکش شدے پیرے بحق
درس کو تربت پہ میری آئیں گے   مرشد برحق یونہی ہو جائیں گے

ہر صباحے تیز رفتے بے فتور   بر سر گورش نشستے با حضور
روز وقت صبح جاتے تھے ضرور   قبر پہ اور بیٹھتے ان کے حضور

گفت من ہم نیز خوابش دیدہ ام   وز روان شیخ ایں بشنیدہ ام
کہتے تھے میں نے بھی اک دیکھا ہے خواب   اور سُنا ہے شیخ سے میں نے خطاب

ہر صباحے رو نہادے سوئے گور   ایستادے تا ضحے اندر حضور!
ہر سحر جاتے تھے ان کی قبر پہ   اور کھڑے رہتے وہاں تا دوپہر

تا مثال شیخ پیشش آمدے   تا کہ بے گفتے شکالش حل شدے
شیخ آتے سامنے بن کر مثال   مشکلیں حل ہوتی تھیں بے قیل و قال

تا یکے روزے بیامد با سعود   گورہا را برف نو پوشیدہ بود
ایک دن آئے تو کیا ہیں دیکھتے   قبریں پوشیدہ ہیں تازہ برف سے

توئے بر تو برفہا ہمچوں علم   قبہ قبہ دیدہ شد جانش بغم
برف کی دیکھیں تہیں ہر قبر پہ   برف کے قبوں سے تھے رنجیدہ وہ

بانگش آمد از حظیرۂ شیخ حی
ہا انا ادعوک کی تسعی الیّ

آئی اک آواز قبر شیخ سے
آ، ادھر آ، میں بلاتا ہوں تجھے

ہیں بیا ایں سو بر آوازم شتاب
عالم ار برف است روی من بتاب

آ، ادھر آواز پہ میری شتاب
برف ہو دنیا، نہ کر مجھ سے حجاب

حال او آں روز شد خوب و پدید
آں عجائب را کہ اول می شنید

آن پہ اس دن ہو گئے سب آشکار
جن عجائب کو سنا تھا چند بار

باز باید گشت سوئے آں غلام
کرد باید آں حکایت را تمام

لوٹنا اب چاہئے سوئے غلام
چاہئے کرنا حکایت کو تمام

غلام کا دوسرا رقعہ لکھنا

نامۂ دیگر نوشت آں بدگماں
پُر ز تشنیع و نفیر و پُر فغاں

بدگماں نے دوسرا نامہ لکھا
جس میں کچھ تھی طعن کچھ آہ و بکا

کہ یکے رقعہ نوشتم پیش شاہ
ایعجب آنجا رسید و یافت راہ

یعنی اک رقعہ لکھا تھا پیش شاہ
ہے تعجب پہنچا اس جا، پائی راہ

آں دگر را خواند ہم آں خوب خد
ہم نداد او را جواب و تن بزد

دوسرا رقعہ بھی سلطان نے پڑھا
کچھ جواب اس کا نہ دانستہ دیا

خشک می آورد او را شہریار
او مکرر کرد رقعہ چند بار

ٹالتا تھا خشک اس کو شہریار
اور وہ لکھتا تھا رقعے بار بار

گفت حاجب آخر او بندۂ شما
گر جوابش بر نویسی ہم رواست

بولا حاجب وہ ہے بندہ آپ کا
گر جواب اس کو ملے، تو ہے روا

از شہی تو چہ کم گردد اگر
بر غلام و بندہ اندازی نظر

بادشاہی میں ہو کیا ٹوٹا اگر
تو غلام و بندہ پہ ڈالے نظر

بیت گفت ایں سہل است اما احمقی	مرد احمق زشت و مردودِ حق است
شاہ بولا۔ ہاں۔ مگر احمق ہے وہ	جو ہے احمق لعنتیِ حق ہے وہ
گرچہ آمرزم گناہ و زلتش	ہم کند در من سرایت علتش
بخشدوں اُس کی خطاؤں کو وے	اس کی علت بھی اثر مجھ میں کرے
صد کس از گرگیں ہمہ گرگیں شوند	خاصہ ایں گرگِ خبیثِ عقل بند
ایک سے خارش میں ہوں سو مبتلا	پھر خصوصاً خارشِ جہل آشنا
گر کمِ عقلی مبادا گبر را	شومیش بے آب دارد ابر را
گبر کو بھی جہل کی خارش نہ ہو	اُس کی شومی رکھتے بے آب ابر کو
نم نبارد ابر از شومیِ او	شہر شد ویرانہ از بومیِ او
اُس کی شومی سے نہ برسے ابر تر	شہر ویرانہ ہوا اُس سے سر بسر
از گرانِ احمقاں طوفانِ نوح	کرد ویراں عالمے را در فضوح
نوحؑ کا طوفاں انہیں سے تھا بپا	جس نے اک عالم کو ویراں کر دیا

ارشادِ نبوی عاقل و احمق کے متعلق

گفت پیغمبرؐ کہ احمق ہر کہ ہست	او عدوِ ما و غولِ رہزن است
بولے پیغمبرؐ کہ جو ہے بے شعور	ہے ہمارا دشمن اور رہزن ضرور
ہر کہ او عاقل بود او جانِ ماست	روحِ او و ریحِ او ریحانِ ماست
جو ہے عاقل وہ ہماری جان ہے	اس کی روح اور بوئے خوش ریحان ہے
عقل دشنامم دہد من راضیم	زانکہ فیضے دارد از فیاضیم
عقل گالی دے۔ گوارا ہے مجھے	فیض ہے اس کو مری فیاضی سے
نبود آں دشنامِ او بیفائدہ	نبود آں مہمانیش بے مائدہ
اس کی گالی بھی نہیں بے فائدہ	اس کی مہمانی نہیں بے مائدہ

احمق ار حلوا نہد اندر لبم	من ازاں حلوائے او اندر تبم
اور اگر احمق مجھے حلوا بھی دے	اُس کے حلوے سے مری الجھن بڑھے
ایں یقیں داں گر لطیفی روشنی	نیست بوس کون خر با چاشنی
تو سمجھ روشن دل تو رکھ اس پہ یقین	کون خر کا بوسہ با لذت نہیں
سبلتت گندہ کند بے فائدہ	جامہ از وپیش سیہ بے مائدہ
گندہ ہوں مونچھیں تری بے فائدا	دیگ سے کپڑا ہو کالا بے غذا
مائدہ عقلست نے نان و شوا	نورِ عقل است اے پسر جاں را غذا
مائدہ دانش نہ روٹی شوربا	اور نورِ عقل ہے جاں کی غذا
نیست غیر نور آدم را خورش	از جز آں جاں را نیابد پرورش
نور ہے انساں کی اصلی خورش	صرف اسی سے جان کی کر پرورش
زیں خورشہا اندک اندک باز بُر	کایں غذائے خر بود نے آنِ حُر
کھانا پینا رفتہ رفتہ ترک کر	یہ غذائے خر نہیں ہے طعمِ حُر
تا غذائے اصل را قابل شوی	لقمہائے نور را آکل شوی
تا غذائے اصل کے قابل ہو تو	لقمہ ہائے نور کھائے تو بھو
اصل ایں نورست کایں نان نان شدست	فیض آں جان ست کایں جان جاں شدست
اصل ہے اس نور کی یہ نان نان!	فیض سے اُس جان کے ہے جان جان
چوں خوری یکبار از ماکول نور	خاک ریزی بر سرِ نانِ تنور
گر غذائے نور کھائے ایک بار	نانِ تنوری پہ ڈالے خاک یار!
عقل شیدا شد چہ خوانی ترہات	راہ پیدا شد چہ پالے بے ثبات
عقل دیوانی ہے کیا بکتا ہے تو	راستہ ہے صاف کیوں ٹھہرا ہے تو

لہ یہاں سے مولانا علیہ الرحمتہ کے اقوال ہیں۔

عقل دو عقل است اول مکسبی	کہ درآموزی چو در مکتب صبی
عقلیں ہیں دو قسم کی اک مکسبی	جس سے ہو تعلیم مکتب میں تری
از کتاب و اوستاد و فکر و ذکر	از معانی وز علوم خوب و بکر
ہوں کتابیں اور ہو اُستاد بھی	علم معنی علم نو ایجاد بھی
عقل تو افزوں شود بر دیگراں	لیک تو باشی ز حفظ او گراں
عقل تیری دوسروں سے ہو سوا	ہو گراں تر لیکن اس سے تو بڑا
لوح حافظ باشی اندر دور و گشت	لوح محفوظ است کو زیں درگذشت
لوح کا حافظ تو ہو جائے مگر	لوح محفوظ اس سے ہے محفوظ تر
عقل دیگر بخشش یزداں بود	چشمۂ آں درمیان جاں بود
عقل دیگر بخشش یزداں رہے	جس کا چشمہ درمیان جان رہے
چوں ز سینہ آب دانش جوش کرد	نے شود گندہ نہ دیرینہ نہ زرد
سینے سے اُبلے جو پانی عقل کا	گندہ ۔ دیرینہ ۔ نہ پیلا ہو ذرا
ور رہ نبعش بود بستہ چہ غم	کو ہمی جوشد ز خانہ دمبدم
بند بھی ہو جوشش کا رستہ تو کیا	اپنے گھر ہی میں ہے وہ جوشش نما
عقل تحصیلی مثال جویہا	کاں رود در خانۂ از کویہا
عقل تحصیلی ہے اک جوئے رواں	جاتی ہے گلیوں سے گھر میں بیگماں
راہ آبش بستہ شد شد بینوا	تشنہ ماند و زار با صد ابتلا
بند ہو رستہ تو وہ ہو بے نوا	پیاسی رہ جائے ۔ ہو غم میں مبتلا
از درون خویشتن جو چشمہ را	تا رہی از منت ہر ناسزا
چشمے کو تو اپنے اندر ڈھونڈ لے	تا کہ ہر ناکس کے احساں سے بچے

کسی سے مشورہ کرنے والے شخص کا قصہ

مشورت میکرد شخصے باکسے   کز تردد وارہد وز محبسے
ایک نے کی مشورت اک شخص سے   تاکہ زندانِ تردد سے چھٹے!

گفت اے خوشنام غیر من بجوئے   ماجرائے مشورت با اُو بگوئے
بولا وہ لے دوسرے سے مشورا   اور سُنا اس کو جو کچھ ماجرا

من عدوم مر ترا با من مپیچ!   نبود از رائے عدو فیروز ہیچ
مجھ سے کیوں اُلجھا کہ دشمن ہوں ترا   رائے سے دشمن کی ہو بہبود کیا

رو کسے جُو کہ ترا او ہست دوست   دوست بہر دوست لاشک خیر جوست
دوست ہو جو اس کو جا کر ڈھونڈ تو   دوست کا ہے دوست بے شک خیر جو

من عدوم چارہ نبود کز منی   کژ روم با تو نمایم دشمنی
میں ترا دشمن ہوں، مجھ میں ہے خودی   کج چلونگا اور کروں گا دشمنی

حارسی از گرگ جستن شرط نیست   جستن از غیر محل ناجستنی ست
بھیڑیے سے پاسبانی کی امید   جستجو بے محل کب ہو مفید

من ترا بے ہیچ شکے دشمنم   من ترا کے رہ نمایم رہ زنم
میں بغیر شبہ دشمن ہوں ترا   کیوں دکھاؤں راہ راہزن ہوں ترا

ہر کہ باشد ہمنشین دوستاں   ہست در گلخن میان بوستاں
وہ جو بیٹھے دوستوں کے درمیاں   بھاڑ میں بھی ہے مقیم گلستاں

ہر کہ با دشمن نشیند در زمن   ہست اندر بوستاں در گولخن
اور جو دنیا میں ہے دشمن نشیں   باغ میں بھی ہے تو ہے گلخن نشیں

دوست را مازار از ما و منت   تا نگردد دوست خصم و دشمنت
دوست کو نخوت سے آزردہ نہ کر   تا نہ ہو جائے وہ دشمن پُرخطر

خیر کن با خلق بہرِ ایزدت   یا برائے راحتِ جانِ خودت
کر بھلا سب کا خدا کے واسطے   یا کر اپنی راحتِ جاں کے لئے

تا ہمہ را دوست بینی در نظر   در دلت ناید زکیں ناخوش صور
تا کہ تجھ کو دوست سب آئیں نظر   ہو بڑی صورت نہ دل میں رخنہ گر

چونکہ کردی دشمنی پرہیز کن   مشورت با یارِ مہر انگیز کن!
اپنے دشمن سے مگر پرہیز کر   دوست سے لے مشورہ اے باہنر

گفت من دانم ترا اے بوالحسن   کہ توئی دیرینہ دشمن ز من
بولا۔ میں ہوں جانتا اے بوالحسن   تو پرانا ہے عدوئے کینہ فن

لیک مردِ عاقلی و معنوی   عقلِ تو نگذاردت کہ کج روی
پر ہے مردِ معنوی پر عقل سے   عقل تیری کج نہ جانے دے تجھے

طبع خواہد تا کشد از خصم کیں   عقل بر نفس ست بندِ آہنیں
نفس دشمن سے کرے پرخاش و کیں   نفس پر ہے عقل بندِ آہنیں

آید و منعش کند وا داردش   عقل چوں شحنہ ست در نیک و بدش
آ کے وہ روکے اُسے اے باکمال   عقل نیک و بد میں ہے جوں کوتوال

عقلِ ایمانی چو شحنہ عادل ست   پاسبان و حاکمِ شہرِ دل ست
عقلِ ایمانی ہے منصف کوتوال   شہرِ دل کی حکمراں ہے باکمال

ہمچو گربہ باشد او بیدار ہوش   دزد در سوراخ ماند ہمچو موش
مثلِ بلی کے ہے رہتی ہوشیار   چور چھپتا ہے بلوں میں موش وار

در ہر آنجا کہ بر آرد موش دست   نیست گربہ ور بود آں مردہ ست
ہے وہاں چوہے جہاں بلی نہیں   اور ہے بھی تو ہے مردہ بالیقیں

گربہ چوں شیرِ شیر افگن بود   عقلِ ایمانی کہ اندر تن بود
[illegible] گربہ، مثلِ شیرِ شیر افگن ہے وہ   عقلِ ایمانی کہ زیبِ تن ہے وہ

غرّۂ او حاکمِ درندگان — نعرۂ او مانعِ چرندگان
اُس کا غرّانا درندوں کا خطر — اُس کا نعرہ ہے چرندوں کا خطر

شہر پُر دزد است و پُر جامہ کنے — خواہ شحنہ باش گو و خواہ نے
شہر ہے چوروں اُچکّوں سے بھرا — شحنہ اس میں ہو نہ ہو بس اس سے کیا

عقل در تن حاکمِ ایماں بود — کز ہبیتش نفس در زنداں بود
عقل تن میں حاکمِ ایماں تو ہے — نفس اس کے خوف سے لرزاں تو ہے

عقلِ عقل و جانِ جاں یکجاں توئی — عقل و جانِ خلق را سلطاں توئی
عقلِ عقل اور جانِ جاں ایکجاں ہے تو — عقل و جانِ خلق کا سلطاں ہے تو

عقلِ کل سرگشتہ و حیرانِ تست — کلِ موجودات در فرمانِ تست
عقلِ کل سرگشتہ و حیراں تری — خلق ہے سب تابعِ فرماں تری

آنحضرت کا ایک ہذیلی[1] جوان کو امیر لشکر بنانا

یک سریّہ میفرستادے رسول — بہرِ جنگِ کافر و دفعِ فضول
بھیجا اک لشکر رسول اللہ نے — تا کہ جا کر کافروں سے وہ لڑے

یک جوانے را گزید او از ہذیل — میرِ لشکر کردش و سالارِ خیل
اک ہذیلی تھا جوانِ خوش ادا — میرِ لشکر اس کو حضرتؐ نے کیا

اصلِ لشکر بیگماں سرور بود — قوم بے سرور تنِ بے سر بود
اصلِ لشکر حاکمِ لشکر ہی ہے — قوم بے سرور تنِ بے سر ہی ہے

اینہمہ کہ مُردہ و پژمردہ ؤ — زاں بود کہ ترکِ سرور کردۂ
تو جو ہے مُردہ سا کمہلایا ہُوا — ترکِ سرور ہے سبب اس کا فقط

---

[1] ہذیل ایک قبیلۂ عرب کا نام ہے ۔

از کسل وز بخل وز ما و منی!
میکشی سر خویش را سر میکنی
بخل سستی اور خودی کرتا ہے تو!
سر اٹھا کر سرکشی کرتا ہے تو

ہمچو استورے کہ بگریزد ز بار
او سرِ خود گیرد اندر کوہسار
مثل اُس خر کے جو بھاگے بار سے
لے پناہیں دشت اور کہسار سے

صاحبش در پے دواں کاے خیرہ سر
ہر طرف گرگیست اندر قصدِ خر
مالک اُس کے پیچھے پیچھے ہے دواں
قصدِ خر میں بھیڑیے بھی ہیں نہاں

گر ز چشمم ایں زماں غائب شوی
پیشت آید ہر طرف گرگِ قوی
وہ یہ کہتا ہے جو تو غائب ہوا
ہوگا ہر سو بھیڑیے کا سامنا

استخوانت را بخاید چوں شکر
کہ نہ بینی زندگانی را دگر
ہڈیاں چابے گا وہ مثلِ شکر
زندگی سب دیکھے تو بارِ دگر

آں مکن کاخر بمانی از علف
آتش از بے ہیزمے گردد تلف
یہ نہ کر۔ چارہ سے بھی رہ جائیگا
آگ بے لکڑی کے کیا ہو شعلہ نا

ہیں بگریز از تصرف کردنم
وز گرانی بار چوں جانت منم
ہاں نہ بھاگ، اتنا پکڑنے سے مرے
میں ہوں تیری جاں نہ ڈر تو بار سے

تو ستوری ہم کہ نفست غالبست
حکم غالب را بود اے خود پرست
نفس غالب آیا تجھ پر ہے تو
حکم غالب کے لئے ہے مو بمو

خر نخواندت اسپ خواندت ذوالجلال
اسپ تازی را عرب گوید تعال
خر نہیں کہتا ہے گھوڑا ذوالجلال
اسپ تازی کو عرب بولیں تعال[1]

میر آخور بود حق را مصطفیٰ[2]
بہرِ استوران نفس پُر جفا
مصطفیٰ ہیں میر آخور اللہ کے
نفس ظالم کے مواشی کے لئے

---

[1] یعنی جس طرح اہلِ عرب آدمی کو بلاتے ہیں تو تعال کہتے ہیں یعنی آ اسی طرح جب گھوڑے کو بلاتے ہیں تو اس لفظ سے خطاب کرتے ہیں۔ [2] داروغۂ اصطبل۔

قل تعالوا گفت از جذبِ کرم
تا ریاضت تاں دہم رائض منم
امرِ حق سے آپ نے ان کو کہا
آؤ دوں تم سے ریاضت برملا

نفسہا را تا مروّض کردہ ام
زیں ستوراں بس لگدہا خوردہ ام
نفس کی چابک سواری میں نے کی
کھائیں چوپایوں کی لاتیں واقعی

ہر کجا باشد ریاضت بارہٗ
از لگدہایش نباشد چارہٗ
گھوڑے سے اڑیل کو سدھاتے ہیں جہاں
یوں ہی لاتیں کھائی جاتی ہیں وہاں

لاجرم اغلب بلا بر انبیاؐ ست
کہ ریاضت دادنِ خاماں بلاست
اس لئے خود ہیں پریشاں انبیاؐ
خام کاروں کا سکھانا ہے بلا

سکسکانید از دمم یرغا شوید
تا یواشش و مرکبِ سلطاں شوید
سست رَو ہو تم بنو اب تیز گام
اسپِ خاصہ تا بنائیں سب ہمام

قل تعالوا قل تعالوا گفت حق
اے ستوراں ملوّل اندر سبق
قل تعالوا، قل تعالوا، حکم حق
سب بڑے گھوڑے جو بھولا سبق!

قلُ تعالوا قلُ تعالوا گفت ہے
اے ستوراں فسردہ رگ و پے
قلُ تعالوا، قلُ تعالوا، سے کہا
تھا فسردہ رگ جو گھوڑا برملا

قلُ تعالوا قلُ تعالوا گفت رب
اے ستوراں رمیدہ از ادب
قلُ تعالوا، قل تعالوا، قولِ رب
واسطے گھوڑے کے جو تھا بے ادب

گر نیایند اے نبیؐ غمگیں مشو
زاں وہ بے تمکیں تو پر از کیں مشو
گر وہ آئیں، اے نبیؐ غمگیں نہ ہو
وہ ہیں بے تمکیں، تو پر کیں نہ ہو

گوش بعضے زیں تعالوہا کرست
ہر ستورے را صطبلے دیگر است
اس "تعالوا" سے ہیں بعضے کان کر
ہے جدا سب کا طویلہ سر بسر

لہ قولِ باری عز اسمہٗ۔ قُل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم یعنی اے محمدؐ! ان سے کہہ کہ آؤ میں تم کو بتاؤں وہ کچھ جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کیا ہے۔

متنعم گردند بعضے زیں نما
ہست ہر اسپے طویلہ او جدا
بعضے جاگ اُٹھے سُن حبیب یہ صدا
تھان ہے ہر ایک گھوڑے کا جدا

منقبض گردند بعضے زیں قصص!
زانکہ ہر مرغے جدا دارد قفس
بعض ان نعمتوں سے بعضوں کو ہوا
ہے قفس ہر اک پرندے کا جدا

خود ملائک نیز ناہمتا بدند
زیں سبب آسماں صف صف شدند
خود ملک اک دوسرے سے ہیں جدا
اس لئے ہیں یاں ہر فلک پر جابجا

کودکاں گرچہ بیک مطلب درند
در سبق ہر یک زیک بالاترند
اک ہے مقصد بچوں کی تعلیم کا
وہ سبق میں ہیں مگر کم اور سوا

مشرقی و مغربی را حسہا ست
منصب دیدار حس چشم راست
مشرقی اور مغربی میں ہیں حواس
منصب دیدار ہے آنکھوں کے پاس

صد ہزاراں گوشہا گر صف زنند
جملہ محتاجان چشم روشنند
کان گو لاکھوں صفیں قائم کریں
سب کے سب محتاج آنکھوں کے ہیں

باز صفِ گوشہا را منصبی!
در سماع جان و اخبار نبی
کانوں کی صف کا ہے اک منصب جدا
سنتے ہیں روح و پیمبر کی صدا

صد ہزاراں چشم را آں راہ نیست
ہیچ چشمے از سماع آگاہ نیست
کانوں میں آنکھوں کو لیکن دخل کیا
آنکھ پھر کیونکر ہو سماعت آشنا

ہمچنیں از حس بیک یک می شمر
ہر یکے معزول از کار دگر
اس طرح ایک ایک حس کو دیکھ لے
ہے ہر اک بیکار کار غیر سے

پنج حس ظاہر و پنج اندروں
در صفند اندر قیام الصافون
پانچ ظاہر پانچ باطن کی حسیں
اپنی اپنی سب نے قائم کیں صفیں

ہر کے گو از صفِ دیں سرکش است
میرود سوئے صفے کاں ناخوشست
دیں کی صف سے جو سرکش ہے بنا
وہ پڑی اک دوسری صف میں گیا

تو ز گفتارِ تعالوا کم مکن !
کیمیائے بس شگرفست ایں سخن
پس تعالوا کی نہ کر کم تو صدا !
یہ سخن ہے اِک نرالی کیمیا

گر مِسے گردد ز گفتارت نفیر
کیمیا را ہیچ از وے وامگیر
اس صدا سے مس کرے نفرت اگر
کیمیا کو تو الگ اس سے نہ کر

ایں زماں گر بست نفسِ کافرش
گفتِ تو سودش دہد در آخرش
نفس کافر اس کا گو ہے اس گھڑی
کام آخر آئیں گی باتیں تری

قُل تعالوا قُل تعالوا اے[1] غلام
ہیں کہ اِنّ اللّٰہ یدعو بالسلام
قُل تعالوا، قُل تعالوا، اے غلام
حق بلاتا ہے سوئے دارالسّلام

خواجہ باز آ از منی و از سری
سروری جُو کم طلب کن سروری
خواجہ اس خبطِ خودی سے باز آ
مانگ حق سے سروری، نخوت ہٹا

رسولِ مقبول پر اعتراض

چوں پیمبرؐ سرورے کرد از ہذیل
از برائے لشکرِ منصورِ خیل
جب پیمبرؐ نے ہذیلی کو کیا
میر اس فوجِ ظفر تقدیر کا

بوالفضولے از حسد طاقت نداشت
اعتراض لا نُسلّم برفراشت
ایک حاسد کو حسد پیدا ہؤا
اعتراض اس بات پر کرنے لگا

خلق را بنگر کہ چوں ظلمانیند
در متاعِ فانیے چوں فانیند
اہلِ دنیا ہیں اندھیرے میں پھنسا
مالِ فانی پہ یہ ہوتے ہیں فنا

از تکبّر جملہ اندر تفرقہ
مُردہ از جاں زندہ اندر مخرقہ
تفرقے میں ہیں تکبّر سے پڑے
سوز میں زندہ ہیں، مُردہ جان سے

---

[1] غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن تین مخصوص ناموں میں سے ایک ہے۔ جو خدا کو بہت پسند تھے۔ یعنی اُمّی۔ یتیم اور غلام ؎

ای عجب کہ جاں بزنداں اندرست
وآنگہے مفتاح زندانش بدست
ہے یہ حیرت قید میں ہے ان کی جان
ہات میں محبس کی لی ہیں کنجیاں

پائے تا سر غرق سرگیں آں جواں
میزند بر دامنش جوئے رواں
غرق ہے گوبر میں سر تا پا جواں
بہتی ہے دامن پہ اک نہر رواں

دائما پہلو بہ پہلو بیقرار
پہلوئے آرامگاہ و پشت دار
ہے ہمیشہ مضطرب اور بے قرار
گو کہ پہلو ہی میں ہے جائے قرار

نور پنہانست وجستجو گواہ
کز گزافہ دل نجوید پناہ
نور پنہاں جستجو اس کی گواہ !
دل نہیں غفلت سے جویائے پناہ

گر نبودے حبس دنیا را مناص
نے بُدے وحشت دل جستے خلاص
ہو نہ آزادی قید دہر اگر
ہو نہ وحشت اور دل ڈھونڈے مفر

وحشتت ہمچوں موکل می کشد
کہ بجوئے ہاں منہاج رشد
جوں موکل کھینچتی ہیں وحشتیں
ڈھونڈ اے گمراہ راہیں رشد میں

ہست منہاج نہاں در مکمنت
یا نقش رہیں گواہ جستنت
ذات میں تیری ہے یہ رستہ نہاں
ہے غلط جوئی سے غائب بیگماں

تفرقہ جویائے جمع اندر کمیں
تو دریں طالب رخ مطلوب بیں
جمع[1] کا ہے تفرقہ جویا نہاں
دیکھ طالب میں رُخ مطلوب ہاں

مردگان باغ برجستہ زبُن
زندگی بخشندہ را تو فہم کن
جوڑے پھر نکلے جو گلشن میں مرے
بخشی جس نے جان سمجھ تو بھی اُسے

چشم ایں زندانیاں ہر دم بدر
کے بُدے گر نیستی کس مژدہ ور
قیدیوں کی آنکھیں کیوں رہتیں لگی
مژدہ گر ان کو نہ دے دیتا کوئی!

---

[1] یعنی کثرت و وحدت (جو جمع ہیں) میں تفرقہ کرنے والا گھات میں لگا ہوا ہے۔

صد ہزاراں تودگان آب جو	کے بدیدے گر نبودے آب جو
لاکھوں کیوں پانی کو آخر ڈھونڈتے	گر نہ ہوتیں ندیاں سکن ڈھونڈتے
بر زمیں پہلوت را آرام نیست	زانکہ در خانہ لحاف و بستر ایست
خاک پر پہلو کو ہو آرام کیا	کیونکہ گھر میں ہے لحاف و دو بسترا
بے جگر گاہے نباشد بیقرار	بے خمار اشکن نباشد ایں خمار
جو ہو بے گھر کب ہوا وہ بے قرار	بے[1] خمار اشکن ہو کب ایسا خمار
گفت نے یا رسول اللہ مکن	سرور لشکر مگر شیخ کہن
بولا[2] ہاں ہاں یا نبی بے قیل و قال	سرور لشکر بنے اک کہنہ سال
یا رسول اللہ جوان ار شیرزاد	غیر مرد پیر سر لشکر مباد
یا رسول اللہ جواں گر شیر ہو	کب ہے موزوں سروری فوج کو
ہم تو گفتی ایں و گفتِ تو گوا	پیر باید پیر باید پیشوا
آپ کا قول آپ نے ہے خود کہا	پیر ہونا چاہئے اک پیشوا
یا رسول اللہ دریں لشکر نگر	ہست چندیں پیر از وے بیشتر
یا رسول اللہ لشکر پر نظر	ہیں بہت سے بوڑھے اس سے بیشتر
زیں درخت آں برگ زردش را مبیں	سیبہائے پختہ او را بچیں
برگ زرد اس پیڑ کے کیوں دیکھئے	سیب پختہ بھی تو ہیں ان میں لگے
برگہائے زرد او خود کے تہی ست	ایں نشانِ پختگی و کاملیست
زرد پتے بھی نہیں اس کے تہی	ہیں نشانِ پختگی و کاملی

[1] ایسا خمار جبھی ہوتا ہے جب خمار شکن موجود ہو یعنی جب زمین کی سختی سے بچانے والا لحاف اور بستر گھر میں پڑا ہو۔ تو زمین پر کیونکر نیند آئے۔

[2] یعنی وہ اعتراض کرنے والا بولا۔

برگ زرد و ریش و آں موئے سپید	بہر عقل پختہ می آرد نوید
برگ زرد و ریش اور موئے سپید	عقل پختہ کو ہیں دیتے اک نوید
برگہائے تو رسیدہ سبز فام	شد نشان آنکہ ایں میوہ است خام
جب نئے پتے ہوں اور ہوں سبز فام	ہیں نشان اس کا ابھی میوہ ہے خام
برگ بے برگی نشان عارفیست	زردیٔ زر سرخ روئے صیرفیست
برگِ بے برگی ہے عارف کا نشان	زردیٔ زر عزتِ صراف ہاں
آنکہ او گل عارضست و نوخطست	او بمکتب گاہ مخبر و خطاست
جس کے عارض پھول خط نو کی ابتدا	مدرسے میں ہے اسی کا خط نیا
حرفہائے خطِ او کژ مژ بود	مر من عقلست اگر تن میرود
ٹیڑھے سیدھے حرف ہونگے بیگماں	عقل ساکن ہے اگر ہے تن رواں
پائے پیر از سرعت ار چہ باز ماند	یافت عقل او دو پر اوج راند
پیر گو معذورِ سرعت ہے مگر	عقل اس کی اڑ رہی ہے اوج پر
گر مثل خواہی بجعفرِ در نگر	داد حق بر جائے دست و پاش پر
جعفرِ طیار ہی پر غور کر	جائے دست و پا دئے خالق نے پر
گر ز اسرارِ سخن بوئے بری	من سخن گویم چو زرِ جعفری
بو جو اسرارِ سخن کی لے اگی	یہ سخن ہے مثلِ زرِّ جعفری
بگذر از زر کایں سخن شد محتجب	ہمچو سیماب ایں قلم شد مضطرب
چھوڑ زر کو ہے نہاں یہ بات یار	صورتِ سیماب دل ہے بے قرار
زاندرونم صد خموشی خوش نفس	دست بر لب مینہد یعنی کہ بس
جوش زن ہیں دل میں تو خاموش ہاں	ہاتھ رکھ کر بند کر لی ہیں زباں

لہ پہلا خط خطِ رخسار کے معنوں میں ہے، اور دوسرا خط خط تحریر کے معنوں میں •

ٹہ گنگ • سہ زر خالص •

خامشی بحرست و گفتن ہمچو جو   بحر می جوید ترا جو را مجو!
بحر خاموشی ہے . ندی گفتگو   بحر کو ڈھونڈ ہے تری چھوڑ آ بجو

از اشارتہائے دریا سر متاب   ختم کن واللہ اعلم بالصواب
کر دو موج بحر سے تو اجتناب   ختم کر ، واللہ اعلم بالصواب

ہمچنیں پیوستہ کرد آں بے ادب   پیش پیغمبر سخن زاں مضطرب
اس طرح وہ بے ادب کہتا رہا   پیش پیغمبر جو اس کا منہ کھلا

دست میداوش سخن او بیخبر   کہ خبر ہرزہ بود پیش نظر
باتیں وہ کرتا تھا لیکن بے خبر   بے خبر بیہودہ ہی پیش نظر

ایں خبرہا از نظر خود نائب ست   بہر حاضر نیست بہر غائب ست
ہوتی ہے نائب نظر کی خود خبر   بے خبر غائب کو ، حاضر کو نظر

ہر کہ او اندر نظر موصول شد   ایں خبرہا پیش او معزول شد
جو نظر کے کیف سے سرشار ہے   پھر خبر اس کے لئے بیکار ہے

چونکہ با معشوق گشتی ہمنشیں   دفع کن دلالگاں را بعد ازیں
جب کہ تو معشوق کا ہے ہم نشیں   حاجت دلال پھر تجھ کو نہیں

ہر کہ از طفلی گذشت و مرد شد   نامہ و دلالہ بر وے سرد شد
جو لڑکپن سے گذر کر مرد ہو!   نامہ اور دلالہ اس پہ سرد ہو

نامہ خواند از پئے تعلیم را   حرف گوید از پئے تفہیم را
نامہ ہے تعلیم ہی کے واسطے   بات ہے تفہیم ہی کے واسطے

پیش بینایاں خبر گفتن خطاست   کاں دلیل غفلت و نقصان ماست
یوں ہے بینا کو خبر : بینا خطا   اس میں ہے نقصان و غفلت برملا

پیش بینا شد خموشی نفع تو   بہر ایں آمد خطاب انصتوا[لہ]
پیش بینا ہے خموشی آبرو   اس لئے آیا خطاب انصتوا؟

لہ قولہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ : و اذا قری القرآن فاستمعوا لہ و انصتوا ۔ یعنی جب قرآن پڑھا جائے ۔ تو اس کو سنتے رہو ، خاموش رہو گے

گر بفرماید بگو برگوے خوش	لیک اندک گو دراز اندر مکش
گر وہ فرمائے تو کہہ کر شوق سے	وہ بھی کم، ہرگز نہ اُس کو طول دے
ور بفرماید کہ اندر کش دراز	ہمچناں شیریں بگو با امر ساز
طول دے باتوں کو فرما سے اگر	خوب کر اور حکم کی تعمیل کر
ہمچنانکہ من دریں زیبا فسوں	با ضیاء الحق حسام الدین کنوں
جس طرح اس مثنوی کے سلسلے	ہیں ضیاء الحق حسام الدینؒ سے
چونکہ کوتہ می کنم بعد از رشد	او بصد نوعم بگفتن میکشد
مختصر کرتا ہوں میں بعد دُعا	وہ یہ کہتے ہیں اسے آگے بڑھا
اے حسام الدین ضیائے ذوالجلال	چونکہ می بینی چہ میجوئی مقال
اے حسام الدینؒ نور ذوالجلال	دیکھتے ہو پھر ہے کیوں فکر مقال
ایں مگر باشد ز حب مشتہی	اسقنی خمراً و قل لی انہا
ہے مگر شاید طلب کی یہ ولا	مے پلا اور کہہ دے ہے یہ برملا
بر دہان تست ایندم جام ہُو	گوش میگوید کہ قسمم گوش کو
لب تمہارے ہونٹ پر ہے جام ہُو	کان کو حصے کی اپنے جستجو
قسم تو گرمیست نک گرمیست	گفت حرص من ازیں افزونتر است
گرمی ہے حصہ مقدر۔ مل گئی!	بولے حرص افزوں ہے میری اس سے بھی

معترض کو آنحضرت کا جواب

در حضور مصطفائے قند خو	چوں ز حد بُرد آں عرابی گفتگو
مصطفائے قند خو کے روبرو	جب بڑھی حد سے عرب کی گفتگو

---

[1] عربی شاعر ابونواس کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے کہ ؎ الا فاسقنی خمراً وقل لی ہی الخمر ولا تسقنی سراً اذا امکن الجہر یعنی مجھے شراب پلا اور مجھ سے کہہ دے کہ یہ شراب ہے اور چھپا کے نہ پلا۔ جب کھلم کھلا ممکن ہو۔

آں شہ والنجم و سلطان عبس	لب گزیداں سر ولب را گفت بس
وہ شہ[1] والنجم، سلطانِ عبس	کاٹ کر لب، سرِ لب سے بولے، بس
دست می زد بہرِ منعش بر دہاں	چند گوئی پیش دانائے نہاں
ہاتھ رکھ کر منہ پہ فرمایا کہ ہاں	کیوں ہے بک بک پیش دانائے نہاں
پیش بینا بردہ سرگین خشک	کہ بخریں را بجائے نافۂ مشک
پیش بینا لے گیا گوبر خشک کا	لا کے بولا۔ لو یہ نافہ مشک کا
بعر را اے گندہ مغز گندہ مخ	زیر بینی بنہی و گوئی کہ آخ
اور خشک سا گوبر لگا کر ناک پہ	سونگھتا ہے اور خوش ہے سر بسر
آخ آخے بر داشتی اے گیج کاج	تاکہ کالائے بدت یابد رواج
ہے تری تحسین اے احول یہ آج	تا ترا سامان بد پائے رواج !
تا کہ بفریبی مشام پاک را	آں خجیرندہ گلشن افلاک را
تا کہ دھوکا دے دماغِ پاک کو	یعنی مرغِ گلشن، افلاک کو
حلم او خود را اگر چہ گول ساخت	خویشتن را اندکے باید شناخت
حلم نے گو اس کے۔ کی بیگانگی	اپنی ہے پہچان لیکن لازمی
دیگ را گر باز ماند شب دہن	گربہ را ہم شرم باید داشتن
دیگ کا گر منہ رہے شب کو کھلا	چاہیئے بلی کو بھی کچھ تو حیا
خویشتن گر خفتہ کرد آں خوب فر	سخت بیدار است دستارش مبر
خود کو گر سوتا لیا اس نے بنا	لے نہ پگڑی اس کی وہ ہے جاگتا
چند گوئی اے لجوج بے صفا	ایں فسون دیو پیش مصطفیٰ
جھگڑتے بے صفا کب تک کہے	سحرِ شیطاں مصطفیٰؐ کے سامنے

---

[1] والنجم اور عبس و تولیٰ دونوں قرآن مجید کی دو مقدس سورتیں ہیں۔

صد ہزاراں حلم دارند ایں گروہ	ہر یکے حلمے از آنہا صد چو کوہ
حلم رکھتے ہیں ہزاروں انبیاء	ایک اک حلم اُن کا مثلِ تو کوہ سا
حلم شاں بیدار را ابلہ کند	زیرک صد چشم را گمرہ کند
حلم اُن کا ہوش ہشیاروں کے لے	عاقل صد چشم کو گمراہ کرے
حلم شاں ہمچوں شراب خوب نغز	نغز نغزک بر رود بالائے مغز
حلم اُن کا ہے شراب خوب و نغز	جلدی جلدی چڑھتی ہے بالائے مغز
مست را بیں زاں شراب پُر شگفت	ہمچو فرزیں مست کژ رفتن گرفت
دیکھ حالت اُس کے مست کیف کی	مثلِ[1] فرزیں مستیوں سے کجروی
مرد برنا زاں شراب زُود گیر	درمیان راہ می اُفتد چو پیر
جب جواں پیتے ہیں جام زود گیر[2]	گرتے ہیں وہ راستے میں مثلِ پیر
خاصہ آں بادہ کہ از خُم بلیٰ ست	نے مئے کہ مستی او یک شبی ست
خاص کر وہ بادۂ خُمِ بلیٰ	وہ نہیں جس میں ہو مستی یک شبی
آنکہ آں اصحاب کہف از نقل نقل	سیصد و نہ سال گم کردند عقل
جس سے وہ اصحاب کہف از روئے نقل[3]	تین سو نو سال تک بھولے تھے عقل
زاں زنانِ مصر جامے خوردہ اند	دستہا را شرحہ شرحہ کردہ اند
پی کے وہ بادہ زنانِ مصر نے	ہاتھ اپنے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے
ساحراں ہم سکر موسیٰ داشتند	دار را دلدار می پنداشتند
ساحروں کو بھی تھا موسیٰ کا خمار	دار کو دلدار کرتے تھے شمار
جعفر طیار زاں مے بود مست	زاں گرو میکرد بیخود پا و دست
جعفر طیار تھے اُس مے سے مست	اس لئے کٹوائے اپنے پا و دست

---

[1] یعنی جس طرح بساطِ شطرنج پر فرزیں ٹیڑھا جاتا ہے ۔

[2] فوراً دبوچ لینے والا ۔ [3] روایت ۔

حضرت بایزیدؒ اور اُن کے مرید

با مریداں آں فقیرِ محتشم	بایزیدؒ آمد کہ یزداں نک منم
بایزیدؒ آئے مریدوں سے کہا	اے مریدو! میں تمہارا ہوں خدا
گفت مستانہ عیاں آں ذو فنوں	لا الٰہ الّا انا ہا فاعبدون!
اور کہا مستانہ اے لوگو سنو	میں خدا ہوں تم مری پوجا کرو
چوں گذشت آں حال گفتندش صباح	تو چنیں گفتی و ایں نبود صلاح
ختم جب حالت ہوئی وقتِ صباح	لوگ بولے۔ تھا یہ کہنا بے صلاح
گفت ایں بار ار کنم ایں مشغلہ	کاردہا بر من زنید آں دم ہلہ!
بولے اب کی بار ہو ایسا اگر	مارنا چھریاں مرے تم بے خطر
حق منزّہ از تن و من با تنم	چوں چنیں گویم ببایدکشتنم
حق بری ہے جسم سے۔ با تن ہوں میں	یوں کہوں تو قابلِ کشتن ہوں میں
چوں وصیت کرد آں آزاد مرد	ہر مریدے کاردے آمادہ کرد
جب وصیت آپ نے یہ اُن سے کی	ہو گئے آمادہ لے کر چھُری
مست گشت او باز از آں سغراقِ زفت	آں وصیتہاش از خاطر رفت
مست وہ پھر ہو گئے اس جام سے	جو وصیت کی تھی، وہ سب بھولے اُسے
عشق آمد عقل او آوارہ شد	صبح آمد شمع او بیچارہ شد
عشق آیا عقل آوارہ ہوئی	صبح آئی، شمع ناکارہ ہوئی
عقل خود شحنہ ست چوں سلطاں رسید	شحنۂ بیچارہ در کنجے خزید
عقل شحنہ تھی، جو سلطاں آ گیا	شحنہ اک کونے میں جا کر چھپ رہا
عقل سایہ حق بود حق آفتاب	سایہ را با آفتاب او چہ تاب
عقل سایہ حق کا۔ حق ہے آفتاب	سائے کو سورج سے کیا یارائے تاب

چوں پری غالب شود بر آدمی	گم شود از مرد وصفِ مردمی
آدمی پہ جبکہ غالب ہو پری	اُس سے گم ہو جائے وصفِ مردمی
ہر چہ گوید او پری گفتہ بود	زیں سرے نہ زاں سرے گفتہ بود
جو کہے وہ ۔ تو پری کا ہو کہا	پھر اِدھر کی ہو ۔ اُدھر کی بات کیا
چوں پری را ایں دم و قانوں بود	کردگار آں پری خود چوں بود
جب پری کا ہو یہ زور و اقتدار	کیسا ہوگا اس پری کا کردگار
اُو نئی او رفتہ پری خود او شدہ	ترکِ بے الہام تازی گو شدہ
وہ کہاں وہ تو پری خود ہو گیا	ترک بے الہام عربی گو بنا
چوں بخود آید نداند یک لغت	چوں پری را ہست ایں کار و صفت
آپ میں آئے نہ جانے اک لغت	کام یہ سب ہے پری کا اور صفت
پس خداوندِ پری و آدمی	از پری کے باشدش آخر کمی
پس وہ معبودِ پری و آدمی	کس طرح کم ہو پری سے اے صفی
شیر گیر از شیر کے ترسد بگو	شرح راہ از کور کہ پرسد بگو
شیر سے کب شیر گیر آخر ڈرا	اندھے سے کب پوچھتے ہیں راستا
شیر گیر از خونِ برّہ سیر خورد	تو بگوئی او نکرد آں بادہ کرد
مست[1] نے جب خونِ برّہ کا پیا	تو کہے ۔ یہ کام ہے مے نے کیا
ور سخن پردازد از رازِ کہن!	تو بگوئی بادہ گفتہ است ایں سخن
اور جب کھولے وہ اسرارِ کہن	تو کہے ۔ یہ سب ہیں مستی کے سخن
بادۂ را مے بود ایں شر و شور	نورِ حق را نیست ایں فرہنگ و زور!
ہوتا ہے مے میں فقط یہ شور و شر	نورِ حق میں کیا نہیں یہ زور و فر!

---

[1] نیم مست سے مراد ہے ؞

گر ترا از تو بکل خالی کند	تو شوی پست او سخن عالی کند
بس مجھی سے وہ تجھے خالی کرے	پست باتوں کو تری عالی کرے
گرچہ قرآن از لب پیغمبر است	ہر کہ گوید حق نگفت او کافر است
گرچہ قرآں قول پیغمبر ہوا	جو نہ مانے قول حق ، کافر ہوا
چوں ہمائے بیخودی پرواز کرد	آں سخن را بایزید رحمہ آغاز کرد
اڑ گیا جب وہ ہمائے بے خودی	پھر وہی بات آپ نے آغاز کی
عقل را سیل تحیر در ربود	زاں قوی تر گفت کاول گفتہ بود
عقل کو سیلاب حیرت لے گیا	جو کہا تھا اُس سے کچھ بڑھ کر کہا
نیست اندر جبہ ام الا خدا	چند جوئی در زمین و در سما
کچھ نہیں جبے میں میرے جز خدا	تو زمین و آسماں میں ڈھونڈے کیا
آں مریداں جملہ دیوانہ شدند	کاردہا در جسم پاکش میزدند
اُن مریدوں میں بڑھی دیوانگی!	مارتے تھے جسم اقدس پہ چھری
ہر یکے چوں ملحداں گرد کوہ[1]	کارد میزد پیر خود را بے ستوہ
اُن مثال ملحداں گردشہ کوہ	مارتا تھا اُن کے چھریاں وہ گروہ
ہر کہ اندر شیخ تیغے میخلید	باژگونہ او تن خود می درید
شیخ کو تھا جو بھی چھریاں مارتا	خون وہ کرتا تھا اپنے جسم پہ
یک اثر نے بر تن آں ذو فنوں	واں مریداں خستہ و غرقاب خوں
کچھ اثر تن پہ نہ رکھتے بایزیدؒ	خستہ و غرقاب خون تھے سب مرید
ہر کہ او سوئے گلویش زخم برد	حلق او ببریدہ دید و زار مرد
زخم جس نے اُن کی گردن پہ دیا	حلق خود اُس کا کٹا وہ مر گیا

---

[1] گرد کوہ ماژندان کا ایک پہاڑ ہے جہاں امام فخر الدینؒ رازی کے زمانے میں ملحد رہتے تھے۔

وانکہ او را زخم اندر سینہ زد
سینہ اش بشگافت شد مردہ ابد
اور جس نے سینے کو زخمی کیا
مر گیا وہ اُس کا سینہ پھٹ گیا

وانکہ آگہ بود از صاحبقران!
دل ندادش کہ زند زخم گراں
تھا جو اُن میں واقف صاحبقران
دل لگا تا ہی نہ تھا زخم گراں

نیم دانش دست او را بستہ کرد
جان نبرد الا کہ خود را خستہ کرد
ہاتھ اُس کے نیم عقلی سے بندھے
ہو گیا زخمی بچا وہ جان سے

روز گشت و آں مریداں کاستہ
نوحہ ہا از خانۂ شاں برخاستہ
صبحدم اجو تھے مریدوں میں مرے
اُن کے گھر میں نوحہ سب کرنے لگے

پیش او آمد ہزاراں مرد و زن
کاے دو عالم درج در یک پیرہن
اس کے پاس آئے ہزاروں مرد و زن
اور کہا۔ اے دو جہاں در پیرہن

ایں تن تو گر تن مردم بُدے
چوں تن مردم ز خنجر گم شدے
یہ بدن ہوتا تن مردم اگر !
مثل تن خنجر سے ہوتا منتشر

با خودے با بیخودے دوچار زد
بیخود اندر دیدۂ خود خار زد
جب ہوا بیخود سے اک باخود دوچار
آنکھ میں بیخود نے مارا اپنی خار

اے زدہ بر بیخوداں تو ذوالفقار
بر تن خود میزنی آں ہوشدار
بے خودوں پہ جب تو مارے ذوالفقار
اپنے تن پر مارے گویا ہوشیار

زانکہ بیخود فانیست و ایمن است
تا ابد در ایمنی او ساکن است
کیونکہ بے خود فانی ہیں اور امن میں
اور ہمیشہ کے لئے ایمن رہیں

نقش او فانی و او شد آئینہ
غیر نقش روئے غیر آنجائے نہ
نقش فانی اور وہ آئینہ ہوا
نقش روئے غیر ہی واں رہ گیا

گر کنی تف سوئے روئے خود کنی
ور زنی بر آئینہ بر خود زنی
تف کرے تو اپنے چہرے پہ کرے
مارے آئینے پہ خود تجھ پہ پڑے

ور ببینی روئے زشت آں ہم توی	ور ببینی عیسیٰ و مریم توی
روئے بد دیکھے ہے بیش و کم تو ہی	اور جو دیکھے عیسیٰ مریم ۔ تو ہی
او نہ ایست و نہ آں او سادہ ہست	نقش تو در پیش تو بنہادہ ہست
وہ نہ یہ ہے اور نہ وہ ہے دیکھیے	نقش ہے تیرا ہی تیرے سامنے
چوں رسید اینجا سخن لب در ببست	چوں رسید اینجا قلم درہم شکست
بات جب پہنچی یہاں، لب بند تھے	جب قلم پہنچا یہاں۔ ٹکڑے ہوئے
لب بہ بند ارچہ فصاحت دست داد	دم مزن واللہ اعلم بالرشاد
چُپ بھی رہ۔ گو ہے فصاحت میں کشاد	دم نہ مار، اللہ اعلم بالرشاد
بر کنار بامی اے مست مدام	پست بنشیں یا فرود آ والسلام
ہے کنارِ بام تو مستِ شراب	بیٹھ ہٹ کر یا اتر نیچے شتاب
ہر زمانے کہ شوی تو کامراں	آں دم خوش را کنار آب داں
جب کبھی جس وقت تو ہو کامران	اُس زمانے کو کنارِ آب جان
بر زمانِ خوش ہراساں باش تو	ہمچو گنج خفیہ کن نے فاش تو
جب خوشی کا وقت آئے اُس سے ڈر	مثلِ گنج اس کو چھپا ظاہر نہ کر
تا نیاید بر ورِ لا ناگہ بلا !	ترس ترساں رو در آں مکمن ہلا
تا نہ آئے قرب پہ تیرے بلا	ڈرتے ڈرتے طے تو کر یہ راستا
ترس جاں در وقتِ شادی از زوال	زاں کنارِ بام غیب است ارتحال
ڈر خوشی کے وقت غم اور رنج کا	اُس کنارِ بام سے ہے تو ٹنا
گر نمی بینی کنارِ بام راز	روح می بیند کہ ہستش احتراز
گر نہ دیکھے تو کنارِ بام راز	روح کو ہے دیکھنے سے احتراز
ہر نکالے ناگہاں کاں آمدست	بر کنارِ کنگرہ شادی نشست
جو مصیبت ناگہاں آئے کبھی	جان لے ہمراہ اس کے ہے خوشی

جو کنارِ بام خود نمود سقوط	اعتبارِ قومِ نوحؑ و قومِ لوطؑ
تو کنارِ بام ہی سے بس گرے	قومِ نوحؑ و لوطؑ سے عبرت تو لے
اعتبارے گیر تا یابی صفا	از درونِ انبیاؑ و اولیاؑ
ہاں تو عبرت لے کہ حاصل ہو صفا	انبیاءؑ و اولیاؑ سے اے فتا

آنحضرتؐ کے سامنے معترض کی فضول گوئی کا سبب

پرتوِ مستیٔ بے حدِّ نبیؐ	چوں بزد ہم مست خوش گشت آں غبی
پرتوِ باطن نبیؐ کے کیف کا	جب پڑا تو مست وہ بھی ہو گیا
لاجرم بسیار گو شد از نشاط	مست ادب بگذاشت آمد در خباط
وہ خوشی سے ہو گیا بسیار گو	بھول بیٹھا خبط میں آداب کو
نے ہمہ جا بیخودی شر میکند	بے ادب را بے ادب تر میکند
بیخودی ہی سے ہر اک جا شر اُٹھے	بے ادب کو بے ادب تر وہ کرے
گر بود عاقل نکو فر می شود	ور بود بد خوے بدتر می شود
ہو اگر عاقل نکوئی فر ہو سوا	ہو اگر بدتر تو بدتر ہو سوا
بر لبیب آید لباب آنکا براو	وز غبی گم گردد استیناس او
ہوتا ہے عاقل پہ الفت کا کرم	اور غبی سے اُنس ہو جاتا ہے کم
بیخود از مے با ادب گردد تمام	باخود از مے بے ادب گردد مدام
مے سے بے خود با ادب ہو لا کلام	مے سے باخود بے ادب ہو گا مدام
لیک اغلب چوں بدند و ناپسند	بر ہمہ مے را محرّم کردہ اند
لیکن اکثر اس سے ہوتے ہیں خراب	ہے حرام اس واسطے سب پر شراب

سلہ نیک +

حکم غالب راست چوں اغلب بدند	تیغ را از دست رہزن بستدند
حکم غالب پر ہے غالب جو تھے	تیغ چھینی راہزن کے ہاتھ سے

آنحضرتؐ کا سبب بیان فرمانا

گفت پیغمبرؐ کہ اے ظاہر نگر	تو مبیں او را جوان و بے ہنر
بولے پیغمبرؐ کہ اے ظاہر نگر	تو نہ دیکھ اس کو جواں اور بے ہنر
اے بسا ریش سیاہ و مرد پیر	اے بسا ریش سفید و دل چو قیر
کالی ڈاڑھی والے اکثر پیر رہ	اُجلی ڈاڑھی والے اکثر دل سیہ
عقل او را آزمودم بارہا	کرد پیری آں جواں در کارہا
عقل اس کی آزمائی بارہا	کی ہے پیری اُس جواں نے برملا
پیر پیر عقل باشد اے پسر	نے سفیدی موئے اندر ریش و سر
پیر پیر عقل ہوتا ہے پسر	وہ نہیں ہوں جس کے اُجلے ریش و سر
از بلیس او پیرتر خود کے بود	چونکہ عقلش نیست او لاشے بود
ہو وہ کب ابلیس سے بوڑھا سوا	چونکہ عقل اُس میں نہیں، لاشے ہُوا
طفل گیرش چوں بود صاحب کمال	پیر باشد در ہنر آں خوش خصال
جان لڑکا جب وہ ہے صاحب کمال	پیر از روئے ہنر ہے خوش خصال
طفل گیرش چوں بود عیسیٰؑ نفس	پاک باشد از غرور و از ہوس
جان لڑکا جب وہ ہے عیسیٰؑ نفس	کچھ نہیں اس میں تکبر اور ہوس
آں بیاض مُو دلیل پختگی ست	پیش چشم بستہ کش کوتہ تگیست
ہیں دلیل پختگی یہ اُجلے بال	آگے اندھے کے جو ہے کوتہ خیال
آں مقلد چوں نداند جز دلیل	در علامت جوید او دائم سبیل
وہ مقلد جب نہ جانے جز دلیل	ڈھونڈتا ہے بس علامت میں سبیل

بہر آں گفتیم کایں تدبیر را
چوں کہ خواہی کرد بگزیں پیر را

یوں کہا تھا صحبت تدبیر کو
ڈھونڈنا لازم ہے مرد پیر کو

لیک پیر عقل نے پیر سن
می ندانی ممتحن از ممتحن!

وہ بھی پیر عقل نے پیر سن :
تو نہ جانے ممتحن[1] اور ممتحن[2]

آنکہ او از پردۂ تقلید جست
او بنور حق ببیند ہر چہ ہست

پردۂ تقلید سے نکلا ہے جو
نور حق سے دیکھے وہ ہر چیز کو

نور پاکش بے دلیل و بے بیاں
پوست بشگافد در آید در میاں

نور اس کا بے دلیل و بے بیاں
کھول دے سب راز پڑ کر درمیاں

پیش ظاہر بیں چہ قلب و چہ سرہ
او چہ داند چیست اندر قوصرہ

چشم ظاہر میں ہے کیا کھوٹا کھرا
وہ نہ جانے تھیلی کے اندر ہے کیا

اے بسا زر سیہ کردہ بدود
تا رہد از دست ہر نقد حسود

کرتے ہیں اکثر دھوئیں سے زر سیاہ
چور کر ڈالیں نہ تا اس کو تباہ

اے بسا مس زر اندودہ بزر
تا فروشد آں بعقل مختصر

اور چڑھا کر سونا اکثر تانبے پر
بیچتے ہیں تاکہ لے لیں کم نظر

ما کہ باطن بین جملہ کشوریم
دل ببینیم و بظاہر ننگریم

ہم ہیں ہر کشور کا باطن دیکھتے
چھوڑ ظاہر دل ہیں لیکن دیکھتے

قاضیانے کہ بظاہر می تنند
حکم بر اشکال ظاہر می کنند

قاضیوں کا جیسے ظاہر پہ مدار
شکل ظاہر پہ ہے حکم و اختیار

چوں شہادت گفت و ایمانش نمود
حکم او مومن کنند ایں قوم زود

پڑھ کے کلمہ ظاہر ایمان جب کیا
حکم مومن کا دیا اس پہ لگا

---

[1] جس کا امتحان کیا جائے +

[2] امتحان کرنے والا +

پس منافق کاندریں ظاہر گریخت
خون صد مومن بہ پنہانی بریخت
اس کے پردے میں منافق آ چھپا
خون سو مومن کا چھپ چھپ کر دیا

جہد کن تا پیر عقل و دیں شوی
تا چو عقل کل تو باطن بیں شوی
سعی کرتا پیر عقل و دیں ہو تو
مثل عقل کل کے باطن بیں ہو تو

از عدم چوں عقل زیبا رو نمود
خلعتش داد و ہزاراں عز فزود
جب عدم سے عقل یہ پیدا ہوئی
خلعتیں دیں حق نے عزت اسکی کی

عقل چوں از عالم غیبی کشاد
رفعت افزود و ہزاراں نامش داد
عالم غیبی سے جب پائی کشاد
نام پھر پائے ہزاروں با مراد

کمتریں زاں نامہا خوش نفس
اینکہ نبود ہیچ او محتاج کس
سب سے ادنیٰ نام کی یہ لاج ہے
وہ کسی کی بھی نہیں محتاج ہے

گر بصورت وانماید عقل رو
تیرہ باشد روز پیش نور او
عقل جب صورت میں ہوتی ہے عیاں
اس کے آگے دن سیہ ہے بے گماں

ور مثال احمقی پیدا شود
ظلمت شب پیش او روشن بود
ہو اگر ظاہر مثال احمقی
ماند ہو اس سے اندھیری رات بھی

کو ز شب مظلم تر و تاری تر ست
لیک خفاش شقی مظلم خرست
رات سے ظلمت میں ہے تاریک تر
ہے خریدار اس کی چمگادڑ مگر

اندک اندک خوئے کن با نور روز
ورنہ خفاشی بمانی بے فروز
تھوڑی تھوڑی ڈال لے تو دن کی خو!
ورنہ چمگادڑ ہی رہ جائے گا تو

عاشق ہر جا شکال و مشکلے ست
دشمن ہر جا چراغ مقبلے ست
ہر جگہ عاشق تو ہر مشکل کا ہے
ہر کہیں دشمن تو ہر مقبل کا ہے

ظلمت اشکال زاں جوید دلش
تا کہ افزوں تر نماید حاصلش
ڈھونڈے دل مشکل کی ظلمت اسلئے
تا دکھائے کچھ بڑھا کر فائدے

تا کنُد مشغول آں مشکل کنُد وز نہادِ زشتِ خود غافل کند
تا کرے مشغول صد مشکل تجھے اپنی بد اصلی سے غافل ہی رکھے

پورے اور آدھے عاقل وغیرہ کی علامتیں

عاقل آں باشد کہ او با مشعلہ است او دلیلِ پیشوائے قافلہ است
وہ ہے عاقل، ساتھ جس کے نور ہو پیشوا ہو قافلے کا نیک خو

پیرو نورِ خود است آں پیشرو تابع خویش است آں بیخویش رو
نور کا اپنے ہے پیرو پیش رو اپنا ہی تابع ہے اپنا ہی گرو

مومن خویش است و ایماں آوردہ ہم بآں نورے کہ جانش زو چرید
اپنا ہی مومن ہے وہ ایماندار نور پر لایا ہے ایمان باوقار

دیگرے کہ نیم عاقل آمد او عاقلے را دیدہ کرد آں نور جُو
دوسرا جو نیم عاقل تھا بس نور ڈھونڈا عاقلوں کو دیکھ کر

دست در وے زد چو کور اندر دلیل تا بدو بینا شد و چست و جلیل
مثل کور اس کو کیا جب رہنما وہ بزرگ اور چست و بینا ہو گیا

واں خرے کز عقل جو سنگے نداشت خود نبودش عقل و عاقل را گذاشت
اور جس میں عقل جو بھر بھی نہ تھی عقل و عاقل چھوڑ بیٹھا وہ شقی

خود نداند نے قلیل و نے کثیر می نجوید ہم نذیر و ہم بشیر
خود نہیں وہ جانتا کم اور سوا انبیاء کو بھی نہیں وہ ڈھونڈتا

غرقہ اندر غفلت و در قال و قیل ننگش آید آمدن خلفِ دلیل
قال و قیل اور غفلتوں میں ہے پڑا رہنما کی پیروی سے بے حیا

می رود اندر بیابانِ دراز گاہ لنگاں آید و گاہے بتاز
لمبے جنگلوں میں ہے رواں ہے کبھی لنگڑا کبھی ہے وہ دواں

شمع نے تا پیشوائے خود کند
نیم شمعے نے کہ نورے گد کند
شمع ہو تو اُس کو کرے پیشوا !
کچھ ہو روشن تو کرے کسب ضیا

نیست عقلش تا دم زندہ زند
نیم عقلے نے کہ خود مردہ کند
عقل ہو تو زندگی کا دم بھرے
نیم عاقل ہو تو دانستہ مرے

مردہ آں عاقل آید او تمام
تا بر آید از نشیب خود بہ بام
مردہ عاقل بنے وہ لا کلام
تا کہ آئے پست سے بالائے بام

عقل کامل نیست خود را مردہ کن
در پناہ عاقلے زندہ سخن
عقل کامل جب نہیں ہو جا فنا
اُس میں جو ہے عاقل زندہ ہوا

زندہ نے تا ہمدم عیسیٰؑ شود
مردہ نہ تا دمگہ عیسیٰؑ بود
زندہ ہو تو ہمدم عیسیٰؑ بنے
مردہ ہو تو محرم عیسیٰؑ بنے

زندہ نے و مردہ نے لاشے بود
غورہ باشد نے عنب نے مے بود
زندہ مردہ کچھ نہیں لاشے ہے وہ
ہے نہ انگور اور نہ مثل مے ہے وہ

غورہ کز غورگی در نگذرد
تنگ بست و خام و ترش و بد بود
کچا جب انگور کچا رہ گیا
سخت ہو کر خام اور کھٹا رہا

جان کورش گام ہر سو می نہد
عاقبت بجہد و لے بر می جہد
اُس کی اندھی جان ہے بھٹکی ہوئی
رہبرو عقبیٰ نہیں۔ جو جائے گی

سود ندہد بر جہیدن آں زماں
زانکہ نازل شد بلا از آسماں
پھر نہ کچھ جانے سے ہوگا فائدا
جبکہ نازل ہو چکی اُس پہ بلا

چشمہ۔ شکاری اور تین مچھلیاں

قصہ آں آبگیر است اے عنود
کہ درو سہ ماہی اشگرف بود
قصہ اک چشمے کا سن اے نوجواں
تین تھیں اُس میں نرالی مچھلیاں

در کلیلہ خواندہ باشی لیک آں — صورت قصہ بود ویں مغز جاں
گو کلیلہ دمنہ میں ہو گا پڑھا — تھا وہ قصہ۔ یہ ہے مغزِ باصفا

چند صیادے سوئے آں آب گیر — بر گذشتند و بدیدند آں ضمیر
کچھ شکاری آئے جب اُس تھے پہ — مچھلیوں کی ہو گئی ان کو خبر

پس شتابیدند تا دام آورند — ماہیاں واقف شدند و ہوشمند
دام لینے کے لئے وہ دوڑے گئے — مچھلیاں واقف ہوئیں اس راز سے

آنکہ عاقل بود عزمِ راہ کرد — عزمِ راہِ مشکلِ ناخواہ کرد
تھی جو عاقل اُس نے تو رستہ لیا — واں سے بھاگی دل نہ گو تھا چاہتا

گفت با اینہا ندارم مشورت — کہ یقیں سستم کنند از مقدرت
بولی گر ان سے کروں گی مشورا — سست کر دیں گی ارادہ یہ مرا

مہرِ زاد و بود بر جانِ شاں تنند — کاہلی و جہلِ شاں بر من زنند
یہ جتائیں گی مجھے حبِّ وطن — کاہلی و جہل ہے اِن کا چلن

مشورت را زندۂ باید نکو! — کہ ترا زندہ کند آں زندہ گو
مشورہ زندہ سے کرنا چاہئے — تا تجھے وہ زندہ گو زندہ کرے

اے مسافر با مسافر رائے زن — زانکہ پایت لنگ دارد رائے زن
اے مسافر اے مسافر ہی سے رائے — ورنہ دانا تجھ کو لنگڑا دے بنائے

از دمِ حب الوطن بگذر مایست — کہ وطن آں سوست جاں ایں سوئے نیست
چھوڑ دے حبِّ وطن چل بایقیں — ہے وطن اس سمت جان اس سمت نہیں

حب الوطن شعبۃ من الایمان کا راز

گر وطن خواہی گذر آں سوئے شط — ایں حدیثِ راست را کم خواں غلط
گر وطن کی ہے طلب اس پار جا — کب غلط ہے یہ حدیثِ مصطفےٰ

در وضو ہر عضو را وردے جدا
آمدہ است اندر خبر بہر دعا

ہے وضو میں وردِ اعضا کا جدا
جو حدیثوں میں ہے از بہرِ دعا

چونکہ استنشاق بینی می کنی
بوئے جنت خواہ از ربِّ غنی

ناک صاف اپنی جو پانی سے کرے
بوئے جنت کر طلب اللہ سے

تا ترا آں بو کشد سوئے جناں
بوئے گل باشد دلیلِ گلستاں

تا وہ بو کھینچے تجھے سوئے جناں
گل کی خوشبو ہے دلیلِ گلستاں

چونکہ استنجا کنی وردِ سخن
ایں بود کہ از زبانم پاک کن

جبکہ استنجا کرے تو اے بشر
کر مجھے یا رب زیاں سے پاک کر

دستِ من اینجا رسید ایں را بشست
دستم اندر شستنِ جانست سست

ہاتھ پہنچا جس جگہ تک دھو لیا
روح ہاتھوں سے کروں کیونکہ صفا

اے ز تو کس گشتہ جانِ ناکساں
دستِ فضلِ تست درجانہا رساں

ناکسوں کو کس دیا تو نے بنا
پہنچا دستِ فضل جانوں تک ترا

حدِ من ایں بود کردم من لئیم
زاں سوئے حد را نقی کن اے کریم

اپنی حد تک صاف میں نے کیا
اے کریم اب آگے تو کردے صفا

از حدث شستم خدایا پوست را
از حوادث تو بشو ایں دست را

میں نے دھو ڈالی نجاست جسم کی
کر حوادث سے منزہ جان بھی

استنجا کے وقت ناک کی دعا پڑھنے والا شخص

آں یکے در وقتِ استنجا بگفت
کہ مرا با بوئے جنت دار جفت

ایک نے کی وقتِ استنجا دعا
بوئے جنت سے مجھے کر آشنا

گفت شخصے خوب ورد آوردۂ
لیک سوراخِ دعا گم کردۂ

بولا اک شخص اور یہ ہے ورد کیا
تو نے سوراخِ دعا گم کر دیا

ایں دُعا کہ دردِ بینی بود چوں　　دردِ بینی را تو آوردی بکوں
یہ دعا ہے دردِ بینی بے سلا　　دردِ بینی کا یہاں تھا کام کیا

رائحہ جنت ز بینی یافت حُر　　رائحہ بینی کے آید از دُبر
سونگھتے ہیں بڑے جنت ناک سے　　بوئے بینی پیٹھ سے کس کو ملے

اے تواضع بردہ پیشِ ابلہاں　　وے تکبر بُردہ تو پیشِ شہاں
تو تواضع بے وقوفوں کی کرے　　اور تکبر بادشہ کے سامنے

آں تکبر بر خساں خوبست چست　　ہیں مرو معکوس عکسش بندِ تست
یہ تکبر ہے کمینوں سے روا　　چل نہ اُلٹا عکس ہے زنداں ترا

از پئے سوراخِ بینی رُست گُل　　بو وظیفۂ بینی آمد اے عتل
بہر بینی پھول ہے پیدا ہوا　　بو ہے اے ظالم وظیفہ ناک کا

بوئے گُل بہرِ مشامست اے دلیر　　جائے آں بو نیست ایں سوراخِ زیر
ہے دماغوں کے لئے بُو اے دلیر　　کب جگہ اس کی ہے یہ سوراخِ زیر

کے ازیں جا بوئے خلد آید ترا　　بُو ز موضع جُو اگر باید ترا
بوئے خلد آئے گی کب اس سے تجھے　　بو ٹھکانے ہی سے لے گر چاہئے

ہمچنیں حب الوطن آمد درست　　تو وطن بشناس اے خواجہ نخست
ایسے ہی حبِ وطن بھی ہے بجا　　پہلے ہو خواجہ! وطن سے آشنا

گفت آں ماہی زیرک رہ کنم　　دل ز رائے و مشورت شاں بر کنم
بولی وہ مچھلی کہ اپنی راہ لوں　　مشورہ اور رائے کیوں ان کی سنوں

نیست وقتِ مشورت ہیں راہ کُن　　چوں علیؓ[1] تو آہ اندر چاہ کُن
مشورے کا وقت کب ہے اے صفی　　کر کنوئیں میں آہ تو مثلِ علیؓ

---

[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی ہم نفس نہ ہوتا، تو غلبۂ حال کے وقت کنوئیں میں سر جھکا کر آہ کیا کرتے تھے۔

محرم آں راہ کمیابست و بس
کم ہیں اس منزل کے محرم بے خلل
شب رو و پنہاں روی کن چوں عسس
مثل شحنہ چھپ کے راتوں رات چل

سوئے دریا عزم کن زیں آبگیر
سوئے دریا عزم اس چشمے سے کر
بحر جو و ترک ایں گرداب گیر
ڈھونڈ دریا۔ ترک کر دے یہ بھنور

سینہ را پا ساخت میرفت آں حذور
وہ بنا کر پاؤں سینے کو چلی
از مقام با خطر تا بحر نور
اُس مقام خوف سے ڈرتی ہوئی

ہمچو آہو کز پئے او سگ بود
جیسے آہو جس کے پیچھے آئے سگ
میدود تا در تنش یک رگ بود
بھاگے جب تک جسم میں باقی ہو رگ

خواب خرگوش و سگ اندر پے خطاست
خواب خرگوش اور پیچھے سگ ہو کیا
خواب خود در چشم ترسندہ کجاست
نیند کیا اُس کو جو ہو خوف آشنا

رفت آں ماہی رہ دریا گرفت
الغرض مچھلی سوئے دریا گئی
راہ دور و پہنۂ پہنا گرفت
راہ لی چشمے سے اُس نے دور کی

رنجہا بسیار دید و عاقبت
پائیں تکلیفیں بہت اور عاقبت
رفت آخر سوئے امن و عافیت
امن بھی اس کو ملا اور عافیت

خویشتن افگند در دریائے ژرف
اک بڑے دریا میں خود کو دے گئی
کہ نیابد حد آں را ہیچ طرف
جس کی کوئی انتہا و حد نہ تھی

پس چو صیاداں بیاوردند دام
جب شکاری لے کے آئے اپنا دام
نیم عاقل را ازاں شد تلخ کام
نیم عاقل ہو گئی بس تلخ کام

گفت آہ من فوت کردم وقت را
بولی میں نے وقت ضائع ہی کیا
چوں نگشتم ہمرہ آں رہنما
رہنما کا کیوں نہ ساتھ آخر دیا

ناگہاں رفت او ولیکن چونکہ رفت
خیر اب تو وہ گئی۔ بیشک گئی
می ببایستم شدن در پے بتفت
چاہیئے مجھ کو بھی اس کی پیروی

بر گذشته حسرت آوردن خطاست   باز ناید رفته یاد آں ہباست
گذری باتوں پہ ہے پچھتانا خطا   پھر نہ آئے جو گیا۔ یاد اس کی ہبا
ایں زباں سودے ندارد حسرتم   چوں کنم چوں فوت شد ایّام
اب بھلا افسوس سے کیا فائدہ   کیا کروں وہ وقت فرصت کا گیا

ایک مُرغ کا قصّہ

آں یکے مرغے گرفت از مکر و دام   مُرغ او را گفت کاے خواجہ ہمام
مرغ اک لایا شکاری زیرِ دام   مُرغ بولا اس سے اے خواجہ ہمام
تو یکے مُرغے ضعیفے ہمچو من   صید کردہ خوردہ گیر اے نیک ظن
تو بھی مجھ سا ایک ہے مرغِ ضعیف   پکڑا، کھایا جان خود کو اے شریف
تو بسے گاوان و میشاں خوردۂ   تو بسے اُشتر بقرباں کردۂ
گائیں بھینسیں تو بہت سی کھا گیا   اونٹ قرباں کر دئے بے انتہا
خود نگشتی سیر زانہا در زمن   ہم نگردی سیر از اجزاے من
پیٹ تیرا جب نہ اُن سے بھی بھرا   سیر مجھ سے کس طرح ہوگا بھلا
مر مرا آزاد گرداں از کرم   اے جواں مرد و کریم محتشم
چھوڑ دے مجھ کو تو کر مجھ پہ کرم   اے جواں مرد، اے کریم محتشم
ہل مرا تا کہ سہ پندت بدہم   تا بدانی زیرکم یا ابلہم
چھوڑ دے تا تین پند اب تجھ کو دوں   تا تو جانے ابلہ یا عاقل میں ہوں
اوّل آں پند دہم بر دست تو   بدہم ایجاں دوم پا بست تو
پند پہلی تو یہیں دوں گا تجھکو   تیرے قابو میں ہیں میرے بال و پر
بر سرِ دیوار بدہم ثانیش   تا شوی زاں پند شاد و خوبش
دوسری دیوار پہ میں بیٹھ کر   پند دوں گا تا ہو خوش تو سر بسر

پس سوم پندت دہم من بر درست   کہ ازیں سہ پند گردی نیکبخت
پھر دونگا نصیحت تیسری   جس میں پوشیدہ ہے تیری بہتری
آنچہ بر دستست ایں بیت السخن   کہ محالے را زکس باور مکن
یہ ہے پہلی پند تیرے ہاتھ پہ   ہو جو ناممکن اُسے باور نہ کر
بر کفش چوں گفت اول پند زفت   گشت آزاد و بہ آں دیوار رفت
پند پہلی ہاتھ میں دے کر ادھر   وہ اڑا اور بیٹھا اک دیوار پر
گفت دیگر بر گذشتہ غم مخور   چوں ز تو بگذشت زاں حسرت مبر
بولا گذری بات کا تو غم نہ کھا   ہو چکی اک بات پھر افسوس کیا
بعد ازاں گفتش کہ در جسمم کتیم   دہ درم سنگست یک دُرِّ یتیم
پھر کہا میرے بدن میں اے کریم   دس درم بھر ایک تھا دُرِّ یتیم
دولت تو بخت فرزندان تو   بود آں گوہر بحق جان تو
تیری اور لڑکوں کی قسمت میں تھی   تھا وہ دُر سوگند تیری جان کی
فوت کردی دُر کہ روزیت نبود   کہ نباشد مثل آں دُر در وجود
کھو دیا موتی کہ قسمت میں نہ تھا   دوسرا موتی نہ ایسا پائے گا!
آنچناں کہ وقت زادن حاملہ   نالہ دارد خواجہ شد در غلغلہ
زچگی میں جیسے روئے حاملہ   اس طرح خواجہ نے ڈالا غلغلہ
گفت غمناکش ہمی گفت آہ آہ   ایں چرا کردم کہ شد کارم تباہ
غمزدہ ہو کر کہا اس نے کہ آہ   کیوں کیا ایسا ہوا جس سے تباہ
من چرا آزاد کردم مر ترا   زیں حیل از راہ بُردی مرا
میں نے کیوں آزاد تجھ کو کر دیا   ہو گیا تو کر کے یہ حیلہ رہا

سلہ یہ دوسری پند ہے ۔

مُرغ گفتش نے نصیحت کردمت کہ مبادا بر گذشتہ دی غمت
مُرغ بولا پند کیا میری نہ تھی! کہ لا حاصل ہے گذری بات کی
چوں گذشتہ رفت غم چوں میخوری یا نکردی فہم پندم یا کری
بات جو گذری اب اُس کا رنج کیا تو نہ سمجھا یا ہے بہرا یہ بت
واں دوم پندت بگفتم کز ضلال ہیچ تو باور مکن قول محال
دوسری تھی یہ نصیحت بے مثال کر نہ باور تو کوئی قول محال
من نیم خود سہ درم سنگ اے سند دہ درم سنگ اندرونم چوں بود
تین درموں کا میں جب خود ہی نہیں دس درم آسکتا ہے اندر کہیں
خواجہ باز آمد بخود گفتا کہ ہیں باز گو پند سوم اے نازنیں
ہوش میں پھر آ کے خواجہ نے کہا تیسری تھی کیا نصیحت پھر سنا
گفت آرے خوش عمل کردی بآں تا بگویم پند ثالث را یگاں
بولا اُس پہ تو رہا قائم کہاں کیوں کروں میں تیسری کو رائیگاں
ایں بگفت و رو بپرید و شاد رفت سوئے صحرا سرخوش و آزاد رفت
یہ کہا اور خوش خوش اُڑ کر چل دیا سوئے دشت آزاد و مستانہ گیا
پند گفتن با جہول خوابناک تخم افگندن بود در شورہ خاک
پند کہنا جاہل پُر خواب سے بیج ہے بنجر زمیں میں ڈالنے
چاکِ حمق و جہل نپذیرد رفو تخم حکمت کم دہش اے نیکخو
چاک کیا ہو بیوقوفی کا رفو بیج حکمت کا نہ کھوائے نیک خو
زانکہ جاہل جہل را بندہ بود چونکہ تو پندش دہی او نشنود
کیونکہ جاہل ہے جہالت کا غلام پند تیری کیا سنے وہ خستہ کام

نیم عاقل مچھلی کا تدبیر سوچنا

نیم عاقل گفت در وقتِ بلا   چونکہ ماند از سایۂ عاقل جُدا
نیم عاقل نے کہا وقتِ بلا   میں رہی عاقل کے سائے سے جُدا

کو سوئے دریا شُد و از غم عتیق   فوت شُد از من چناں نیکو رفیق
وہ سوئے دریا گئی۔ غم سے چُھٹی!   آہ ایسے دوست سے میں چُھٹ گئی

لیک زاں نندیشم و بر خود زنم   خویشتن را ایں زماں مُردہ کنم
اب کوئی تدبیر کرنا چاہئے!   جیتا اس وقت مرنا چاہئے

پس برآرم اشکم خود بر زبر   پشت زیر و میروم بر آب بر
پیٹ کو اپنے میں اوپر کھول دوں   پیٹھ نیچے کرکے پانی پہ چلوں

میروم بروے چنانکہ خس رود   نے بسباحی چنانکہ کس رود!
مثل تنکے کے رہوں اوپر رواں   ہے شناور[1] بننے کا موقع کہاں

مُردہ گردم خویش بسپارم بآب   مرگ پیش از مرگ امنیست از عذاب
مر کے ہو جاؤں سپرد موجِ آب   مرنے سے پہلے ہے مرنا کامیاب

مرگ پیش از مرگ ایں است اے فتیٰ   ایں چنیں فرمودہ مارا مصطفیٰ
موت قبل موت یہ ہے اے فتا   اس طرح فرما گئے ہیں مصطفیٰؐ

گفت موتوا کلکم من قبل ان   یاتی الموت تموتوا بالفتن
یہ ہے فرماں مرنے[2] سے پہلے مرو   تا نہ فتنوں میں زمانے کے پڑو

ہمچناں مُردہ شکم بالا فگند   آب گہ مے بُردش نشیب و گہ بلند
مرگئی اور پیٹ اوپر کر لیا   پانی نے زیر و زبر اُس کو کیا

---

[1] تیرنے والا۔ [2] حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مُوتُوا قبل اَن تموتوا
[3] یعنی وہی نیم عاقل مچھلی مُردہ بن گئی۔

ہر یکے زآں قاصداں بس غصہ برد
کرد ولینا ماہی بہتر بمُرد
ہر شکاری کو بڑی الجھن ہوئی
آدھ مچھلی مر گئی اتنی بڑی

شاد میشد او ازاں گفت و دریغ
پیش رفت آں از نیم رستم ز تیغ
گفتگو ان کی وہ سنکر شاد تھی
بس مری یہ جال ان پہ چل گئی

پس گرفتش یک صیاد ارجمند
بر سرش تف کرد و بر خاکش فکند
پس نکالی اک شکاری نے وہی
تھوکا پھر اس پہ زمیں پہ ڈال دی

غلط غلطاں رفت پنہاں اندر آب
ماند آں دیگر ہمیکرد اضطراب
لوٹتی پوٹتی چھپ کے پانی میں گئی
دوڑی دوڑی پھر رہی تھی تیسری

از چپ و از راست میجست آں سلیم!
تا کہ بجہد خویش برہاند گلیم!
کودتی دائیں کبھی بائیں کبھی
تا نکل بھاگے بچالے جان ہی

دام افگندند و اندر دام ماند
احمقی او را در آں آتش نشاند
جال جب ڈالا تو اس میں پھنس گئی
آگ میں لے آئی اس کی احمقی

بر سر آتش بہ پشت تابۂ
با حماقت گشت او ہمخوابۂ
آگ پہ پہنچی کڑھائی میں پڑی
احمقی کے ساتھ محو خواب تھی

او ہمی جوشید از تف سعیر
عقل میگفتش الم یاتک نذیر
آگ سے اک جوش میں تھی وہ حقیر
عقل کہتی تھی الم یاتک نذیر[1]

---

[1] قولہ تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ۔ کلما القی فیہا فوج سالہم خزنتہا الم یاتکم نذیر، قالوا بلی۔ قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل اللہ من شیء ان انتم الا فی ضلال کبیر یعنی ہر گاہ کہ کافروں کی ایک فوج دوزخ میں ڈالی جائے گی۔ دوزخ کے داروغہ ان سے پوچھیں گے۔ کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا وہ کہیں گے۔ ہاں آیا تو تھا۔ مگر ہم نے اس کو جھٹلایا۔ اور کہا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو۔ یہ خدا نے ہم پہ نازل نہیں کیا۔ تم تو خود ہی گمراہی میں گرفتار ہو +

او همی گفت از شکنجه و ز بلا
همچو جان کافراں قالوا بلیٰ
وہ بھی کہتی تھی بلا میں مبتلا
جس طرح کفار کہتے تھے بلیٰ

باز میگفت او کہ گر ایں بار من
وارہم از محنت گردن زدن
پھر وہ کہتی تھی اگر میں اب کی بار
مرنے کی تکلیف سے ہوں رستگار

من نسازم جز بدریائے وطن
آبگیرے را نسازم من سکن
میں دودریا سے کہیں بھی جاؤں گی
جانب چشمہ نہ ہرگز آؤں گی

آب بیحد جویم و ایمن شوم
تا بدورامن دور صحت روم
آب بے حد میں رہوں گی بے خطر
امن و صحت پاؤں گی میں عمر بھر

ہمچنیں میکرد با خود نذرہا
کر چنیں در خطر اگر یابم رہا
منتیں ایسی ہی تھی وہ مانتی
اس بھنور سے میں اگر اب چھٹکی

دامن عاقل بگیرم روز و شب
تا نیفتم در چنیں رنج و تعب
دامن عاقل میں پکڑوں روز و شب
تا نہ جھیلوں اس قدر رنج و تعب

گرفتاری و ندامت کے وقت احمق کا عہد

عقل میگفتش حماقت با تو ہست
با حماقت عہد را آید شکست
عقل کہتی تھی حماقت ہے تجھے
عہد قائم کیا حماقت میں رہے

عقل را باشد وفائے عہدہا
تو نداری عقل رو اے خربہا
عقل ہی سے عہد ہوتے ہیں وفا
عقل جب تجھ میں نہیں ناداں جا

عقل را یاد آید از پیمان خود
پردۂ نسیاں بدراند خرد
یاد پیماں کو رکھے عقل ہی
پردۂ نسیاں کو پھاڑے عقل ہی

چونکہ عقلت نیست نسیاں میر تست
دشمن و باطل کن تدبیر تست
جب نہیں ہے عقل نسیاں میر ہے
دشمن و باطل کن تدبیر ہے

از کمی عقل پروانۂ خسیس	یاد نارد ز آتش و سوز و حسیس
ہے بہت کم عقل یہ پروانہ بھی	بھولتا ہے سوزشیں ہم جنس کی
چونکہ پرش سوخت توبہ میکند	آز و نسیاں بر آتش میزند
توبہ پھر کرتا ہے جب جلتے ہیں پَر	حرص و نسیاں ڈالتے ہیں آگ پر
ضبط و درک و حافظے و یادداشت	عقل آں باشد کہ عقل آنرا فراشت
ضبط و فہم اور یادداشت اور حافظے	عقل وہ ہے جو انہیں اونچا کرے
چونکہ گوہر نیست تابش چوں بود	چونکہ نبود ذکر ایابش چوں بود
جب نہیں گوہر تو کیونکر ہو ضیا	جب نہ ہو ذکر آئے اس کی یاد کیا
ایں تمنا ہم ز بیعقلی اوست	کہ نہ بیند کاں حماقت را چہ خوست
صرف بے عقلی سے ہے یہ آرزو	اس کو کیا معلوم نادانی کی خو
آں ندامت از نتیجہ رنج بود	نے ز عقل روشن چوں گنج بود
وہ ندامت تھی نتیجہ رنج کا	عقلِ روشن سے نہ تھی اے باوفا
چونکہ شد رنج آں ندامت شد عدم	می نیرزد خاک آں توبہ ندم
رنج جب گزرا ندامت بھی گئی	تھی نہ کچھ حیثیت ندامت خاک بھی
آں ندم از ظلمت غم بست بار	پس کلام اللیل یمحوہ النہار
وہ ندامت بار رنج و غم سے تھی	دن بھلا دیتا ہے باتیں رات کی
چوں برفت آں ظلمت غم گشت خوش	ہم برفت از دل نتیجہ و زادہ اش
ندامت غم جب مٹی آئی خوشی	جو ندامت غم سے تھی رخصت ہوئی
میکند او توبہ و پیر خرد	بانگ لو ردوا لعادوا میزند[۱]
کرتا ہے وہ توبہ پیر عقل اسے	فقرہ لو ردوا لعادوا کہتا ہے

---

[۱] یعنی اگر گنہگار اپنے کام سے باز رکھ کر دوسری طرف لوٹا دئے جائیں۔ تو وہ پھر
اپنے اسی کام کی طرف واپس آجائیں گے +

عقل ضدِ شہوت است اے پہلواں
آنکہ شہوت می تند عقلش مخواں
عقل ضد شہوت کی ہے اے پہلواں
جو تنے شہوت کو عقل اس کو نہ جان

وہم خوانش آنکہ شہوت را گداست
وہم قلبِ نقدِ زرِ عقلہاست
وہم جان اس کو ہے جو شہوت کا گدا
وہم کھوٹا عقل کا سونا کھرا

بے محک پیدا نگردد وہم و عقل
ہر دو را سوئے محک کن زود نقل
بے کسوٹی کب ہوں ظاہر وہم و عقل
کر کسوٹی کی طرف دونوں کو نقل

ایں محک قرآن و حالِ انبیاءؑ
چوں محک مر قلب را گوید بیا
ہے محک قرآن و حالِ انبیاءؑ
کھوٹے سے جب محک کہتی ہے آ

تا ببینی خویش را از آسیب من
کہ نہ اہل فراز و شیب من
دیکھے تا خود کو مرے آسیب سے
اونچا نیچا میرا تو کب پا سکے

عقل را گر ارّہ سازد دو نیم
ہمچو زر باشد در آتش او سلیم
عقل کو آرہ جو دو ٹکڑے کرے
مثلِ زر قائم وہ آتش میں رہے

وہم مر فرعونِ عالم سوز را
عقل مر موسیٰؑ جاں افروز را
وہم تھا فرعون عالم سوز کو
عقل تھی موسیٰؑ جاں افروز کو

فرعون اور حضرتِ موسیٰؑ کا مکالمہ

رفت موسیٰؑ بر طریقِ نیستی
گفت فرعونش بگو تو کیستی
منکسر ہو کر گئے موسیٰؑ سنو
پوچھا یہ فرعون نے، تم کون ہو

گفت من عقلم رسولِ ذوالجلال
حجۃ اللہ ام اماں از ہر ضلال
بولے ہوں عقل اور رسولِ ایزدی
حجتِ خالق پناہِ گمرہی

گفت نے خامش رہا کن گفتگو
نسبت و نامِ قدیمت را بگو
بولا بس لب بند کر اپنی زباں
نسبت اور نام اپنا پہلا کر بیاں

گفت موسیٰ نسبتم از خاک دانش
نام اصلم کمترین بندگانش
بولے موسیٰ خاک سے نسبت مجھے
کمتریں بندہ خدا کا جان لے

بندہ زادہ آں خداوند مجید
زادہ از پشت جواری و عبید
بندہ زادہ ہوں خدائے پاک کا
اس کے دو بندوں سے ہوں پیدا ہوا

نسبت اصلم ز خاک و آب و گل
آب و گل را داد یزداں جان و دل
اصل نسبت آب و گل سے خاک سے
آب و گل کو حق نے جان و دل دئے

مرجع ایں جسم خاکی ہم بخاک
مرجع تو ہم بخاک اے سہمناک
خاک ہی ہے بازگشت اس جسم کی
اور ہے مرجع ترا بھی خاک ہی

اصل ما و اصل جملہ سرکشاں
ہست از خاکے و آں را صد نشاں
میری اصل اور سرکشوں کی اصل بھی
خاک ہی سے ہے اگر ہو آگہی

مے مدد از خاک میگیرد تنت
از غذائے خاک پیچد گردنت
کیا مدد تجھ کو نہیں ہے خاک سے
ہے غذائے خاک سے کس بل تجھے

چوں رود جاں میشود او باز خاک
اندر آں گور مخوف سہمناک
جان جب جاتی ہے ہو جاتی ہے خاک
قبر میں جا کر جو گھر ہے خوفناک

ہم تو و ہم ما و ہم اسپاہ تو
خاک گردند و نماند جاہ تو
ہم بھی تو بھی اور سارے لشکری
خاک ہونگے اور تیری سروری

گفت غیر ایں نسب نامیت ہست
مر ترا خود آں نسب اولیٰ ترست
بولا ہے تیرا نسب کچھ اور بھی
وجہ عزت جو ہے تیرے نام کی

بندۂ فرعونؑ بندہ بندگانش
کہ ازو پرورد اوّل جسم و جانش
بندۂ فرعون۔ بندوں کا غلام
جس سے جسم و جاں پلے تیرے مدام

بندۂ یاغی و طاغی اے ظلوم
زیں وطن بگریختہ از فعل شوم
بندۂ باغی و گمرہ بے وفا
جرم کرکے دیس سے بھاگا ہوا

خونی و غدارے و حق ناشناس	ہم برین اوصاف خود میکن قیاس
خونی اور غدار اور ناحق شناس	کر اسی پہ اپنی عظمت کو قیاس
در غریبی خوار و درویش و خلق	کہ ندانستی سپاس ما و حق
مفلسی میں خوار۔ درویش و نزار	حق کا اور میرا نہیں طاعت گزار
گفت حاشا گر بود با آں ملیک	در خداوندی کسی دیگر شریک
بولے موسیٰ۔ ہاں خدا ہے لاشریک	ہے خداوندی میں کون اس کا شریک
واحد اندر ملک او را یار نے	بندگانش را جز او سالار نے
ایک ہے۔ کوئی نہیں ہے اس کا یار	کون ہے بندوں کا ایسا کردگار
نیست خلقش را دگر کس مالکے	شرکتش دعوی کند جز ہالکے
کون ہے خلقت کا مالک دوسرا	جو کرے دعوے شرکت ہو فنا
نقش او کردست و نقاش من اوست	غیر اگر دعوی کند او ظلم جوست
نقش سب اس کے ہیں وہ نقاش ہے	غیر اگر دعوے کرے۔ اوباش ہے
تو نتانی آبروے من ساختن	چوں توانی جان من بشناختن
تو کریگا خاک میری آبرو	جب نہیں پہچان سکتا مجھ کو تو
بلکہ آں غدار و آں طاغی توئی	لاف شرکت میزنی باغی توئی
بلکہ وہ غدار و طاغی ہے تو ہی	شرک کے دعوے سے ہیں باغی ہے تو ہی
گر بکشتم من عوانے را بسہو	نے برائے نفس کشتم نے بلہو
ہیں۔ اگر مارا سپاہی سہو سے	تھا نہ بہر نفس وہ یا لہو سے
من زدم مشتے و ناگہ او فتاد	آنکہ جانش خود نبد جانے بداد
میں نے اک گھونسا جو مارا گر پڑا	جان ہی اس میں نہ تھی۔ وہ مر گیا
من سگے کشتم تو مرسل زادگان	صد ہزاراں طفل بیجرم و زیاں
تو نے مرسل زادے مارے میں نے سگ	لڑکے لاکھوں بے گنہ بچے الاماں

سلہ یعنی تو نے مارے

کشتۂ و خون شاں بر گردنت — تا چہ آید بہ تو زیں خوں خوردنت
خون اُن کا تیری گردن پہ رہا — دیکھ اب اس خون کی کیا ہو سزا

کشتۂ ذُرّیتِ یعقوبؑ را — بر امیدِ قتلِ من مطلوب را
تو نے مارا عترتِ یعقوب کو — قتل کرنا تھا جو مجھ مطلوب کو

کورے تو حق مرا خود برگزید — سرنگوں شد آنچہ نفست میپرید
تیرے اندھے پن پہ میں غالب ہوا — سرنگوں آخر وہ تیرا نفس تھا

گفت اینہا را بہل ہیچ ہیچ شتاب — ایں بود حقِ من و نان و نمک
بولا یہ سب بھول جا ہے ہیچ شتاب — اس نے کھایا مرا نان و نمک

کہ مرا پیشِ حشر خواری کنی — روزِ روشن بر دلم تاری کنی
جو مجھے کرتا ہے سب میں خوار تو — دن بنا دیتا ہے شامِ تار تو

گفت خواری قیامت صعبتر — گر نداری پاسِ من در خیر و شر
بولے خواری حشر کی ہے سخت تر — گر نہیں تجھ کو خیال اب خیر و شر

زخمِ کیکے را نمی تانی کشید — زخمِ مارے را تو چوں خواہی چشید
پسو کی تکلیف سے تب رو دیا — زخم کیا برداشت ہوگا سانپ کا

ظاہرا کارِ تو ویراں می کنم — لیک خارے را گلستاں می کنم
تیرا ظاہر مجھ سے ہے ویرانیاں — خار کو میں کر رہا ہوں گلستاں

عمارت ویرانی میں اور جمعیت پریشانی میں ہے

آں یکے آمد زمیں را میشگافت — ابلہے فریاد کرد و برنتافت
کہتے ہیں کوئی زمیں تھا کھودتا — دیکھا احمق نے تو چلانے لگا

سلہ اولادہ

کای زمیں را از چہ ویراں میکنی
میشگافی و پریشاں می کنی
تو زمیں کرتا ہے ویراں کس لئے
اس کو کرتا ہے پریشاں کس لئے

گفت اے ابلہ برو بر من مراں
تو عمارت از خرابی باز داں
بولا وہ مجھ سے نہ لڑ نادان جا
ہے خرابی سے عمارت برملا

کے شود گلزار و گندم زار ایں
تا نگردد زشت و ویراں ایں زمیں
اس میں کیونکر باغ اور گیہوں اگیں
اس زمیں کو گر نہ ہم ویراں کریں

کے شود بستان و کشت و برگ و بر
تا نگردد نظم او زیر و زبر!
کب ہوں باغ اور کھیتیاں و برگ و بر
گر نہ اس کا نظم ہو زیر و زبر

تا نشگافی بنشتر ریش خنز
کے شود نیکو و کے گردد بہ نغز
چھیدے نشتر سے نہ گر ناسور کو
تندرستی ناسور کی کس طرح ہو

تا نسوزد خلطہایت از دوا
کے رود سوزش کجا یابد شفا
گر نہ خلطوں کو جلا دے دوا
جائے کب سوزش کہاں پائے شفا

پارہ پارہ کرد درزی جامہ را
کس زند آں درزی علامہ را
ٹکڑے ٹکڑے درزی نے کپڑے کئے
کون درزی کو بھلا تادیب دے

کہ چرا ایں اطلس بگزیدہ را
بر دریدی چہ کنم بدریدہ را
کیوں ہیں پھاڑے یہ ریشمی کپڑے سے
کیا کروں میں ان کا کون اُس سے کہے

ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند
نے کہ اول کہنہ را ویراں کنند
جب کریں آباد اک کہنہ بنا
کہنہ کو کرتے ہیں ویراں برملا

ہمچنیں نجار و حداد و قصاب
ہست شاں پیش از عمارتہا خراب
ایسے یوں ہی نجار و آہنگر و قصاب
کرتے ہیں ہر چیز کو پہلے خراب

آں ہلیلہ و آں بلیلہ کوفتن!
زاں تلف کردند معموری تن
ہڑ بہیڑے کو ہیں پہلے کوٹتے
بھرتے ہیں پھر جسم کے نقص سے

تا نکوبی گندم اندر آسیا	کے شود آراستہ زآں خوانِ ما
گیہوں جا چکی میں نہ گر جییں بتا	کس طرح پھر خوان ہو آراستہ

حضرت موسیٰؑ کا فرعون کو دھمکی سے جواب دینا

ایں تقاضا کرد آں نان و نمک	کہ زشتت وا رہانم اے سمک
مقتضی یوں تھا ترا نان و نمک	بس چھڑاؤں گمرہی سے یک بیک
گر پذیری پند موسیٰؑ وا رہی	از چنیں زشتت بدم نا منتہی!
پند موسیٰؑ مان لے۔ تو ہو رہا	اس بدی سے چھوٹ کر بے انتہا
بسکہ خود را کردۂ بندۂ ہوا	کرمکے را کردۂ تو اژدہا
بسکہ تو ہے بندۂ حرص و ہوا	تو نے کیڑے کو کیا ہے اژدہا
اژدہا را اژدہا آوردہ ام	تا باصلاح آورم من دم بدم
اژدہے کو اژدہا لایا ہوں میں	یوں تری اصلاح کا جویا ہوں میں
تا دمِ آں اژدہم ایں بشکند	مارِ من آں اژدہا را بر کند
تا دم اُس کا ٹوٹے اِس کے سانس سے	اژدہا میرا اُس اژدر کو ڈسے
گر رضا دادی رہیدی از دو مار	ورنہ از جانت برآرد آں دمار
گر ہوا راضی ہے دونوں سے رہا	ورنہ ہے تیری ہلاکت برملا

فرعون کا جواب

گفت الحق سخت اُستا جادوئی	کہ دو را افگندی بمکر اینجا دوئی
بولا بیشک سخت جادوگر ہے تو	جو دوئی پھیلائی تو نے چار سو
خلق یکدل را تو کردی دو گروہ	جادوئے رخنہ کند در سنگ و کوہ
خلق جو اک دل تھی اب ہے دو گروہ	سحر کردے رخنہ میں سنگ و کوہ

حضرت موسیٰؑ کا اپنی جادوگری سے انکار

گفت ہستم غرق پیغامِ خدا
جادوئے کہ دید با نامِ خدا
بولے میں ہوں غرقِ پیغامِ خدا
سحر کب ہے ہمرہِ نامِ خدا

غفلت و کفرست مایہ جادوئی
مشعلہ دین ست جانِ موسوی
کفر اور غفلت ہے مایہ سحر کا
جانِ موسیٰ دینِ حق کی ہے ضیا

من بجادویاں چہ مانم اے وقیح
کز دمم پر رشک میگردد مسیح
میں مشابہ ساحروں سے بے حیا؟
میرے دم سے رشک عیسیٰؑ کو ہوا

من بجادویاں چہ مانم اے جنب
کز جانم نور میگیرد کتب
مجھ سے ہیں ساحروں کو یہ مشابہ؟
نور میری جان سے پاتے کتاب

من بجادویاں چہ مانم اے خبیث
کز خدا نازل شود بر من حدیث
مجھ سے ہیں ساحر مشابہ اے خبیث
مجھ پہ کرتا ہے خدا نازل حدیث

چوں تو با پرّ ہوا بر می پری
لاجرم بر من گمانِ بد میبری
تو ہوا پر چونکہ ہے اڑنے لگا
اس لئے ہے یہ گمانِ بد ترا

ہر کرا افعالِ دام و دد بود
بر کریمانش گمانِ بد بود
جس میں دام و دد کے سے افعال ہوں
بدگماں وہ ہو بزرگوں پہ نہ کیوں

چوں تو جزو عالمی پس اے مہین
کل آں را ہمچو خود بینی یقین
چونکہ تو ہے جزوِ عالم اے لعین
کرتا ہے کل پہ بھی اپنا سا یقین

چوں تو بر گردی و بر گردد سرت
خانہ را گردندہ بیند منظرت
جیسے ہو چکر میں تو اور تیرا سر
گھومتا تجھ کو نظر آتا ہو گھر

؎ یہاں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر بطریق شاعرانہ ہے۔ نہ بطریق صحت و تحقیق بلحاظ زمان، اس لئے کہ حضرت عیسیٰؑ حضرت موسیٰؑ کے بعد مبعوث ہوئے تھے۔

(یا بطریق پیشگوئی۔ ناجی)

ور تو در کشتی روی بر یم رواں	ساحل یم را ہمی بینی دواں
جب تری کشتی ہو دریا میں رواں	دیکھتا ہے تو کنارے کو دواں
گر تو باشی تنگدل از ملحمہ	تنگ بینی جوّ دنیا را ہمہ
تنگدل تجھ کو کرے گر خوف جنگ	ساری دنیا تجھ پہ ہو جائے گی تنگ
ور تو خوش باشی بکام دوستاں	ایں جہاں بنماید چوں بوستاں
اور اگر تو دوستوں میں شادماں	تیری نظروں میں جہاں ہو بوستاں
اے بسا کس رفتہ در شام و عراق	او ندیدہ ہیچ جز کفر و نفاق
لوگ جا کر کتنے شام و عراق	کچھ وہاں دیکھا نہ جز کفر و نفاق
وے بسا کس رفتہ تا ہند و ہرے	او ندیدہ جز مگر بیع و شرے
لوگ گئے اکثر گئے ہند و ہرات	تھا تجارت ہی سے ان کو التفات
وے بسا کس رفتہ ترکستان و چیں	او ندیدہ ہیچ الّا مکر و کیں
اور گئے کچھ لوگ ترکستان و چیں	کیا وہاں دیکھا سوائے مکر و کیں
طالب ہر چیز اے یار رشید	جز ہماں چیزے کہ میجوید ندید
جو ہے طالب الغرض جس چیز کا	وہ نہیں اس کے سوا کچھ ڈھونڈتا
چوں ندارد مدرکے جز رنگ و بو	جملۂ اقلیمہا را گو بجو
جب نہیں مدرک سوائے رنگ و بو	گھومتا پھرتا رہے بھی دنیا میں تو
گاؤ در بغداد آید ناگہاں	بگذرد از ایں سراں تا آں سراں
گائے گر بغداد جائے ناگہاں	اس سرے سے اس سرے تک ہو رواں
از ہمہ عیش و خوشیہا و مزہ	او نہ بیند غیر قشر خربزہ
گو وہاں عیش و خوشی ہے بیشتر	خربزے کے چھلکے دیکھیگی مگر
کہ بود افتادہ در رہ یا حشیش	لائق سیران گاوے یا خریش !
یا جو سوکھی گھاس رستے میں پڑی	جو کرے سیر اس کو اور دل کو لگی

خشک در مغز طبیعت چوں قدید ٭ لیک اسباب جانفشی لا یزید
خشک ہو گوشت اس کو جیسے دو گھاس ہی ٭ ہے مفید وہ ضمیں اسباب کی

واں قضائے خرق اسباب علل ٭ ہست ارض اللہ اے صدر اجل
وہ قضا اسباب کو جو پھاڑ دے ٭ ہے زمیں اللہ کی یہ جان لے

ہر زماں مبدل شود چوں نقش جاں ٭ نو بنو بیند جہانے در عیاں
ہے بدل جاتا ہے جس دم نقش جاں ٭ تو جو ہے دیکھتا چیزیں عیاں

گر بود فردوس و انہار بہشت ٭ چوں فسردہ یک صفت شد گشت زشت
جا ہے جو فردوس نہریں اور بہشت ٭ اک صفت جب ہو گئی یہ سب ہے زشت

ہر حس مدرک کو آدمی سے بھی دوسری مدرکات ہیں

چشمہ دید جہاں ادراک گشت ٭ پردہ پاکاں حس ناپاک گشت
ہے حس ادراک عالم کی گشت ٭ ہے حس ناقص حجاب اے مستمند

ہدے حس را بشو آب عیاں ٭ اینچنیں فرما جامہ شوئی صوفیاں
حس کو کر آب عیاں سے تو صفا ٭ صوفیوں کی جامہ شوئی جان جا

اے ز غفلت از سبب تو بیخبر ٭ بندۂ اسباب گشتی تو خر
تو ہے غفلت میں سبب سے بے خبر ٭ بندۂ اسباب ہے اے گدھ

لاجرم اعمیٰ دل و سرگشتہ ٭ مضطرب احوال و مضطر گشتہ
اس لئے اندھا ہے اور حیران ہے ٭ مضطرب احوال تو ہر آن ہے

چشم بگشا و مسبب را نگر ٭ تا شوی فارغ ز اسباب نظر
آنکھ کھول اور کر مسبب پہ نظر ٭ تا کہ اسباب نظر جائیں گذر

سلہ سمیٹنے والی ؎

چوں شدی تو پاک پردہ در کند جان پاکاں خویش بر تو میزند
جب کہ تو ہو پاک پردہ کیوں رہے جان پاکوں کی تجھے خود گھیرے

جملہ عالم گر بود نور و صُوَر چشم را باشد ازاں خوبی خبر
سارا عالم ہو اگر نور و صُوَر آنکھ کو ان خوبیوں کی ہو خبر

چشم بستی گوش می آری بپیش تا نمائی زلف و رخسارہ ببیش
آنکھ کرے بند کان اپنے جھکائے تا کسی کے زلف و رخسارہ دکھائے

گوش گوید من بصورت نگروم صورت ار بانگے زند من بشنوم
کان کہدے ۔ میں نہیں صورت نگر ہو صدا کوئی تو سُن لوں سربسر

عالمم لیکن اندر فن خویش فن من جز حرف و صوتے نیست بیش
میں ہوں عالم اپنے ہی فن میں مگر حرف اور آواز کا ہوں صرف گھر

ہیں بیا بینی ببیں ایں خوب را نیست بینی در خور ایں مطلوب را
تو کہے اے ناک دیکھ اس خوب کو کس طرح دیکھے وہ اس مطلوب کو

گر بود مشک و گلابے بو برم فن من اینست و علم مخبرم
وہ کہے ۔ میں سونگھ لوں مشک و گلاب یہ مرا فن اس کی مخبر ہوں جناب

کے بہ بینم من رُخ آں سیم ساق ہیں مکن تکلیف مالیس یطاق
کس طرح دیکھوں وہ روئے نازنین کر نہ یہ خواہش کہ طاقت ہی نہیں

باز حس کژ نہ بیند غیر کژ خواہ کژ غژ پیش او یا راست غژ
حس کج ۔ کج ہی رہے گی برملا چاہے کج رو ۔ غژ[1] کا غژہ ہے آشنا

چشم احول از دوئی دیدن یقیں ناظر شرکت نے توحید بیں
چشم احول[2] تو دیکھے دو کو بالیقیں بس شرک کی ناظر ہے کب توحید بیں

---

[1] بچھوؤں کی طرح چوتڑوں کے بل چلنے والا۔

[2] بھینگا۔

تو کہ فرعونی ہمہ مکری و زرق
مر مرا از خود نمیدانی تو فرق
تو جو ہے فرعون یکسر بے وفا
فرق میرا اور اپنا جانے کیا

منگر از خود در من اے کژ باز تو
تا یکے تو را نہ بینی تو دو تو
اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ اے کج نظر
ایک سے تا دو نہ دیکھے بے خبر

بنگر اندر من ز من یکساعتے
تا ورائے کون بینی ساحتے
دیکھ مجھ کو میری آنکھوں سے ذرا
تا نظر میدان آئے دوسرا

وارہی از تنگی و از ننگ و نام
عشق اندر عشق بینی والسلام
ہو رہا تنگی سے چھوٹے ننگ و نام
عشق میں تو عشق دیکھے والسلام

پس بدانی چونکہ رستی از بدن
گوش و بینی چشم میداند شدن
جسم سے چھوٹے تو پھر ہو آگہی
آنکھ بن جاتے ہیں کان اور ناک بھی

راست گفتہ ہست آں شہ شیریں زباں
چشم گردد مو بموئے عارفاں
سچ تو کہتے ہیں وہ شاہ[1] خوش خصال
آنکھ بن جاتا ہے ہر عارف کا بال

چشم را چشمہ نبود اول یقیں
در رحم بود او جنینِ گوشتیں
پہلے پہلے جسم میں آنکھیں نہ تھیں
گوشت کا اک لوتھڑا تھا بالیقیں

علت دیدن مداں پیہ اے پسر
ورنہ خواب اندر ندیدی کس صور
آنکھ کی چربی نہیں وجہ نظر
خواب میں جو دیکھتی ہے اب صور[2]

آں پری و دیو می بیند شبیہ
نیست اندر دیدگاں ہر دو پیہ
خواب میں دیکھیں صور دیو و پری
اُن کی آنکھوں میں نہیں چربی کوئی

نور را با پیہ خود نسبت نبود
نسبتش بخشید خلاق ودود
نور کو چربی سے خود نسبت نہ تھی
نسبت اُس کو یہ خدا سے ہے ملی

---

[1] حضرت بایزید بسطامیؒ کی طرف اشارہ ہے ۔

[2] صورت کی جمع ۔

آدمی است از خاک کے ماند بخاک جنی است از نار بے ہیچ اشتراک
آدمی ہے خاک. کب ہے خاک سا آگ سے ہیں جن مگر ہیں آگ کیا
نیست خود مانند آتش آں پری گرچہ اصلش اوست چوں می بنگری
اک پری بھی آگ کی صورت نہیں اصل گو اس کی ہے آتش بالیقیں
مرغ از باد است کے ماند بباد نا مناسب را خدا نسبت بداد
ہے ہوا سے مرغ اور کب ہے ہوا نا مناسب کو بھی نسبت دے خدا
نسبت ایں فرعہا با اصلہا ہست بیچوں از چہ دانش وصلہا
اصل سے شاخوں کو نسبت ہے بجا کون جانے وصل ہے کیوں ہے کیا
آدمی چوں زادۂ خاک ہباست ایں پسر را با پدر نسبت کجاست
آدمی ہے زادۂ خاک و غبار باپ سے نسبت پسر کو کب ہے یار
نسبتے گر ہست مخفی از خرد ہست بیچون و خرد کے پے برد
گر ہے نسبت تو نہاں ہے عقل سے وہ ہے بے چوں عقل سے کب پا سکے
باد را بے چشم اگر بینش نداد فرق چوں میکرد اندر قوم عاد
باد میں بے چشم اگر بینش نہ تھی فرق قوم عاد تھی کیوں جانتی
چوں ہمیدانست مومن از عدو چوں ہمیدانست مے را از کدو
وہ تو ہے مومن یہ کافر ہے عدو کیوں سمجھتی فرق صہبائے کدو[1]
آتش نمرود را گر چشم نیست با خلیلش چوں تجشم کرد نیست
آتش نمرود اگر بینا نہ تھی کیوں وہ ابراہیم پر ٹھنڈی ہوئی
گر نبودے نیل را آں نور دید از چہ قبطی را ز سبطی میگزید
نیل میں ہوتی نہ بینائی اگر قبطی و سبطی پہ کیوں رکھتا نظر

---

[1] یعنی اس کدو میں کیسی شراب ہے۔ اور اس میں کیسی ہے۔ بتایا کہ اس شخص میں کیسا ایمان ہے اور اس میں کیسا ہے۔

گر نہ کوہ و سنگ با دیدار شد	پس چرا داؤدؑ با او یار شد
آنکھ والے گر نہ کوہ و سنگ تھے	کس طرح داؤدؑ یار اُن کے بنے
ایں زمیں را گر نبودے چشم جاں	از چہ قاروں را فرو خورد آنچناں
اس زمیں کو گر نہ ہوتی چشم جاں	کس طرح قاروں کو کر لیتی نہاں
گر نبودے چشم دل حنانہ[1] را	چوں بدیدی ہجر آں فرزانہ[2] را
چشم دل ہوتی نہ گر حنانہ کو	دیکھتا کب فرقت فرزانہ کو
سنگریزہ گر نبودے دیدہ ور	چوں گواہی دادے اندر مشت در
سنگریزوں میں نہ گر ہوتی نگاہ	کس طرح مٹھی میں بن جاتے گواہ
اے خرد برکش تو پرّ و بالہا	سورہ برخواں زلزلت زلزالہا
کھول دے اے عقل بال و پر ذرا	پڑھ وہ سورۃ زلزلت زلزالہا
در قیامت ایں زمیں بر نیک و بد	کے ز نادیدہ گواہی میدہد
نیک و بد سب پہ قیامت میں زمیں	دیکھ کر دے گی گواہی بالیقیں
کہ تحدث حالہا و اخبارہا	تظہر الارض لنا اسرارہا
حال اور اخبار کی باتیں کرے	یہ زمیں اسرار سارے کھول دے
ایں فرستادن مرا پیش تو میر[3]	ہست برہانے کہ شُد مرسل خبیر[4]
میرا تیرے پاس آنا اے امیر	ہے دلیل اس کی کہ مرسل ہے خبیر
کہ چنیں دارو چناں ناسور را	ہست ناسور از پئے میسور را
بس یہ ہے ناسور کی تیرے دوا	یہ ہے آسانی کو ناسور جفا

---

[1] وہ ستون جو مسجد نبوی میں تھا۔ اور حضورؐ کے ہجر میں نالے کیا کرتا تھا +

[2] آنحضرتؐ سے مراد ہے +

[3] حضرت موسیٰؑ فرعون سے فرما رہے ہیں +

[4] یعنی یہ خدا تعالیٰ کی ایک حجت ہے کہ ہم نے اپنا رسولؑ بھیجکر تجھ کو خبردار کر دیا تھا +

واقعاتے دیدہ بودی پیش ازیں   کہ خدا خواہد مرا کردن گزیں
دیکھے ہیں پہلے بھی تو نے واقعات   مجھ کو بخشے گا خدا عز حیات
من عصا و نور بگرفتہ بدست   شاخ گستاخی ترا خواہم شکست
میں عصا و نور سے اے مدعی   شاخ گستاخی کو توڑونگا تری
واقعاتے سہمگیں از بہر ایں   گونہ گونہ می نمودت رب دیں
واقعات خوف آگیں اس لئے   ہر طرح کے حق دکھاتا ہے تجھے
درخور سر بد و طغیان تو   تا بدانی کوست درخورد آن تو
سب بدی ہے جو مطابق ہے تری   تا کہ جس لائق ہے تو سمجھے وہی
تا بدانی کو حکیم است و خبیر   مصلح امراض درماں ناپذیر
تا تو جانے ہے حکیم اور وہ خبیر   لاعلاج امراض کا شافی بصیر
تو بتاویلات می گشتی ازاں   کور و کر کایں ہست از خواب گراں
کرکے تاویلیں تو برگشتہ رہا   کر دیا یہ خواب کا ہے ماجرا
واں طبیب و آں منجم در لمع   دید تعبیرش بپوشیدا ز طمع
تھے طبیب اور وہ منجم جس قدر   سب نے تعبیریں چھپائیں حرص پر
گفت دور از دولت و از شاہیت   کہ درآید غصہ ودا آگاہیت
بولے تیری دولت و شاہی سے دور   کیا ہو تیرے آگے غصے کا ظہور
از غذائے مختلف یا از طعام   طبع شوریدہ ہمی بیند منام
جب غذا ہو مختلف یا ہو خراب   دیکھتی ہے طبع شوریدہ یہ خواب
زانکہ دیداو کہ نصیحت جو نہ   تند و خونخواہی و مسکیں خو نہ
جانتے تھے تو نصیحت جو نہیں   تند ہے خونخوار، مسکیں خو نہیں
پادشاہاں خون کنند از مصلحت   لیک رحمتشاں فزونست زعنت
کرتے ہیں خوں مصلحت سے شاہ بھی   ان کی رحمت ہے تشدد سے بڑھی

شاہ را باید کہ باشد خوئے رب	رحمتِ او سبق گیرد بر غضب
چاہئے ہر شاہ میں خوئے خدا	ہر غضب پر غالب اس کی ہو عطا
نے غضب غالب بود مانندِ دیو	بے ضرورت خوں کند از بہرِ ریو
صورتِ شیطاں نہ غالب ہو غضب	بے ضرورت ہو نہ ہرگز خوں طلب
نے حلیمی مخنّث وار نیز	کز شود زن روسپی زان دکنیز
حلم تجھ میں ہیجڑے کا بھی نہیں	ہو زنِ قحبہ بھی لونڈی بالیقیں
دیو خانہ کردہ بودی سینہ را	قبلہ سازیدہ بودی کینہ را
دیو خانہ سینے کو تو نے کیا	اور کینہ کو لیا قبلہ بنا !
شاخِ تیزت بس جگرہا را کہ خست	نک عصایم شاخِ شوخت را شکست
تیرے سینگوں نے کئے زخمی جگر	اب عصا نے سینگ توڑے سر بسر

ان دُنیا والوں کا اُن دُنیا والوں پر حملہ

حملہ بردند اسپہِ جسمانیاں	جانبِ قلعہ و دژِ[1] روحانیاں
لشکرِ جسمانیاں جب بڑھ چلا	قلعۂ روحانیاں پہ جا چڑھا
تا فرو گیرند بر دربندِ غیب	تا کسے ناید از آں سو پاک جیب
تاکہ اُتریں غیب کے دربند پہ	قدسیوں کا ہو نہ اُس جانب گذر
غازیاں حملہ غزا چوں کم برند	کافراں بر عکس حملہ آورند
روکتے ہیں جنگ کو غازی اگر	ہوتے ہیں کفار اُن پہ حملہ ور
غازیانِ غیب چوں از حلمِ خویش	حملہ ناوردند بر تو زشت کیش
غازیانِ غیب اپنے حلم سے	حملہ ور تجھ پہ نہ اے کافر ہوئے

---

[1] قلعہ ۔

حملہ بردی سوئے دربندان غیب	تا نیایند ایں طرف مردان غیب
حملہ تو نے غیب کے در پہ کیا	تا اِدھر آئیں نہ مردانِ خدا
چنگ[1] در صلب و رحمہا در زدی	تا کہ شارع را بگیری از بدی
پشت اور رحموں میں مارا تو نے چنگل	تا بدی سے راہ روکے بے درنگ
چوں بگیری شہرہے کز ذوالجلال	برگزیدہ است از برائے انتسال
تو مگر اس راہ کو کس طرح سے	جس کو چھانٹا حق نے نسلوں کے لئے
تو زدی دربندہا را اے لجوج	کوری تو کرد سرہنگے خروج
جبکہ دربندوں پہ یورش تو نے کی	اک سپاہی نکلا کوری سے تری
نک منم سرہنگ ہنگت بشکنم	نک بنامش[2] نام و ننگت بشکنم
وہ سپاہی میں ہوں دوں تجھ کو شکست	نام سے اس کے کروں گا تجھ کو پست
تو ہلا دربندہا را سخت بند	چند گاہے بر سبال خود بخند
خوب دربندوں کے در مضبوط کر	ہولے خوش کچھ دن اپنی مونچھ پر
سبلتت را برکند یک یک قدر	تا بدانی کالقدر یعمی البصر
مونچھیں اکھڑینگی تری ایک ایک کر	تا تو سمجھے اندھا کرتی ہے قدر[3]
سبلت تو تیز تر یا آن عاد	کہ ہمی لرزید از دمشاں بلاد
تیری مونچھیں سخت ہیں یا عاد کی	تھا زمانہ جن سے لرزاں اے شقی
تو ستیزہ روتری یا آل ثمود	کہ نیامد مثل ایشاں در وجود
جنگجو تر تو ہے یا قوم ثمود	مثل جن کے تھا نہ کوئی بھی وجود
صد ازیں ہا گر بگویم تو کری	بشنوی و ناشنودہ آوری
سینکڑوں باتیں کروں - بہرا ہے تو	اور سنی کو ان سنی کرتا ہے تو

---

[1] چنگل - پنجہ + [2] خدا کے +

[3] یعنی قضا و قدر +

توبہ کردم از سخن کانگیختم	بے سخن من دارویت آمیختم
توبہ میں نے تجھ سے کیوں یہ بات کی	یاد ہے تیری دوا بے بات بھی
کہ نہم بر ریشِ خامت تا بود	تا بسوزد ریش خامت تا ابد
تیرے کچے زخم پر رکھوں اُسے	تا قیامت زخم کچا ہی جلے
تا بدانی کو خبیرست اے عدو	میدہد ہر چیز را در خوردِ او
ہے خبیر رب کون، تا تو جان لے	جس کے جو لائق ہو۔ وہ چیز اُسکو دے
کے نکو کردی و کے کردی تو شر	کہ ندیدی لائقش در پے اثر
کونسی کی تو نے نیکی اور شر	جو نہ دیکھا اُس کے پیچھے اک اثر
کے فرستادی دمے بر آسماں	نیکئے کز پے نیامد مثل آں
آسماں پر کب ہیں بھیجی نیکیاں !	اجر جن کا آ نہ پہنچا ہو یہاں
گر مراقب باشی و بیدار تو	ہر دمے بینی جزائے کار تو
ہو مراقب یا کہ ہو بیدار تُو	دیکھے گا ہر دم جزائے کار تُو
چوں مراقب باشی و گیری رسن	حاجتت ناید قیامت آمدن
گر مراقب ہو کے رسی تھام لے	پھر قیامت کی نہ کچھ حاجت رہے
آنکہ رمزے را بداند او صحیح	حاجتش ناید کہ گوید او صریح
رمز کو جو جان لیتا ہو صحیح !	کیا اُسے حاجت کہ وہ بولے صریح
ایں بلا از کودنی آید ترا	کہ نکردی فہم نکتہ و رمز ہا
بیوقوفی سے بلا ہے جاں ستو	کچھ نہ سمجھا رمز اور نکتوں کو تو
از بدی چوں دل سیاہ و تیرہ شد	فہم کن اینجا نشاید خیرہ شد
جب بدی سے دل سیاہ و تیرہ ہو	تو نہیں شایاں کہ تو شرمندہ ہو
ورنہ خود تیرے شود آں تیرگی	در رسد در تو جزائے خیرگی
تیر ہو جائیگی ورنہ تیرگی	تجھ کو پہنچیگی جزائے خیرگی

ورنیابد تیرت از بخشائش ست　نے بپئے نادیدن آلائش ست
گرد آئے تیرے اس کی عطا　ورنہ وہ آلودگی سے دیکھتا

ہیں مراقب باش گر دل بایدت　کز پئے ہر فعل چیزے زایدت
ہو مراقب گر تجھے دل چاہیے　تا جزا ہر فعل کی ملتی رہے

ور ازیں افزوں ترا ہمت بود　از مراقب کار بالا تر بود
اور اگر اس سے بھی کچھ ہمت بڑھے　تو مراقب سے بھی کچھ عظمت بڑھے

جسم انسانی جوہر آئینہ ہے

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی　صیقلی کن صیقلی کن صیقلی
مثل لوہے کے تو ہے تاریک اگر　اور کر صیقل بدن پہ اور کر

تا دلت آئینہ گردد پر صور　اندرو ہر سو ملیحے سیمبر
تاکہ تیرا دل بنے اک آئنہ　اُس میں دیکھے صورتیں رنگیں بقا

آہن ارچہ تیرہ و بے نور بود　صیقلے آں تیرگی از وے زدود
لوہا گرچہ کالا اور بے نور تھا　کی جو صیقل زنگ سب جاتا رہا

صیقلے دید آہن و خوش کرد رو　تا کہ صورتہا تواں دید اندرو
پائے صیقل لوہا خوشرو ہو گیا　عکس تک اس میں نظر آنے لگا

گر تن خاکی غلیظ و تیرہ ست　صیقلش کن زانکہ صیقل گیرہ ست
گر تن خاکی ہے گدلا اور سیاہ　صیقل اُس پہ کر اسے ہے دیکھی چاہ

تا درو اشکال غیبی رو دہد　عکس حورے و ملک دروے جہد
تاکہ اُس میں شکل غیب آئے نظر　عکس ہو حور و ملک کا جلوہ گر

صیقل عقلت بداں دادست حق　کہ بداں روشن شود دل را ورق
حق نے دی ہے عقل کی صیقل تجھے　تاکہ وہ دل کا ورق روشن کرے

صیقلے را بستۂ اے بے نماز	واں ہوا را کردۂ دو دست باز
رکھ دیا صیقل کو تو نے باندھ کے	حرص کے ہاتھوں کو کھولا شوق سے
گر ہوا را بند بنہادہ شود	صیقلے را دست بکشادہ شود
حرص کو گر بند تو نے کر لیا	دست صیقل خود بخود کھل جائیگا
آہنے کائینۂ غیبی بُدے	جملہ صورتہا درو حاصل شدے
وہ آئینہ جو ہوتا غیب کا	اس میں ہوتیں صورتیں جلوہ نما
تیرہ کردی زنگ دادی در نہاد	ایں بود یسعون فی الارض الفساد
زنگ دے کر دیا تیرہ نہاد	بس زمیں میں ہے یہی سعی[1] فساد
تا کنوں کردی چنیں اکنوں مکن	تیرہ کردی آب ازیں افزوں مکن
جیسا اب جو ہوگیا - سو ہو گیا ۔	اپنے پانی کو نہ تیرہ تر بنا
بر مشوراں تا شود ایں آب صاف	واندرو بیں ماہ و اختر در طواف
اب نہ حرکت دے کہ یہ پانی ہو صاف	دیکھ اس میں چاند تاروں کا طواف
زانکہ مردم ہست ہمچوں آب جو	چوں شود تیرہ نہ بینی قعر او
کیونکہ ہے انسان مثل آب جو	ہو جو گدلی دیکھے گہرائی نہ تو
قعر جو پر گوہر است و پر ز دُر	ہیں مکن تیرہ اگر ہستی تو حُر
موتیوں سے اس کی تہ آباد ہے	کر نہ گدلا اس کو گر آزاد ہے
جان مردم ہست مانند ہوا	چوں بگرد آمیخت شد پردہ سما
جان ہے انسان کی مثل ہوا	گرد میں اٹ کر ہو پردہ چرخ کا
مانع آید او ز دید آفتاب	چونکہ گردش رفت شد صافی و ناب
روکتی ہے جمال آفتاب	گرد مٹ جائے تو پھر آ جائے تاب

---

[1] یعنی زمیں پر فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں +

حاصل آنکہ کم مکن اے بے سرور
صیقلی واللہ[1] اعلم بالصدور
مختصر یہ، کم نہ کر اے بے سرور
صیقلی واللہ اعلم بالصدور

حضرت موسیٰ[2] کا فرعون کے راز کھولنا

باکمال تیرگی حق واقعات
مینمودت تا روی راہ نجات
باوجود تیرگی حق واقعات
کھولتا ہے تا کہ تو پائے نجات

زآہن تیرہ بقدرت می نمود
واقعاتے کہ در آخر خواست بود
جھلکے تیرے آہن تاریک سے
ہونے والے تھے جو آخر واقعے

تا کنی کمتر تو آں ظلم و بدی
آں ہمی دیدی و بدتر میشدی
تا ترے کم ہوں مظالم اور بدی
دیکھ کر بدتر ہوا تو اور بھی

نقشہائے بد کہ در خوابت نمود
میرمیدی زاں و آں نقش تو بود
نقش بد جو خواب میں آئے نظر!
جس سے بھاگا، تھا وہ تو ہی سربسر

ہمچوں زنگی کہ در آئینہ دید
روئے خود را زشت و بر آئینہ رید
جیسے اک زنگی نے دیکھا آئینا
دیکھی صورت بد تو اس پہ ہگ دیا

کہ چہ زشتی لائق اینی و لیس
زشتیم آن تو است اے کور خس
اور کہا آئینہ سے اے زشت رو
میری زشتی ہے تری اندھا ہے تو

آں جفا بر روئے زشتت میکنی
نیست بر من زانکہ ہستم روشنی
آئینے روئے زشت پہ ہے یہ جفا
مجھ پہ کیا ہے۔ میں تو ہوں صاف در صفا

گاہ میدیدی لباست سوختہ
گہ دہان و چشم تو بر دوختہ
کپڑوں کو دیکھتا تھا تو جلا
گاہ اپنی آنکھ اور منہ کو سلا

---

[1] اللہ تعالےٰ سینوں کا حال جاننے والا ہے +

[2] یہاں سے حضرت موسیٰ کا خطاب فرعون سے ہے +

گاہ حیواں قاصد خونت شدہ	گہ سر خود را بدندان دده
قصد حیواں نے کبھی خوں کا کیا	تھا کبھی دانتوں میں ان کا سر ترا
گہ بجوی اندر میان آب تیز	گہ غریق سیل خوں آمیز تیز
تو کبھی نالے میں اندھا گر پڑا	غرق سیل خوں میں گاہے ہو گیا
گہ ز بام او فتادہ گشتہ پست	گاہ در شکنجہ و بستہ دو دست
تو کبھی کوٹھے سے نیچے گر پڑا	اور شکنجے میں کبھی جکڑا گیا
گاہ دیدہ خویش در زنجیر و غل	گاہ بر مغفرت زدندے چوں دہل
گاہ زنجیروں میں تیرے ہاتھ تھے	گاہ دیکھا اپنا سر کٹتے ہوئے
گہ ندات آمد ازیں چرخ نقی	گہ شقیی گہ شقیی گہ شقیی
چرخ سے آتی یہ آوازیں کبھی	تو شقی ہے - تو شقی ہے - تو شقی
گہ ندات آمد صدا ز جبال	گہ بدو ہستی ز اصحاب شمال
اور کبھی آواز دیتے تھے جبال[1]	جا کر تو ہے مثل اصحاب[2] شمال
گہ صدائے آمدت از ہر جماد	تا ابد فرعون در دوزخ فتاد
پتھروں سے گاہ آتی تھی صدا	تا ابد فرعون دوزخ میں گیا
گہ خطاب آمد ترا از ہر نبات	گشت مطرود ابد فرعون مات
اور کہتی تھی کبھی تجھ سے نبات[3]	تا ابد فرعون تو نے کھائی مات
زیں بتر ہا کہ نمیگویم ز شرم	تا نگردد طبع معکوس تو گرم
اس سے بھی بدتر کہوں تو آئے شرم	اور ہو الٹی طبیعت تیری گرم
اندکے گفتم نمودم اے ناپذیر	تا بدانی کہ ہستم من خبیر
تھوڑا سا کہہ کر دیا ہے اے شریر	تا کہ تو سمجھے - میں ہوں تجھ سے خبیر

---

[1] پہاڑ ۔ [2] یعنی کافر اور دوزخی جو قیامت میں عرش کی بائیں جانب ہوں گے ۔
[3] نباتات ۔

خویشتن را کور میکردی و مات	تا نیندیشی جواب واقعات
خود کو اندھا کر لیا اور کھائی مات	سوچا کیا ہے جواب واقعات
چند بگریزی نک آمد پیش تو	کوری ادراک مکر اندیش تو
بھاگا تھا کب تک کہ آگے آ گئی	کوری تیرے فہم مکر اندیش کی
ہیں مکن زیں پس فراگیر احتراز	کہ ز بخشائش درِ توبہ ست باز
اب نہ کر ایسا، کر اس سے احتراز	ہے درِ توبہ ابھی رحمت سے باز

توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے

توبہ را از جانب مغرب درے	باز باشد تا قیامت بر ورے
توبہ کا ہے سمتِ مغرب ایک در	حشر تک وہ ہے کھلا مخلوق پر
تا ز مغرب بر زند سر آفتاب	باز باشد آندر از وے سر متاب
نکلے مغرب سے نہ جب تک آفتاب	وہ کھلا ہے، کر نہ اس سے اجتناب
ہست جنت را ز رحمت ہشت در	یک درِ توبہ ست زاں ہشت اے پسر
خلد کے رحمت سے ہیں جو آٹھ در	اک درِ توبہ ہے اُن میں اے پسر
زیں ہمہ گہ باز باشد گہ فراز	واں درِ توبہ نباشد جز کہ باز
کھلتے بھی ہیں ہوتے ہیں وہ بند بھی	اور درِ توبہ ہے رہتا باز ہی
ہیں غنیمت دار در باز است زود	رخت آنجا کش زکوریِ حسود
ہے غنیمت۔ در ہے توبہ کا کھلا	چھوڑ اندھاپن وہاں بستر جما
پیش از آں کز قہر در بستہ شود	بعد از آں زاریّ تو کس نشنود
اس سے پہلے قہر بند اس کو کرے	پھر نہ کوئی تیری زاری کو سنے
باز گرد از کفر و ایں در باز یاب	تا نگردی از شقاوت ردّ باب
کفر سے باز آ۔ کھلا اس در کو پا	تا نہ رد کردے شقاوت بیوفا

حضرت موسیٰ کا فرعون سے ارشاد

ہیں زمیں بیند بیک چیز و بیار
پس زمین بستاں عوض آنرا چہار
صرف میری ایک شے کر اختیار
اور عوض میں اس کے لے مجھ سے چار

گفت اے موسیٰ کدام ست آں یکے
شرح کن با من ازاں یک اندکے
بولا اے موسیٰ وہ شے ہے ایک کیا
حال کچھ اس کا مجھے بھی تو سنا

گفت آں یک کہ بگوئی آشکار
کہ خدائے نیست غیر از کردگار
بولے صرف اتنا تو کہہ دے آشکار
نہیں خدا کوئی نہیں جز کردگار

خالق افلاک و انجم بر علا
مردم و دیو و پری و مرغ را
چرخ اور تاروں کا ہے وہ کبریا!
آدمی دیو و پری اور مرغ کا.

خالق دریا و کوہ و دشت و تیہ
ملکت او بیحد و او بے شبیہ
خالق صحرا و دریا و جبال
ملک بیحد اس کا وہ بے مثال

حافظ ہر چیز و ہر کس ہر مکان
رازق ہر جانور اندر جہاں
حافظ ہر چیز و ہر جا و بشر
ہے جہاں میں رازق ہر جانور

ہم نگہدارندۂ ارض و سما
ہم پدید آرندۂ گل از گیا
ہے وہی ارض و سما کا پاسباں
گھاس سے پھولوں کو کرتا ہے عیاں

مطلع او بر ضمیر بندگان
حاکم و جبار بر گردن کشاں
راز دل بندوں کے اس پر ہیں عیاں
حاکم و جبار مغروروں پہ ہاں

اوست بر ہر پادشاہ پادشا
حکم او را یفعل اللہ ما یشاء
ہے وہی ہر بادشاہ پر بادشا
حکم اس کا یفعل لہ اللہ ما یشاء

لہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جو چاہیگا کریگا۔

گفت اے موسیٰ کرامت آنچہار   کہ عوض بدہی مرا بہ گو بیار
بولا اے موسیٰؑ ہیں جتنے بی چار کیا   جو عوض میں ایک کے ہیں پاؤنگا

تا بود کز لطف آں وعدہ حسن   سست گردد چار میخ کفر من
شاید اُن کے وعدۂ محمود سے   پست میرے کفر کے ہوں حوصلے

بو کز آں خوش وعدہائے مغتنم   بر گشاید قفل کفر صد صنم
شاید اُن کے وعدہ سے اے محترم   ٹوٹ جائے قفلِ زندانِ صنم

بو کہ از تاثیر جوئے انگبیں   شہد گردد در تنم آں زہر کیں
گر کرے تاثیر جوئے انگبیں   شہد شاید جسم میں ہو زہر کیں

یا ز عکس جوئے آں پاکیزہ شیر   پرورش یابد دمے عقل اسیر
عکس سے اس نہر کے جس میں ہے شیر   پرورش پائے مری عقلِ اسیر

یا بود کز عکس آں جوہائے خمر   مست گردم بو برم از ذوق امر
یا کہ ڈالے عکس جب جوئے شراب   مست ہو کر حکمِ حق مانوں شتاب

یا بود کز لطف آں جوہائے آب   تازگی یابد تن شورہ خراب
یا اگر ہو مہرباں وہ جوئے آب   تازگی پائے مرا جسمِ خراب

شورہ ام را سبزۂ پیدا شود   خارزارم جنت الماوا شود
میرے کوڑے پہ ہو سبزہ آشکار   جنت الماویٰ ہو میرا خارزار

بو کہ از عکس بہشت چار جو   جاں شود از یاریٔ حق یار جو
عکس جب ڈالے بہشتِ چار جو[1]   روح ہو یاریٔ حق سے یار جو

آنچناں کز عکس دوزخ گشتہ ام   آتش و در قہر حق آغشتہ ام
عکس سے دوزخ کے میں ہوں آگ یوں   قہر میں اللہ کے آلودہ ہوں!

---

[1] چار نہروں والی بہشت ۔

کز عکس نار دوزخ ہمچو مار
گشتہ ام بر اہل جنت زہر بار
عکس سے دوزخ کے ہیں مانند مار
اہل جنت پہ ہوا ہوں زہر بار

کز عکس جوشش آب حمیم
آب ظلم کرد خلقاں را رمیم
یہ اس آب گرم کا ہے جوشش یہاں
ظلم سے بوسیدہ ہڈی ہے جہاں

من ز عکس زمہریرم زمہریر
یاز عکس آں سعیرم چوں سعیر
عکس[1] نار سرد سے ہوں زمہریر
عکس گرم و آتشیں سے ہوں سعیر[2]

دوزخ درویش مظلوم کنوں!
وائے آنکو یابدش ناگہ زبوں
دوزخ درویش مظلوم آج ہوں
وائے اس پہ پاؤں میں جس کو زبوں

موسیا باشد کہ بخشائیم در
وز فضیلہات گردم باخبر
شاید اے موسیٰؑ ملے مجھ کو پناہ
اور خبر تیری فضیلت کی سنوں

موسیا باشد کہ یابم ماشے
وارہم از کثرتِ ما و منے
شاید اے موسیٰؑ ملے مجھ کو پناہ
میں خودی سے چھوٹ کے جاؤں یگنا

ہیں بگو با من کہ است آں چہار
کہ عوض خواہیم دادن بر شمار
ہاں بیاں کر جلد کیا چیزیں ہیں چار
جو عوض میں پاؤں گا کرکے شمار

حضرت موسیٰؑ کا وہ چاروں فضیلتیں بیان کرنا

گفت موسیٰ کاولین آں چہار
صحتے باشد تنت را پائدار
بولے موسیٰؑ اولیں ہیں چہار
تندرستی جسم کی ہے پائدار

آں عللہائیکہ در طب گفتہ اند
دور باشد از تنت اے ارجمند
طب میں جن بیماریوں کا ہے بیاں
دور تیرے جسم سے ہوں بیگماں

---

[1] دوزخ میں عذاب کی دو قسمیں ہیں۔ سرد و گرم۔

[2] بھڑکی ہوئی آگ۔

ثانیاً باشد ترا عمرِ دراز   کہ اجل دارد ز عمرت احتراز
دوسرے ہو عمر بھی تیری دراز   موت کو تجھ سے رہے اک احتراز
ویں نباشد بعد عمرِ مستوی   کہ بناکام از جہاں بیروں روی
عمرِ طبعی کے بھی بعد اے تند خو   جائے دنیا سے نہ پھر ناکام تو
بلکہ خواہان اجل چوں طفلِ شیر   نے ز رنجے کاں ترا دارد اسیر
خواستگارِ موت کا جوں طفل شیر   ہو نہ مرتے دم کسی غم میں اسیر
مرگ جو باشی ولے نز عجز و رنج   بلکہ بینی در خراب خانہ گنج
موت کا جویا ہو خود بے عجز و رنج   بلکہ ویرانے میں تو دیکھیگا گنج
پس بدستِ خویش گیری تیشۂ   میزنی برخانہ بے اندیشۂ
ہاتھ میں لیکر بسولہ بے گماں   اپنے گھر کو ڈھائے گا تو خود بیاں
کہ حجاب گنج بینی خانہ را   مانع صد خرمن ایں یکدانہ را
گھر کو تو دیکھیگا پردہ گنج کا   دانہ اک سو ڈھیر کا مانع ہوا
پس بدآتش افگنی ایں دانہ را   پیش گیری پیشۂ مردانہ را
آگ میں اُس دانے کو تو ڈالدے   پیشۂ مردانہ خود حاصل کرے
بر کنی ایں خانۂ تن بیدریغ   تا مہت آید بروں از زیرِ میغ
خانۂ تن کو اُکھاڑے بیگماں   چاند تیرا ابر سے تا ہو عیاں
اے بیک برگے ز باغے ماندۂ   ہمچو کرمے برگش از رز راندۂ
باغ میں قانع ہے تو اک برگ پہ   مثل کرم انگوروں سے ہے بیخبر
چوں کرم ایں کرم را بیدار کرد   اژدہائے جہل را ایں کرم خورد
فضل سے بیدار جب کیڑا ہوا   اژدہائے جہل کو بس کھا گیا
کرم کرمے شد پُر از میوہ درخت   ایچنیں تبدیل گردد نیکبخت
کرم انگوروں کا پُر میوہ درخت   بن گیا۔ بدلے یونہی ہر نیک بخت

کنت کنزاً مخفیا ..... کی تفسیر

خانہ برکن از عقیق ایں یمن	صد ہزاراں خانہ شاید ساختن
گھر [۱] ڈھا جا اور اس عقیق پاک سے	لاکھوں گھر بن سکتے ہیں تیرے لئے
گنج زیر خانہ است و چارہ نیست	پس ز ہدم خانہ مندیش و مایست
گھر کے نیچے گنج ہے پھر چارہ کیا	ڈھانے گھر کو سوچتا کیا ہے کھڑا
کہ ہزاراں خانہ از یک نقد گنج	میتواں کردن عمارت بے زر و رنج
جب خزانہ مل گیا گھر سیکڑوں	بے کسی تکلیف کے تیار ہوں
عاقبت آں خانہ خود ویراں شود	گنج از زیرش یقیں عریاں شود
آخر اک دن گھر یہ ڈھایا جائیگا	نکلیگا نیچے خزانہ بر ملا
لیک آں تو نباشد زآنکہ روح	مزد ویراں کردنستش آں فتوح
روح مالک اس کی ہوگی تو نہیں	ہے گی ڈھانے کا عوض وہ بالیقیں
چوں نکرد آں کار مزدش ہست لا	لیس [۲] للانسان الا ما سعٰے
ہوگئی ہے کام مزدوری فنا!	کیا ملے ہے کوشش کے سوا انسان کا
دست خائی بعد ازاں تو کہ دریغ	ایں چنیں ماہے بد اندر زیر میغ
ہاتھ چابیگا پھر اپنے بیکساں	آہ تھا کیا چاند بادل میں نہاں
من نکردم آنچہ گفتند از بہی	گنج رفت و خانہ و دستم تہی
جو ہدایت تھی دیکھوں دلیا کیا	گنج سے گھر ہاتھ خالی رہ گیا
حائل گنج و حجاب ایں خانہ بود	مانع صد خرمن ایں یکدانہ بود
وہ حجاب گنج میرا گھر ہی تھا	مانع خرمن یہ اک دانہ رہا

---

[۱] گھر سے مراد یہاں جسم اور عقیق سے مراد روح ہے ◆

[۲] قولہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہ، لیس للانسان الا ما سعیٰ ◆

خانۂ اجرت گرفتی و کرے
نیست۔ ملک تو بمیراث ای فتی
گھر ہے اُجرت پر کرایہ دار توٗ
گھر نہیں ذاتی تو ہے ناچار توٗ

ایں کری را مدّتے داد و اجل
تا درایں مدت کُنی در وے عمل
اس کرائے کی ہے مدّت بے خلل
تا رہے اس وقت تک تیرا عمل

پارہ دوزی میکنی اندر دُکاں
زیر ایں دُکّان تو پنہاں دو کاں
توٗ دُکاں پر سی رہا ہے دھجیاں
ہیں دُکاں کے نیچے دُو کانیں نہاں

ہست ایں دُکّاں کرائی زود باش
تیشہ بستان و تگش را میخراش
ہے کرائے پہ یہ دُکاں جلد کر
لے بسولہ۔ کھود جڑ اے بے خبر

تا کہ تیشہ ناگہاں بر کاں نہی
از دُکان و پارہ دوزی وارہی
تیشہ شاید کان ہی پہ جا لگے
چھوڑ یا سینے سے اور دُکان سے

پارہ دوزی چیست خورد آب و نان
میزنی ایں پارہ بر دلق گراں
دھجی سینا کیا ہے کھانا آب و نان
گدڑی پہ یہ ہے لگانا دھجیاں

ہر زماں میدرّد ایں دلق تنت
پارہ بر وے میزنی زیں خوردنت
تن کی گدڑی لحظہ لحظہ میں پھٹے
اس پہ پھر پیوند کھانے کا لگے

اے ز نسل پادشاہِ کامگار
باخود آ زیں پارہ دوزی ننگ دار
بادشاہوں کی ہے جب تو نسل سے
پارہ دوزی عار ہونی چاہیے

پارۂ بر کن ازیں قعرِ دُکاں
تا بر آرد سر بہ پیشیں تو دو کاں
اُس دُکاں کی تہ سے کچھ پٹرے اُکھاڑ
تا کہ دو کانیں ہوں ظاہر برملا

پس ازاں کایں مہلتِ خانہ کری
آخر آید بر نخوردہ زو بری
ختم اگر مدت کرائے کی ہوئی
جائیگا دُکاں سے پھر ناکام ہی

پس ترا بیروں کند صاحب دُکاں
ویں دُکاں را بر کند از پئے کاں
مالکِ دُکاں نکالے گا تجھے
اور نکالے کان دُکاں کھود کے

تو ز حسرت دست بر سر میزنی
اپنا پھر پیٹے گا تو حسرت سے سر
گاہ ریش خام خود بر میکنی
ڈاڑھی بھی نوچیگا اپنی سربسر

کاے دریغا آن من بود این کلاں
اور کہیگا - تھی یہ پہلے میں دکاں
کور بودم بر نخوردم زین مکاں
پھل نہ پایا اس دکاں سے بیگماں

اے دریغا گنج را بگذاشتم
ہائے میں نے خود ہی چھوڑا گنج زر
آب حیواں را بخاک انباشتم
آب حیواں کو دیا مٹی سے بھر

اے دریغا بود ما را برد باد
ہو گئی برباد سب ہستی مری
تا ابد یا حسرتا شد للعباد
ہے ابد تک حسرت اور افسوس بھی

اے دریغا اے دریغا اے دریغ
ہائے صد افسوس اف وا حسرتا
ماہ من پنہاں بماند زیر میغ
چاند بادل ہی میں پنہاں رہ گیا

انسان کا ذہن اور تصورات طبیعت پر مغرور ہونا

دیدم اندر خانہ من نقش و نگار
دیکھے میں نے گھر میں کچھ نقش و نگار
بودم اندر عشق خانہ بیقرار
اور رہا گھر کے لئے میں بیقرار

ماندم اندر خانہ حیران نزار
گھر میں جا کر رہ گیا حیراں مگر
لا بد از معنی شدم من عور و زار
ہو گیا معنی سے میں بیکار تر

عشق خانہ در دل من کار کرد
عشق نے گھر کے کیا دم کو ہلاک
لاجرم از گنج ماندم دور و فرد
دور دولت سے ہوا میں اندوہناک

بودم از گنج نہانی بیخبر
تھا میں اس گنج نہاں سے بیخبر
ورنہ دستنبوئے من بودے تبر
ورنہ گلدستہ مرا بنتا تبر

آہ گر او تبر را دادمے
آہ میں دیتا تبر کی داد اگر
این زمان غم را تبرا دادمے
بھیجتا اس دم تبرا رنج پہ

چشم را بر نقش می انداختم	ہمچو طفلاں عشقہا میباختم
آنکھ میری نقش ہی پہ تھی لگی	مثل بچوں کے تھی میری عاشقی
پس بگو گفت آں حکیم کامیار	گر تو طفلی خانہ پُر نقش و نگار
سچ تو کہتے ہیں حکیم [1] ذی وقار	تو ہے بچہ۔ گھر ہے پُر نقش و نگار
در الٰہی نامہ بس اندرز کرد	کہ برآر از دودمانِ خویش گرد
ہے الٰہی نامہ میں یوں پند دی	کر اُڑا دے دھول اپنے جسم کی

حضرت موسیٰؑ کا تیسرا وعدہ بیان کرنا

بس کن اے موسیٰؑ بگو وعدہ سوم	کز دلِ من زاضطرابش گشت گم
کہیے اے موسیٰؑ تو وعدہ تیسرا	اضطراب دل سے ہوں کھویا ہوا
گفت موسیٰؑ آں سوم ملک است تو	دو جہانے خالص از خصم و عدو
بولے موسیٰؑ تیسرے دو ملک سے	دو جہاں جن میں نہ دشمن مل سکے
بیشتر زاں ملک کاکنوں داشتی	کاں بُد اندر جنگ ایں در آشتی
کچھ زیادہ اس سے جو رکھتا ہے تو	جنگجو یہ ہے وہ ہوگا صلح جو
آنکہ در جنگت چناں ملکے دہد	بنگر اندر صلح چوں خوانت نہد
جنگ میں جو تجھ کو ایسے ملک دے	صلح میں کیا کیا تری خاطر کرے
آں کرم کاندر جفا اینہات داد	در وفا بنگر چہ باشد افتقاد
جب جفا میں اُس کے ہیں اتنے کرم	پھر وفا میں وہ کرے کتنے کرم
گفت اے موسیٰؑ چہارم چیست زود	باز گو صبرم شد و حرصم فزود
بولا اے موسیٰؑ ہے چوتھا وعدہ کیا	جلد کہیے صبر ہوں۔ لالچ بڑھا

---

[1] یعنی حکیم سنائی رحؒ

گفت چارم آنکہ اے بانی نوجواں
موے ہمچوں قیر و رُخ چوں ارغواں
بولے چوتھے یہ کہ اے بیٹا نوجواں
بال کالے اور رخ جوں ارغواں

رنگ و بُو در پیش ما بس کاسد است
لیک تو پستی سخن کردیم پست
رنگ و بو ناقص ہے اپنے سامنے
پست ہے تو پست ہی وعدے کئے

اقتضا را رنگ و بُو و از مکاں
ہست شادی و فریبِ کودکاں
اقتضا ہر رنگ و بو حسن مکاں
ہے خوشی بچوں کی۔ دھوکا بچگاں

کلّموا النّاس علیٰ قدرِ عقولہم کی تفسیر

چونکہ با کودک سر و کارم فتاد
ہم زبانِ کودکاں باید گشاد
چونکہ ہو بچے سے پالا ہے پڑا
باتیں بچوں کی سی کرنی ہیں روا

کہ برو کتّاب تا مُرغت خرم
یا مویز و جوز و فستق آورم
مدرسے تو جا۔ میں چڑیا دوں منگا
جوز، انگور اور پستا دوں منگا

جز شباب تن نمیدانی بگیر
ایں جوانی را بگیر اے خر ضمیر
تو جوانی چاہتا ہے اے شریر
یہ جوانی لو وہی ہے دلپذیر

ہیچ آژنگے نیفتد بر رُخت
تازہ ماند ایں شبابِ فرّخت
ایک بھی جھرّی نہ چہرے پہ پڑ سکے
تازہ تر گلشن جوانی کا رہے

نے نشانِ پیریت آید بہ رو
نے قدِ چوں سروِ تو گردد دوتو
ہو بڑھاپے کا نہ کچھ ظاہر نشاں
سرو سا قد خم نہ ہو یہ جاوداں

نے شود زورِ جوانی از تو کم
نے بدنداں ہات خللہا یا الم
ہو کبھی قوت جوانی کی نہ کم
ہو نہ دانتوں کو کوئی دکھ یا الم

---

[1] یعنی لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کرو۔

نہ کمی در شہوت و طمث و لیعال	کہ زناں را آید از ضعفت ملال
ہو نہ شہوت اور حرارت میں کمی	ہو نہ عورت کو شکایت ضعف کی
نہ شود موئیت سفید و پشت خم	لیک خوشتر لحظہ لحظہ دمبدم
ہو سفیدی بالوں پہ نے پشت خم	لحظہ لحظہ شاد ہو تو دم بدم
آنچناں بکشایدت فرّ شباب	کہ کشود آں مژدہ بر عکاشہ باب
یوں جوانی تیرے اوپر پھٹ پڑے	جیسے عکاشہؓ تھے خوش اک خبر سے

من بشرنی بخروج صفر بشرتہ بالجنۃ کی تفسیر

احمدؐ آخر زماں را انتقال	در ربیع اوّل آید بے جدال
جب حبیب حق نے فرمایا وصال	تھا ربیع الاوّل سے عالی خصال
چونکہ واقف شد ازاں وقت نقل	عاشق آں وقت گردید او بعقل
دل ہوا واقف جو وقت مرگ سے	آپ عاشق ہوگئے اس وقت کے
چوں صفر آمد شدے شاد از صفر	کہ پس ازیں ماہ میسازم سفر
خوش ہوئے جب آگیا ماہ صفر	میں کروں بعد اس مہینے کے سفر
ہر شبے تا روز زیں شوق ہدے	اے رفیق راہ اعلیٰ میزدے
رات دن یہ ذکر تھا لب آشنا	تھی رفیق کہ راہ اعلیٰ کی صدا
گفت ہر کس کہ مرا مژدہ دہد	چوں صفر پا از جہاں بیروں نہد
کہتے تھے مژدہ کوئی دیگا اگر	جب صفر کر جائے دنیا سے سفر

۱؎ اس کی تفصیل آگے ہے ۔

۲؎ جو شخص مجھے ماہ صفر گذرنے کی بشارت دے ۔ میں اُسے جنت کی بشارت دیتا ہوں ۔

۳؎ یعنی آپ فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی ۔

کہ صفر بگذشت و شد ماہ ربیع	مژدہ ور باشم مر او را و شفیع
اب صفر گذرا، ہوا ماہ ربیع	اس کو مژدہ دوں گا اور ہوں گا شفیع
چوں صفر بر بست بار و ماہِ نو	گشت پیدا بر فلک با تاب و ضو
جب صفر گذرا، تو نکلا ماہ نو	اور نکلی آسماں پہ اس کی ضو
گفت عکاشہ صفر بگذشت و رفت	گفت کہ جنت ترا اے شیر زفت
دی خبر عکاشہؓ نے گذرا صفر	بولے حضرت سے ترا جنت میں گھر
دیگرے آمد کہ بگذشت این صفر	گفت عکاشہؓ ببرد از مژدہ بر
دوسرا آیا کہا - گذرا صفر	لے گئے عکاشہؓ پہلے ہی مژدہ بر
پس رجال از نقل عالم شادماں	وز بقااش شادماں این کودکاں
موت سے ہیں شاد مردان خدا	اور جینے میں ہے بچوں کو مزا
چونکہ آب خوش ندید آں مرغ کور	پیش او کوثر نماید آب شور
آب خوش دیکھے نہیں جو مرغ کور	سامنے اس کے ہے کوثر آب شور
ہمچنیں موسیٰ کرامت می شمرد	ہم رفیقاں بیقدم رہ می سپرد
کرتے تھے موسیٰ کرامت یوں بیاں	بیقدم تھے سب رستے میں رواں
کہ مگردد صاف اقبال تو درد	ہم نگردد اطلس بخت تو بُرد
ہاں نہ ہو گدلا ترا اقبال صاف	بخت بھی تیرا نہ ہو تجھ سے خلاف
ہرچہ خواہی یابی از بخت جواں	شادمانی نگردی ناتواں
تو جو چاہے تجھ کو قسمت سے ملے	خوش رہے آئے نہ کمزوری تجھے
گفت حضرت نکو گفتی و نیک	تا کنم من مشورت با یار نیک
بولا بہ صد آفریں، بہتر، بجا	دوستی سے کہیں میں کروں مشورہ

فرعون کا اپنی بیوی سے مشورہ کرنا

باز گفت او ایں سخن با آسیہ	گفت جاں افشاں بریں اے دل سیہ
آسیہ سے ذکر جب اس نے کیا	بولیں: اپنی جان کر اس پہ فدا
بس عنایتہاست متن ایں مقال	زود دریاب اے شہ نیکو خصال
اس میں لاکھوں ہیں عنایات خیال	جلد حاصل کر انہیں اے مہربان
وقت کشت آمد زہے پر سود کشت	ایں بگفت و گریہ کرد و گرم گشت
بونے کا وقت آگیا کھیتی تو بو !	یہ کہا، رونے لگیں - گرمی بڑھی
برجہید از جا و گفتا بخ لک	آفتابے تاج گشتت اے کلک
اور کہا: اے شوم تو ہے کامیاب	تاج سر بنتا ہے تیرا آفتاب
عیب کل را خود بپوشاند کلاہ	خاصہ چوں باشد کلہ خورشید و ماہ
عیب گنجے کا چھپاتی ہے کلاہ	خاص کر جب ہوں کلہ خورشید
ہمدر آں مجلس کہ بشنیدی تو ایں	چوں نگفتی آرے و صد آفریں
تو نے جس مجلس میں ایسا تھا سنا	کیوں نہ "ہاں" "صد آفریں" جھٹ کہہ دیا
ایں سخن در گوش خورشید ار شدے	سرنگوں بوئے ایں زیر آمدے
یہ سخن سنتا جو گوش آفتاب	سر جھکا کر نیچے آجاتا شتاب
ہیچ میدانی چہ وعدہ ست و چہ داد	میکند ابلیس را حق افتقاد
جانتا ہے کیا ہے وعدہ اور عطا	تو بلے شیطان پہ فضل خدا
چوں بدیں لطف آں کریمت باز خواند	اے عجب چوں زہرہ ات بر جا بماند
لطف جب تجھ پہ خدا نے ہے کیا	اے عجب پتہ نہ تیرا پھٹ گیا
زہرہ ات ندرید تا زاں زہرہ وت	میرسیدے زو دو عالم بہرہ وات
پتہ ثابت رہ گیا پھٹتا اگر	دونوں عالم سے تو ہوتا بہرہ ور

[illegible] گنجے کے سر کے زخم کو [illegible] کہتے ہیں

زہرہ گر بہر حق او بردرد ۔ چوں شہیداں از دو عالم برخورد
جو خدا کے واسطے پتہ چھٹے ۔ وہ شہیدوں کی طرح لے فائدے

غافلی ہم حکمت است و نعمت است ۔ تا نپرد زود سرمایہ ز دست
حکمت و نعمت ہے بس یہ غافلی ۔ کہ نہ ہوتا جلد نقد زندگی

غافلی ہم حکمت است و ایں عمے ۔ تا بماند لیک با ایں حد چرا
اندھا پن اور غافلی حکمت سہی ۔ حد سے بڑھنا بھی نہیں ہے لازمی

لیک نے چنداں کہ ناسورے شود ۔ زہر جان و عقل رنجورے شود
کیوں بڑھے اتنی کہ اک ناسور ہو ۔ زہر جاں ہو، عقل بھی رنجور ہو

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را ۔ کہ بیک گل می خری گلزار را
کون پا سکتا ہے اس بازار کو ۔ ایک گل میں مول لے گلزار کو

دانۂ را صد درختستان عوض ۔ حبہ را آمدت صد کاں عوض
ایک دانے میں درختستان دیں ۔ ایک حبے میں تجھے کانیں ملیں

کان للہ دادن آں حبہ است ۔ تا کہ کان اللہ لہ آید بدست
کان للہ ہے وہ حبہ بے مثال ۔ تا کہ کان اللہ لہ پائے صلا

زانکہ ایں ہوئے ضعیف بیقرار ۔ ہست شد زاں ہوئے ربّ پائدار
کیونکہ یہ ہستی تری اے بیقرار ۔ ہستی رب سے فقط ہے پائدار

ہوئے فانی چونکہ خود با او سپرد ۔ گشت باقی دائم و ہرگز نمرد
ہستی فانی جب اس کو سونپ دی ۔ وہ ہمیشہ کے لئے باقی رہی

ہمچو قطرہ خائف از باد و ز خاک ۔ کہ فنا گردد بدیں ہر دو ہلاک
جیسے قطرہ خائف خاک و ہوا ۔ ہے انہیں دونوں سے قطرے کی فنا

سلہ حدیث شریف ہے۔ من کان للہ کان اللہ لہ۔ یعنی جو اللہ کا ہو گیا اللہ اُس کا ہو گیا۔

چوں باصل خود کہ دریا بود جست	از تف خورشید باد و خاک رست
جب وہ اپنی اصل دریا میں گرا	سورج اور خاک و ہوا سے بچ گیا
ظاہرش گم گشت در دریا ولیک	ذات او معصوم و پا بر جاست نیک
گو بظاہر گم وہ دریا میں ہوا	ذات ہے محفوظ اُس کی بر ملا
ہیں بدہ اے قطرہ خود را بے ندم	تا بیابی در بہائے قطرہ یم
بے دھڑک دے قطرے! خود کو سونپ دے	تا عوض میں اُس کے اک دریا لے
ہیں بدہ اے قطرہ خود را ایں شرف	در کف دریا شو ایمن از تلف
یہ شرف دے خود کو اے قطرے! ذرا	یعنی دریا میں ہو محفوظ فنا
خود کرا آمد چنیں دولت بدست	قطرہ را بحرے تقاضا گر شدست
خود بخود کس کو یہ دولت ہے ملی	بحر کو خود ہی طلب ہے قطرے کی
چوں تقاضا میکند دریا ترا	پس چرا ستادی و درماندی بلا
جب تقاضا خود ہے دریا کر رہا	پھر تو کیوں سہمے تو درماندہ ہوا
اللہ اللہ زود بفروش و بخر	قطرہ دہ بحرے پر گوہر ببر
اللہ اللہ جلد دے اور بیچ دے	قطرہ دے کر بحر پر گوہر کو لے
اللہ اللہ ہیچ تاخیرے مکن	کز بحر لطف آمد ایں سخن
اللہ اللہ دیر اب ہرگز نہ کر	لطف کا دریا ہے اس دم جوش پر
اللہ اللہ زود بشتاب و بجو	چونکہ بحر رحمتست ایں نیست جو
اللہ اللہ ڈھونڈ اس کو جلد جا	کب ہے ندی یہ ہے دریا رحم کا
اللہ اللہ گوئے شو بیدست و پا	تا شود چوگان موسیٰ پا ترا
اللہ اللہ گیند بن بے دست و پا	پاؤں تا موسیٰ کا بلا ہو ترا
اللہ اللہ تو گمان بد مبر	بر چنیں انعام عام اے بیخبر
اللہ اللہ تو گمان بد نہ کر	عام اس انعام پہ اے بے خبر

الله الله زود دریاب اے فتے
تا نگردی در غلط بینی فنا!
الله الله جلد حاصل کر فتا
تا غلط بینی نہ کر اے فنا

الله الله ترک کن ہستی خود
چونکہ خواندست پیر لطفے معتمد
الله الله اپنی ہستی ترک کر
جب بلایا ہے تجھے۔ جا زود تر

الله الله زود تر تعجیل کن
بر فروز از ایں اشارت بے سخن
الله الله جلدی اور تعجیل کر
اس اشارے سے چمک۔ تعجیل کر

الله الله تا کنوں کژ باختی
گردن اندر معصیت افراختی
الله الله ٹیڑھا چلا اب تک تو چلا
اور ہمیشہ تو گناہوں میں رہا

الله الله چوں عنایت در رسید
بے توقف در وے آمد اے سعید
الله الله اب عنایت ہے قریب
بے توقف اس سے مل اے بد نصیب

الله الله چونکہ عصیانہائے تو
در نمی مالد برویت شکر گو
الله الله گو ترے عصیاں سخت تر
وہ ترے منہ پر نہ دے تجھے شکر کر

الله الله چوں ز فضلت رو داد
سر بخاک پائے او باید نہاد
الله الله فضل حق تجھ پہ ہوا
اس کی خاک پا پہ اپنا سر جھکا

الله الله با چنیں کفر دو تو
چوں قبولت میکند اکرام او
الله الله کفر ایسا پر جہول
پھر بھی رحمت اس کی کرتی ہے قبول

لطف اندر لطف او گم می شود
کا سفلے بر چرخ ہفتم می رود
لطف اس کے لطف میں گم ہو گیا
ایک ادنیٰ چرخ ہفتم پہ چڑھا

ہیں کہ یکبازی فتادت بو العجب
ہیچ طالب ایں نیابد در طلب
ایک بازی مل گئی تجھ کو عجب
یوں کسی طالب کو ملتی ہے طلب

در بہا ایں چار خلعت زود زود
تا بہ بینی در عوض صد عز و سود
چاروں خلعت جلد تر کر لے قبول
تا کہ تجھ کو عزتیں ہوویں سو حصول

گفت با ہاماں بگویم اے ستیر   شاہ را لازم بود رائے وزیر
بولا۔ میں ہاماں کا بھی لے لوں مشیر   شاہ کو ہے لازمی رائے وزیر

باز۔ بادشاہ اور بڑھیا کی مثال

گفت با ہاماں مگو ایں راز را   کوز کمپیرے نداند باز را
بولیں، ہاماں سے ذکر اس راز کو   زال[1] کیا سمجھے گی قدر باز کو

باز اسپیدے بکمپیرے دہی   او ببرد ناخنش بہر بہی
باز اک اچھا کسی بڑھیا کو دے   تو وہ فوراً اس کے ناخن کاٹ دے

ناخنے کو اصل کار است و شکار   کوز کمپیرے ببرد کوروار
ہاں وہ ناخن جو ہیں آلات شکار   کاٹ دے بڑھیا انہیں دیوانہ وار

کہ کجا بودست مادر کہ ترا   ناخناں زینساں دراز است اے کیا[2]
اور یہ تیری گئی تھی ماں کہاں   ناخن اتنے بڑھ گئے ہیں الاماں

ناخن و منقار و پرش را برید   وقت مہر ایں میکند زال پلید
چونچ ناخن اور پر سب کاٹ دے   بس محبت میں وہ بڑھیا یہ کرے

چونکہ تتماجش دہد او کم خورد   خشم گیرد مہرہا را بر درد
دے جو آش اس کو نہ ہرگز کھائے وہ   مہر چھوڑے غصے میں بھر جائے وہ

کہ چنیں تتماج پختم بہر تو   تو تکبر می نمائی و عتو
یہ پکائی آش تھی تیرے لئے   اور تکبر سے نہیں بھاتی تجھے

تو سزائے مر ہماں وبیلا   نعمت و اقبال کے سازد ترا
ہاں تو لائق ہے اسی ادبار کے   کس طرح اقبال خوش آئے تجھے

---

[1] یعنی بڑھیا ۔ [2] بڑھیا ۔

آب چشمش بد کہ ایں را بگیر   گر نخواہی کہ نوشی ای فقیر
جوش کا پانی اُسے دے کے پی   آتش سے نفرت ہے تو یہ ہی پی
آب چشمش گیرد طبع باز   زاں بقہر چیدہ شود چشمش دراز
آتش کا پانی بھی جب ہوتا گداز   غصہ اُس بڑھ صیا کو آئے بیشمار
از غضب آں آتش سوزاں سرش   زاں فرو ریزد شود کل مغفرش
آتش جلتی اُس کے سر پر ڈالے   سر ہو گنجا تو پھر ہیچ گر پڑے
اشک آں آب چشمش فرو ریزد ز سوز   یاد آرد لطف شاہ با فروز
سوز غم سے باز پھر رو دے تھے   یاد آئیں لطف اس کو شاہ کے
زاں دو چشم نازنین پر دلال   کز چہرہ شاہ دارد صد کمال
اُس کی دو آنکھیں کرشمہ اشتمال   جن کو روئے شاہ سے حاصل کمال
چشم ما ز آتشش شدہ پر زخم زار   چشم نیک از چشم بد با دور دار
اُس کی دو مار رخ کی آنکھیں مگر   دور چشم بد سے آن پہ بیشتر
چشم دریا بسطتے گر بسط او   ہر دو عالم میستانید از محو
جو کہ تھا وہ مثل دریا کے کمال   دونوں عالم جن کی نظروں میں ہیں بلا
گر ہزاراں چرخ در چشمش رود   ہمچو چشمہ پیش قلزم گم شود
گر ہزاروں چرخ ان آنکھوں میں سما جائیں   مثل چشمہ پیش قلزم سوکھ جائیں !
چشم بگذشتہ از یں محسوسہا   یافتہ از غیب بینی بوسہا
ظاہری احساس سے گذری ہوئی   غیب بینی جن کے بوسے لے رہی
خود نمی یابم یکے گوشہ سخن   نکتہ گویم ازاں چشم حسن
کیا کروں کیونکر کروں میں ناتواں   ایک نکتہ میں کروں آنکھوں کا بیان
می چکید آں آب محمود جلیل   می ربودے قطرہ اش را جبرئیل
ہے ٹپکتا اُن سے وہ آب جلیل   جس کا قطرہ آبرو سے جبرئیل

تا بمالد در پے و منقار خویش	گر دہد دستوریش آں خوب کیش
پائیں تو منقار اور پیروں پہ وہ ملیں	گر اجازت قطرہ ہائے چشم دیں
باز گوید خشم گیر ار فر و خت	فر نورِ صبر و علمم را نسوخت
باز بولے گو جلا یا ہے مجھے	نورِ صبر و علم میرے کب جلے
باز جانم باز صد صورت تند	زخم بر ناقہ نہ بر صالحؑ زند
باز جاں پھر صورتیں سو پائے گا	اونٹنی کے زخم سے صالحؑ کو کیا
صالحؑ از یکدم کہ آرد با شکوہ	صد چناں ناقہ بزاید متنِ کوہ
گر دکھائیں اک ذرا صالحؑ شکوہ	ایسے ناقے سو نکالے پشتِ کوہ
دل ہمی گوید خموش و ہوشدار	ورنہ درّاند غیرت پود و تار
دل یہ کہتا ہے کہ چپ رہ ہوشیار	غیرتِ حق سے نہ بکھریں تیرے تار
غیرتش را ہست صد حلمِ نہاں	ورنہ سوزیدے بیکدم صد جہاں
حلم سو ہیں اس کی غیرت میں نہاں	ورنہ اک دم میں جلا دے سو جہاں :
نخوتِ شاہی گرفتش جائے پند	تا دلِ خود را ز پندِ او کرد بند
نخوتِ شاہی تھی غالب جائے پند	پند سے اُس نے کیا تھا دل کو بند
کہ کنم با رائے ہاماں مشورت	کو ست پشتِ ملک و قطبِ مملکت
ہاں کرونگا مشورہ ہاماں سے	قطب ہے وہ اس حکومت کے لئے
مصطفیٰؐ را رائے زن صدیقؓ رب	رائے زن بوجہل را شد بولہب
مصطفیٰؐ کے رائے زن صدیقؓ تھے	بولہب سے مشورے بوجہل کے
عرقِ جنسیت چنانش جذب کرد	کاں نصیحتہا بہ پیشش گشت سرد
رگ نے ہم جنس کی جذب اس کو کیا	ہر نصیحت تھی گئے بے فائدہ
جنس سوئے جنس صد پرّہ پرد	بر خیالش بندہا را بر درد
جنس سوئے جنس اُڑتی ہے مدام	پھاڑ دیتی ہے وہ نصائح تمام

سلہ یعنی فرعون کیلئے

ایک عورت کا حضرت علیؓ کے پاس آنا

یک زنے آمد بہ پیش مرتضیٰؓ
گفت شد بر ناوداں طفلے مرا
ایک عورت نے علیؓ سے جا کہا
جاتا ہے پرنالے پہ بچہ مرا

گرش میخوانم نمی آید بدست
ور ہلم ترسم کہ افتد بر پست
جب بلاتی ہوں تو وہ آتا نہیں
چھوڑ دوں تو ڈر ہے گر جائے کہیں

نیست عاقل تا کہ دریابد چو ما
گر بگویم کز خطر سوئے من آ!
وہ نہیں عاقل کہ مانے یہ کہا
گر کہوں خطرہ ہے میرے پاس آ

ہم اشارت را نمیداند بدست
ور بداند نشنود ایں ہم بداست
وہ اشارے بھی نہیں پہچانتا
جانتا بھی ہے تو کب سمجھنے لگا

بس نمودم شیر و پستاں را بدو
او ہمیگرداند از من چشم و رو
دودھ و دپستاں دکھاتی ہوں اسے
بیٹھ جاتا ہے۔ مگر منہ موڑ کے

از برائے حق شمائید اے مہاں
دستگیر ایں جہان و آنجہاں
بہر خالق اے بزرگ خانداں
رہنما و دستگیر دو جہاں

زود درماں کن کہ میلرزد دلم
کہ بدرد از میوۂ دل بگسلم
دل لرزتا ہے۔ مدد کیجئے ذرا
دل کے میوے سے نہ ہو جاؤں جدا

گفت طفلے را بر آور ہم ببام
تا بہ بیند جنس خود را آں غلام
بولے اک بچے کو لے جا بام پہ
تا وہ اپنی جنس پر ڈالے نظر

سوئے جنس آید سبک زاں ناوداں
جنس بر جنس است عاشق جاوداں
آئیگا پرنالے سے سوئے جنس ہاں
جنس پر ہے جنس عاشق بیگماں

زن چناں کرد و چو دید آں طفل او
جنس خود خوش خوش بدو آورد رو
اس نے ایسا ہی کیا بچے نے بھی
دیکھا جب ہم جنس کو با صد خوشی

سوئے بام آمد ز متن ناوداں   جاذب ہر جنس را ہم جنس داں
ہٹ کے پرنالے سے چھت پر آگیا   جنس کو ہم جنس ہی ہے کھینچتا
غژ غژاں آمد بسوئے طفل طفل   وا رہید او از فتادن سوئے سفل
سوئے بچہ وہ گھسٹتا آگیا   ہو گیا پستی میں گرنے سے رہا
زاں شدستند از بشر پیغمبراںؑ   تا بجنسیت رہند از ناوداں
انبیاءؑ بھی تھے اسی باعث بشر   ہر بشر کو تا کہ لائیں راہ پر
پس بشر فرمود خود را مثلکم   تا بجنس آیند و کم گردند گم
پس بشر بولا کہ میں ہوں مثلکم   تا ملیں ہم جنس سے اور ہوں نہ گم
زانکہ جنسیت عجائب جاذبیست   جاذب جنس است ہر جا طالبیست
کیونکہ جنسیت میں ہے جذب عجب   جنس کی ہے ہر جگہ اس کو طلب
عیسیٰؑ و ادریسؑ بر گردوں شدند   با ملائک چونکہ ہم جنس آمدند
عیسیٰؑ و ادریسؑ گردوں پہ گئے   وہ فرشتوں کے شریک جنس تھے
باز آں ہاروت و ماروت از بلند   جنس تن بودند زاں زیر آمدند
جنس تن ہاروت اور ماروت تھے   اس سبب سے وہ زمیں پر آ گئے
کافراں ہم جنس شیطاں آمدہ   جانِشاں شاگرد شیطاناں شدہ
چونکہ کافر جنس سے شیطاں کی تھے   شوق سے شاگرد شیطاں ہو گئے
صد ہزاراں خوئے بد آموختہ   دیدہائے عقل و دل بر دوختہ
سیکھ لیں لاکھوں بری عادتیں   سوئی گھونپی عقل و دل کی آنکھیں
کمتریں خوشاں بزشتے ایں حسد   آں حسد کہ گردن ابلیس زد
تھا حسد ادنیٰ سی اک عادت بری   جس نے گردن ماری شیطان کی

---

[1] یعنی آنحضرتؐ ◆

[2] تم جیسا ◆

زاں سگاں آموختہ حقد و حسد
کہ نخواہد خلق را ملکِ ابد

اُس سے ان کتّوں نے بھی سیکھا حسد
تا نہ خلقت کو ملے ملکِ ابد

ہر کرا دید او کمال از چپ و راست
از حسد قولنجش آمد درد خاست

جب اُسے کوئی ملا صاحبِ کمال
بس وہ قولنجِ حسد سے تھا نڈھال

زانکہ ہر بدبخت خرمن سوختہ
می نخواہد شمعِ کس افروختہ

کیونکہ جو بدبخت ہے اور بے فروغ
کیا کسی کی شمع کا دیکھے فروغ

ہیں کمالے دست آور تا تو ہم
از کمالِ دیگراں نفتی بغم

ہاں تو کر حاصل کمال اپنے لئے
تا نہ غمگیں ہو کمالِ غیر سے

از خدا می خواہ دفعِ ایں حسد
تا خدایت وا رہاند زیں حسد

حق سے تو دفعِ حسد کی کر دعا
تا خدا کر دے تجھے اس سے رہا

مر ترا مشغولیے باشد درون
کہ نپردازی از آں سوئے بروں

ہو ترا اک خاص شغلِ باطنی
تا نہ ہو مصروفِ ظاہر میں کبھی

جرعۂ مے را خدا زاں میدہد
کہ بداں مست از دو عالم میرہد

مے کا گھونٹ اس واسطے بخشے خدا
مست اس کا ہو دو عالم سے جدا

خاصیت بنہادہ در کفِ حشیش
کو زمانے میرہاند از خودیش

بھنگ میں رکھدی ہے ایسی خاصیت
جس سے آجاتی ہے دم بھر کیفیت

خواب را یزداں بداں ساں میکند
کز دو عالم فکر را بر میکند

خواب کو کرتا ہے یوں طاری خدا
فکر کو کرتا ہے جھگڑوں سے جدا

کرد مجنوں را ز عشقِ پوستے
کو بنشناسد عدو از دوستے

عشقِ مجنوں کو جو صورت کا دیا
دوست دشمن سے ہوا نا آشنا

صد ہزاراں ایں چنیں مے دارد او
کہ بہ ادراکات تو بگمارد او

ہیں شرابیں اس کی لاکھوں بیگماں
جو ہیں ادراکات پہ حاوی یہاں

هست میہائے شقاوت نفس را کز رہ بیروں برد آں نحس را
نفس کو دیدی شقاوت کی شراب ہو گیا گمراہ جس سے وہ خراب
هست میہائے سعادت عقل را کہ بیابد منزل بے نقل را
عقل کو مستِ سعادت کر دیا منزل دائم کا تا پائے پتا
خیمۂ گردوں ز سرمستی خویش! بر کند زاں سو بگیرد راہ پیش
خیمۂ گردوں کو اپنی کیف سے وہ اکھاڑے اور پھر آگے بڑھے
تو بہر مستی دلا غرہ مشو! هست عیسیٰؑ مستِ حق خر مستِ جو
بس نہ ہر مستی پہ ہو نازاں دلا مست عیسیٰؑ حق سے ہے خر جو سے گد
اینچنیں مے را بجو زیں خنبہا مستیش نبود ز کوتہ دُنبہا
ایسے خم سے پی شراب عنبریں جس کی مستی تنگ ظرفوں سے نہیں
زانکہ ہر معشوق چوں خنبیست پُر آں یکے دُردی و دیگر صافی چو دُر
ہے ہر اک معشوق مثل خم بھرا ایک تلچھٹ ۔ ایک موتی سا صفا
مے شناسا ہیں بچش با احتیاط تا مئے یابی منزہ ز اختلاط
ہوش سے چکھ تو اسے اے مے شناس تا کہ بے میل آئے بادہ تیرے پاس
مے شناسا ہیں بچش اسے و ترش آں مئے صافی کزاں گردی خمش
ہاں ذرا چکھ ہوش سے اے بادہ نوش وہ شراب صاف جو کردے خموش
ہر دو مستی میدہندت لیک ایں مستیت آرد کشاں تا ربِ دیں
دونوں میں مستی ہے لیکن یہ فقط! کھینچ کر لے جائے تا ربُ العلا
تا رہی از فکر و وسواس و حیل بے عقال عقل در رقص الجمل
تا رہا ہو فکر اور وسواس سے مست اور رقصاں ہو مانند اونٹ کے
انبیاؑ چوں جنس رُوح اند و ملک مر ملک را جذب کردند از فلک
جنس ہیں روح و ملک کی انبیاؑ کھینچیں گردوں سے فرشتوں کو سدا

باد جنس آتش است و یار او
کہ بود آہنگ ہر دو بر علو
ہے ہوا جنس آگ کی اُس سے ذی شرف
عزم ہے۔ دونوں کا اوپر کی طرف

چوں ببندی تو سر کوزہ تہی
در میان حوض یا جوئے نہی
خالی کوزے کا جو تو منہ باندھ دے
حوض میں یا اس کو ندی میں رکھے

تا قیامت او فرو ناید بہ پست
کہ دلش خالیست و در وے باد ہست
تا قیامت وہ نہ نیچے جائے گا
اُس کا خالی دل ہوا سے ہے بھرا

میل بادش چوں سوئے بالا بود
ظرف خود را ہم سوئے بالا کشد
ہے سوئے بالا جو میلان ہوا
کھینچے اوپر ظرف کو بھی برملا

باز آں جانہا کہ جنس انبیاست
سوئے ایشاں کش کشاں چوں سایہاست
پھر وہ جانیں جو ہیں جنس انبیا
مثل سایہ اُن کے پیچھے ہیں سدا

زانکہ عقلش غالبست بے ز شک
عقل جنس آمد بخلقت با ملک
غالب اُن کی عقل ہے بے ریب و شک
عقل ہے خلقت میں ہم جنس ملک

واں ہوائے نفس غالب بر عدو
نفس جنس اسفل آمد شد بدو
غالب دشمن ہوا ہے نفس کی
نفس ہے لعنت کہ وہ تو ہے دنی

بود قبطی جنس فرعون ذمیم
بود سبطی جنس موسےٰ کلیم
قوم قبطی جنس تھی فرعون کی
قوم سبطی جنس موسےٰ کی ہوئی

بود ہاماں جنس فرعون را
برگزیدش برد تا صدر سرا
جنس تھا ہامان ہی فرعون کا
منتخب کر کے اُسے محرم کیا

لاجرم از صدر در قعرش کشید
کہ ز جنس دوزخ اند آں دو پلید
تخت سے ڈالا گڑھے میں کھینچ کر
جنس تھے دوزخ کی دونوں بدسیر

ہر دو سوزندہ چو دوزخ ضد نور
ہر دو چوں دوزخ ز نور دل نفور
دونوں سوزاں مثل دوزخ ضد نور
نور دل سے مثل دوزخ کے نفور

زانکہ دوزخ گویدے مومن تو زود
برگذر کہ نورت آتش را ربود[1]
کہتی ہے دوزخ کہ اے مومن گذر
نور سے تیرے ہے میری آگ تر

جُز یا مومن فان نورک اطفاء ناری کی تفسیر

بگذر اے مومن کہ نورت میکشد
آتشم را چونکہ دامن میکشد
ہاں گذر مومن کہ تیرا نورِ پاک
کر رہا ہے آگ کو میری ہلاک

میرمد آں دوزخی از نور ہم
زانکہ طبع دوزخستش اے صنم
نور سے ہے دوزخی بھی بھاگتا
ہے طبیعت اُس میں دوزخ کی کتا

دوزخ از مومن گریزد آنچناں
کہ گریزد مومن از دوزخ بجاں
بھاگے بس مومن سے دوزخ اسطرح
بھاگے ہاں دوزخ سے مومن جسطرح

زانکہ جنس نار نبود نورِ او
ضدِّ نار آمد حقیقت نور جو
کیونکہ اُس کا نور کب ہے جنسِ نار
نور ضدِّ نار ہے کر اعتبار

در حدیث آمد کہ مومن در دعا
چوں اماں خواہد ز دوزخ از خدا
ہے حدیثوں میں کہ جب مومن دعا
کرتا ہے یارب تو دوزخ سے بچا

دوزخ از وے ہم اماں خواہد بجاں
کہ خدایا دور دارم از فلاں
مانگتی ہے اس سے دوزخ بھی پناہ
کہ الٰہی وہ نہ پائے مجھ میں راہ

جاذبہ جنسیت است اکنوں ببیں
کہ تو جنس کیستی از کفر و دیں
جنس جب جاذب ہے تو پھر دیکھ لے
کفر و دیں میں تو ہے کس کے جاذبے

گر بہاماں مائلی ہاماں نئی
ور بموسیٰ مائلی سبحانئی
ہے جو ہاماں سے تو ہامانی ہے تو
اور ہے موسیٰ سے تو یزدانی ہے تو

---

[1] یعنی اے مومن گزر جا۔ کیونکہ تیرے نور نے میری آگ بجھا دی ◆

در بہر دو مائلی انگیختہ　　نفس و عقلی ہر دو آں آمیختہ
اور اگر مائل ہے دونوں کی طرف　　نفس و عقل آمیختہ[1] ہیں بے طرف
ہر دو در جنگید ہاں ہاں بکوش　　تا شود بر نفس غالب عقل و ہوش
جنگ میں دونوں ہیں ہو جا سخت کوش　　تا ہوں غالب نفس پر عقل اور ہوش
ساغر صدق از کف موسیٰ بنوش　　تا شود غالب معانی بر نقوش
پی کف موسیٰ سے ساغر صدق کا　　غالب ظاہر ہو تا باطن ترا
در جہان جنگ شادی ایں بس است　　کہ ببینی بر عدو ہر دم شکست
ہے جہان جنگ میں کافی خوشی　　اپنے دشمن کو شکست فاش دے
جہد کن تا خصمت اشکستہ شود　　گرچہ فرعون دنی ایں نشنود
سعی کر تا زیر ہو دشمن اخی　　گو نہیں سنتا یہ فرعون دنی
اینحدیث آمد دراز اے ناگزیر　　باز گو ضلال فرعون مشیر
رفتہ رفتہ بات بے حد بڑھ گئی　　اب سنا گمراہیاں فرعون کی

فرعون کا ہامان سے مشورہ

آں ستیزہ رو بسختی عاقبت　　گفت با ہاماں برائے مشورت
جنگجو فرعون نے آخر کیا　　بے حیا ہامان سے یوں مشورہ
وعدہ ہائے آں کلیم اللہ را　　گفت و محرم ساخت آں گمراہ را
وعدے جو کچھ تھے کلیم اللہ کے　　سب اُسے محرم بنا کر کہہ دیے
گفت با ہاماں چو تنہااش بدید　　جست ہاماں و گریباں بر درید
جب کہا ہاماں سے تنہا دیکھ کر　　اچھلا اور پھاڑا گریباں سر بسر

---

[1] گڈمڈ ۔

بانگہا زد گریہا کرد آں لعیں   کوفت دستار و کلہ را بر زمیں
رو یا چلایا بہت پھر وہ لعیں   پھینکی دستار و کلہ سوئے زمیں
کہ چگونہ گفت اندر روئے شاہ   اینچنیں گستاخ آنحرف تباہ
اور کہا۔ کس طرح ایسے شاہ سے   ایسی باتیں کی ہیں اس گستاخ نے
جملہ عالم را مسخر کردہٗ   کار را با بخت چوں زر کردہٗ
تو نے دنیا کو مسخر کر لیا   کام سب کا تیری قسمت سے بنا
از مشارق در مغارب بے لجاج   سوئے تو آرند سلطاناں خراج
مشرق و مغرب سے اے توقیر تاج   لاتے ہیں سلطان تیرے آگے خراج
پادشاہاں اب ہمی مانند شاد   بر ستانہ خاک تو اے کیقباد
جانتے ہیں آگے سلطان شادشاد   تیری خاک آستاں اے کیقباد
اسپ یاغی چوں بہ بیند اسپ ما   رو بگرداند گریزد بے عصا!
گھوڑا اڑیل دیکھے اپنا اسپ اگر   بھاگے بے چابک وہ منہ کو پھیر کر
تا کنوں معبود و مسجود جہاں   بودہٗ گردی کینہ بندگاں
تو ہے اب معبود و مسجود جہاں   اپنا بندہ کر لیا ہے سب کو ہاں
دربزدا آتش شدن زیں خوشتر است   کہ خداوندے شود بندہ پرست
اس سے بہتر ہے کہ آتش میں جلے   کیوں خدا بن کر کوئی بندہ بنے
نے بکش اول مرا اے شاہ ہیں   تا نہ بیند چشم من بر شاہ ایں
مار ڈالیں آپ پہلے ہی ہمیں   تا نہ دیکھیں آپ کو اس حال میں
خسروا اول مرا گردن بزن   تا نہ بیند ایں تذلت چشم من
بادشہ! پہلے تو مجھ کو قتل کر   تا کہ میں دیکھوں نہ ذلت اس قدر
خود نبود است و مبادا ایں چنیں   کہ زمیں گردوں شود گردوں زمیں
آب ہُوا یہ اور نہ ہوا ایسا کہیں   ہو زمیں گردوں سبھی گردوں زمیں

بندگاں ماں خواجہ تاشِ ما شوند
بیبلاں ماں دلخراشیں ماخوند
جو ہمارے بندے ہیں۔ سرفراز ہوں
اور جو حامی ہیں دل آزار ہوں
چشمِ روشن دشمناں دوست کور
گشت مارا ایں گلستاں قعرِ گور
چشم دشمن شاد چشمِ دوست کور
آہ ہو ہم پہ گلستاں مثلِ گور

ہامان بے ایمان کی باتوں کی تردید

دوست از دشمن ہمی نشناخت او
نرد را کورانہ کژ میباخت او
دوست دشمن کی نہ تھی پہچان اسے
نردوں کا کھیل کھیلا بیہودے
دشمن تو جز تو نبود اے لعین
بیگناہاں را مگو دشمن بکیں
اپنا دشمن آپ ہے تو اے لعین
بیگناہوں کو نہ کر رکھتے ہیں کیں
پیش تو ایں حالتِ بد دولتست
کو دوا و اول و آخر لت است
حال بد تیرے لئے دولت سہی
ہے دَوا دَو چلے آخر لت رہی
اوّلش دَو دَو و در آخر لت بخور
جز دریں ویرانہ نبود مرگِ خر
چلے چلے بھاگ۔ آخر مار کھا
ایسے ہی جنگل میں مرتا ہے گدھا
گر ازیں دولت بتازی خرخراں
ایں بہارت را ہمی آید خزاں
گر نہ بھاگیگا تو اس دولت سے ال
آئے گی تیری بہاروں پہ خزاں
مشرق و مغرب چو تو بس دیدہ اند
کز سرِ ایشاں زتن ببریدہ اند
مشرق و مغرب نے تجھ سے سو ہزار
دیکھے اور پھر سر سے اُن کے اُتار
مشرق و مغرب کہ نبود برقرار
چوں کند آخر کسے را پائدار
مشرق و مغرب نہیں خود برقرار
پھر کسی کو کیا کریں گے پائدار
تو بداں فخر آوری کز ترس بند
چاپلوست گشت مردم روز چند
اِس پہ اتراتا ہے خوفِ قید سے
چاپلوسی لوگ کچھ کرتے رہے

ہر کرا مردم سجودے می کنند   زہر اندر جان او می آگنند
جس کو سجدہ کرتے ہیں لوگ اے معیں   اس کی جاں میں زہر بھر دیں بالیقیں
چونکہ برگردد از و آں ساجدش   داند او کاں زہر بودہ موبدش
جب قیامت میں وہ ساجد ہو خلاف   تو یہ سمجھے زہر مہلک تھا وہ صاف
اے خنک آں را کہ ذلت نفسہٗ   وائے آں کز سرکشی شد چونکہ او
واہ وہ ہے نفس جس کا خوار و زار   آہ وہ سرکش ہوا جو نفس دار
ایں تکبر زہر قاتل داں کہ ہست   از مے پر زہر شد آں گیج مست
اس تکبر کو تو قاتل زہر جان   ہے شراب زہر سے بدمست ماں
چوں مے پر زہر نوشد مدبرے   از طرب یکدم بجنباند سرے
جب کوئی بدبخت ایسی مے پیئے   ایک پیک جھومے وہ فرط کیف سے
بعد یکدم زہر بر جانش فتد   زہر با جانش کند داد و ستد
زہر تھوڑی دیر میں پھر جب چڑھے   مار ڈالے اور اس کی جان لے
گر نداری زہریش را اعتقاد   کو چہ زہر آمد نگر در قوم عاد
زہر کا اس کے نہیں گر اعتقاد   کیا ہوا تھا دیکھ حال قوم عاد
چونکہ شاہے دست یابد بر شہے   بکشدش یا باز دارد در چہے
جبکہ پکڑے بادشا کو بادشا   قید کر دے یا کرے اس کو فنا
در بیابد خستہ افتادہ را   مرہمش سازد شہ و بدہد عطا
اور اگر پائے کسی کو مبتلا   چارہ گر بن کر کرے اس پہ عطا
گر نہ زہرست ایں تکبر پس چرا   کشت شہ را بے گناہ و بے خطا
زہر اگر ہوتا تکبر کا نہ تھا   شاہ کو کیوں مارتا وہ بے خطا
ویں دگر را بے ز خدمت چوں نواخت   زیں دو جنبش زہر را باید شناخت
اس پہ بے خدمت نہ ہوتا مہرباں   زہر کی دونوں سے کر پہچان ہاں

راہزن ہرگز گدائے را نزد
گرگ گرگیں مردہ را ہرگز گزد
راہزن کب ہے گدا کو مارتا
گرگِ مردہ کو نہ کاٹے بھیڑیا

خضرؑ کشتی را برائے آں شکست
تا تواند کشتی از فجار رست
خضرؑ نے کشتی کو یوں ٹکڑے کیا
ہو گنہگاروں کے ہاتھوں سے رہا

چوں شکستہ میرہد اشکستہ شو
امن در فقراست اندر فقر رو
بن شکستہ جب شکستہ ہے رہا
فقر میں جب امن ہے. کر فقر جا

آں کہے کو داشت زکاں نقد چند
گشت پارہ پارہ از زخمِ کلند
کان زر سے بہرہ ور جو کوہ تھا
پارہ پارہ ضرب تیشہ سے ہوا

تیغ بہرِ اوست کو را گردنیست
سایہ افگندست پئے زخم نیست
تیغ ہے گردن کشوں کے واسطے
سایہ عاجز ہو زخم اُس پہ کیوں لگے

مہتری نفط ست و آتش اے غوی
اے برادر چوں بر آذر میروی
آگ ہے کہتے ہیں جس کو مہتری
بھائی تو اس آگ سے رہ جا بری

ہر چہ آں ہموارہ باشد با زمیں
تیر ہا را کے ہدف گردد ببیں
جو زمیں کی سطح سے ہموار ہو
کیوں ہدف ہو اُس پہ کیونکر وار ہو

سر برآرد از زمیں آنگاہ او
چوں ہدفہا زخم یابد بے رفو
ہاں اُٹھائے خاک سے جس وقت سر
ہو نشانہ زخم کھائے سربسر

نردبانِ خلق ایں ما و من ست
عاقبت زیں نردباں افتادنی ست
خلق کا زینہ ہے یہ ما و منی
آخر اس زینے سے گرنا ہے کبھی

ہر کہ بالاتر رود ابلہ تر است
کاستخوانِ او بتر خواہد شکست
جو ہے بالاتر وہ ہے ناداں تر
ہڈیاں ٹوٹیں گی اُس کی بے خبر

ایں فروعست و اصولش آں بود
کہ ترفع شرکتِ یزداں بود
فرع تھی یہ۔ اصل بھی سن اے فتیٰ
ہے بلندی ڈھونڈھنا شرکِ خدا

چوں نمردی و نگشتی زندہ زو
باغیے باشی بشرکت ملک جو
جب نہ موت آئی نہ تو زندہ رہا
ہو کے باغی شرک کیوں کرنے لگا

چوں بدو زندہ شدی آں خود وے ست
وحدت محض است آں شرکت کے ست
اس سے جو زندہ ہوا ہے خود وہی
وحدت مطلق ہے یہ، کب ہے دوئی

شرح ایں در آئنہ اعمال جو
کہ نیابی فہم ایں از گفتگو
آ گئے ہیں فعل کے بس ڈھونڈ لے
کب تو معنی پا سکے اس قول سے

گر بگویم آنچہ دارم در دروں
بس جگرہا گردد اندر حال خوں
دل میں جو کچھ ہے۔ اگر کردوں بیاں
خون ہو جائیں کلیجے بے گماں

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس ست
بانگ دو کردم اگر در دہ کس است
بس کروں کافی ہے دانا کے لئے
دو صدائیں گاؤں بھر کے واسطے

حاصل آں ہاماں بداں گفتار بد
ایں چنیں راہے بداں فرعون زد
الغرض ہاماں کی تھی یہ گفتگو!
کرتا تھا گمراہ اس کو کینہ خو

لقمۂ دولت رسیدہ تا دہاں!
از گلوئے او بریدہ ناگہاں
لقمۂ دولت جو منہ تک تھا گیا
حلق سے اُس کے نکالا برملا

خرمن فرعون را داد او بباد
ہیچ شہ را ایں چنیں صاحب مباد
خرمن فرعون کو ویراں کیا!
ہو مشیر ایسا نہ کوئی شاہ کا

از چنیں ہمراہ بد دُوری گزیں
زینہار اللہ اعلم بالیقیں
ایسے ہمراہی سے ہو خلوت گزیں
زینہار۔ اللہ اعلم بالیقیں

فرعون سے حضرت موسیٰ کی ناامیدی

گفت موسیٰ لطف بنمودیم وجود
خود خداوندیت را روزی نبود
بولے موسیٰ۔ کی عنایت حق نے کی
مستحق تیری خداوندی نہ تھی

آں خداوندی کہ نبود راستیں
مر ورا نے دست و نے آستیں
وہ خداوندی کہ جو ہے ناروا
وہ خداوندی جو ہے بے دست و پا

آں خداوندی کہ دزدیدہ بود
بیدل و بیجان و بے دیدہ بود
وہ خداوندی کہ جو دزدیدہ ہے
بیدل اور بیجان ہے بے دیدہ ہے

آں خداوندی کہ دادندت عوام
باز بستانند از تو ہمچو وام
وہ خداوندی جو بندوں نے ہے دی
لیجئے واپس جب وہ چاہیں جبھی

آنخداوندیِ تو از بندگی
کمتر است از باز دانی اندکی
بندگی سے یہ خداوندی تری
ہے بہت کم غور کر جیو اے شقی

دہ خداوندیِّ عاریت بحق
تا خداوندیت بخشد متفق !
کر خداوندی سپرد کبریا
متفق شہ تا ہو خداوندی عطا

آنحضرت سے سفیران عرب کا جھگڑا

آں امیران عرب گرد آمدند
نزد پیغمبر منازع میشدند
آگئے بلکہ سب امیران عرب
یوں نبی سے کرتے تھے جھگڑا وہ سب

کہ تو میری ہر یکے از ما ہم امیر
بخش کن ایں ملک و بخش خود بگیر
ہم بھی سردار عرب ہیں تم بھی ہو
اپنا حصہ لو۔ ہمارا ہم کو دو

ہر یکے در بخش خود انصاف جو
تو ز بخش ما دو دست خود بشو
اپنے حصے میں ہر اک منصف ہے
ہاتھ دھو لو تم ہمارے حصے سے

گفت میری مر مرا حق دادہ است
سروری و امر مطلق دادہ است
بولے حضرت ہے امیری حق نے دی
سروری ہے یہ اسی کی دی ہوئی

---

[1] یعنی جس پر سب اتفاق کر لیں ۔

کایں قرآنِ احمدؐ ست ذو دِرا او
ہیں بگیرید امرِ او را اتّقوا
یہ تو عہدِ مصطفےٰؐ ہے دوستو
حکم مانو اس کا اور حق سے ڈرو

قوم گفتندش کہ ما ہم در قضا
حاکمیم و داد امیری ماں خدا
قوم بولی یہ بھی ہے حکمِ خدا
ہے خدا ہی نے ہمیں حاکم کیا

گفت لیکن مر مرا حق مُلک داد
مر شما را عاریہ از بہرِ زاد
بولے حضرتؐ مجھ کو ملکِ خاص دی
کھانے پینے کو تمہیں دی عارضی

میری من تا قیامت باقیست
میری عاریتے خواہد شکست
میری سرداری قیامت تک رہے
عارضی سرداری دو دن کے لئے

قوم گفتندش کہ افزونی مجو
چیست حجت بر فزونی جوئی بگو
قوم بولی۔ ہم سے بڑھ کر کیوں رہو
بڑھنے کی آخر کوئی حجت بھی ہو

سیلاب کی آمد اور آنحضرتؐ کی فتح

در زماں ابرے بر آمد ز امرِ مُرّ
سیل آمد گشت آں اطراف پُر
حکمِ حق سے اُن دنوں اک ابر اُٹھا
آیا اک سیلاب جل تھل کو بھرا

رو بشہر آورد سیلی بس مہیب
اہل شہر افغاں کناں جملہ رہیب
شہر میں سیلاب آیا زور سے
شہر والے خوف سے چلّا اُٹھے

گفت پیغمبرؐ کہ وقتِ امتحاں
آمد اکنوں تا نہاں گردد عیاں
بولے پیغمبرؐ کہ وقتِ امتحان
آگیا اب سر نہاں ہوگا عیاں

ہر امیرے نیزۂ خود در فگند
تا شود در امتحاں آں سیل بند
اپنا اپنا نیزہ ہر سردار نے
سیل میں ڈالا کہ بند اُس کو کرے

نیزہا را ہمچو خاشاکے ربود
آبِ تیز سیلِ پُر جوش عنود
نیزوں کو خس کی طرح وہ لے گیا
تیز تھا پانی بہت سیلاب کا

پس قضیب انداخت در وے مصطفیٰ	آں قضیب معجز فرماں روا
ڈالی حضرت نے بھی اک شاخ اس گھڑی	معجزوں سے آپ کے جو تھی بھری
نیزہا گم گشت جملہ واں قضیب	بر سر آں ایستادہ چوں رقیب
نیزے سب گم ہو گئے اور وہ چھڑی	پانی پر مثل محافظ تھی کھڑی
ز اہتمام آں قضیب آں سیل نفت	رو بگردانید سوئے بحر رفت
اُس عصا سے ہو گیا سیلاب دور	رخ گیا دریا کی جانب بے فتور
چوں بدیدند از وے آں امر عظیم	پس مقر گشتند آں میراں زعیم
دیکھا جب حضرت کا یہ کار عظیم	ہو گئے اُن کے مقر وہ اہل بیم
جز سہ کس کہ حقد ایشاں چیرہ بود	ساحرش گفتند و کاہن از جحود
تین شخصوں کے سوا حاسد جو تھے	کاہن ان کو بغض سے کہنے لگے
بود بوجہل لعین و بولہب	واں سوم ہم بود بوسفیاں حرب
ایک تھا بوجہل اور اک بولہب	تیسرا تھا ان میں بوسفیان حرب
ملک بربستہ چناں باشد ضعیف	ملک بررستہ چناں باشد شریف
ہو مقید ملک ایسا ہی ضعیف	ملک آزاد ایسا ہوتا ہے شریف
نیزہا را گر ندیدی یا قضیب	نام شاں بیں نام او بیں اے نجیب
تو نے گر نیزے نہ دیکھے یا عصا	نام پہ دونوں کے کر غور اے فتا
نام شاں را سیل تیز مرگ برد	نام او و دولت تیزش نمرد
نام اُن[1] کے لے گیا سیل قضا	نام و اقبال اِن[2] کا باقی رہ گیا

---

[1] یعنی ابوجہل، ابولہب اور ابوسفیان کے نام۔

[2] یعنی آنحضرتؐ کا ۔

پنج نوبت میزنندشان دوام ‌‌ ‌ همچنین هر روز تا روز قیام
نوبتیں[1] پانچ ان کی بجتی ہیں مدام ‌ ‌ اور بجینگی یوں ہی تا روز قیام

حضرت موسیٰؑ کا فرعون کو ڈرانا اور جھڑکنا

[2]گر ترا عقلیست کردم لطفها ‌ ‌ ور خری آوردہ ام خر را عصا
عقل گر ہے تجھ میں تو کرتا ہوں عطا ‌ ‌ ہے گدھا تو ساتھ لایا ہوں عصا

آنچنان زین آخر[3] بیرون کنم ‌ ‌ کز عصا گوش و سرت پرخوں کنم
یوں طویلے سے تجھے باہر کروں ‌ ‌ اس عصا سے گوش و سر سب خوں کروں

اندرین آخر خران و مردمان ‌ ‌ می نیابند از جفائے تو امان
اس طویلے میں تمام انسان و خر ‌ ‌ ظلم سے تیرے نہیں پاتے مفر

نک عصا آوردہ ام بہر ادب ‌ ‌ ہر خرے را کو نباشد منتخب
دیکھ لایا ہوں عصا بہر ادب ‌ ‌ اس کی زد میں آئیں گے خر سب کے سب

اژدہائے میشود در قہر تو ‌ ‌ کاژدہائے گشتۂ در فعل و خو
اژدہا بنتا ہے یہ تیرے لئے ‌ ‌ تو بنا ہے اژدہا افعال سے

اژدہائے کوہئی تو بے اماں ‌ ‌ لیک بنگر اژدہائے آسماں
تو پہاڑی اژدہا ہے بے اماں ‌ ‌ دیکھ اب یہ اژدہائے آسماں

این عصا از دوزخ آمد چاشنی ‌ ‌ بر تو و بر مومن آمد روشنی
یہ عصا ہے تجھ کو دوزخ کا مزا ‌ ‌ مومنوں کے واسطے نور و ضیا

مر ترا گوید کہ اے گبر دنی ‌ ‌ کہ ہلا بگریز اندر روشنی
تجھ سے کہتا ہے کہ اے کافر دنی ‌ ‌ بھاگ جا جلدی سے سوئے روشنی

---

[1] یعنی پانچ نمازوں کی اذانیں ۔
[2] حضرت موسیٰؑ کا قول فرعون سے
[3] یعنی دنیا ۔

ورنہ درمانی تو در زندان من
تو رہیگا ورنہ زندان میں مرے
مخلصت نبود ز دربندان من
میرے بندھن سے نہ جائے چھوٹ کے

باز گرد از کفر سوئے دین حق
لوٹ دیں حق کی جانب کفر سے
ورنہ در نار ابد یابی قلق!
ورنہ دوزخ میں سدا جلتا پڑے

باز گرد اے گمرۂ بدبخت دون
لوٹ اے گمراہ و بدبخت و زبون
ورنہ در دوزخ در افتی سرنگوں
ورنہ دوزخ میں گریگا سرنگوں

عارف بہشت و دوزخ کو نہیں پوچھتا

ایں عصائے بود اینہم اژدہاست
یہ عصا تھا اور اب ہے اژدہا
تا نگوئی دوزخ یزداں کجاست
ہے کہاں دوزخ خدا اب یہ پوچھنا

ظاہرست ایں دوزخ اما بر دلت
ہے عیاں دوزخ مگر دل پر ترے
ہست پوشیدہ یقیں زآب و گلت
آب و گل سے ہیں بہت پردے پڑے

ہر کجا خواہد خدا دوزخ کند
جس جگہ چاہے خدا دوزخ بنائے
اوج را بر مرغ دام و فخ کند
دام بنکر اوج چڑیوں کو پھنسائے

ہم ز دندانت برآرد درد ہا
درد دانتوں میں وہ دے اس قسم کا
تا بگوئی دوزخست و اژدہا
تو کہے دوزخ ہے یہ اور اژدہا

یا کند آب دہانت را عسل
شہد تیرے تھوک کو وہ دے بنا
تا بگوئی کہ بہشت است و حلل
تو کہے جنت ہے حلہ خلد کا

از بن دنداں برویاند شکر
دانت کی جڑ سے کرے پیدا شکر
تا بدانی قوت حکم قدر
تا تو سمجھے قوت حکم قدر

---

[۱] یہاں سے حضرت مولاناؒ کے اقوال ہیں +

[۲] بلندی یعنی وہ بلندی جہاں وہ اُڑتے پھرتے ہیں وہ ان کے لئے دام بن جائے +

پس بدنداں بیگناہاں را مگز　　فکر کن از ضربتِ نا محترز
بے گناہوں پہ نہ کر تو دانت تیز　　اور ضرب بے ہنگم سے کر گریز

نیل را بر[1] قبطیاں حق خوں کند　　سبطیاں را از بلا محصوں کند
قبطیوں پہ نیل کو حق خوں کیے　　سبطیوں کو دے نجات آفات سے

آب بر فرعون ور دم خوں شود　　بر کلیمے قند نا ممنوں شود
پانی خون ہو جائے گر فرعون سے　　قند ہو موسیٰؑ پہ بے احسان کے

تا بدانی پیش حق تمییز ہست　　درمیانِ ہوشیار و راہ مست
تا تو سمجھے۔ فرق رکھتا ہے الٰہ　　درمیان ہوشیار و مستِ راہ

نیل تمییز از خدا آموختہ است　　کہ گشاد آں را و ایں را سخت بست
نیل نے سیکھی تمیز اللہ سے　　اس کو کھولا سخت اس کو باندھ کے

لطفِ او عاقل کند مر نیل را　　قہرِ او ابلہ کند قابیل[2] را
لطف اس کا عقل دیدے نیل کو　　قہر حق احمق کرے قابیل کو

در جمادات از کرم عقل آفرید　　عقل از عاقل بقہر خود برید
پتھروں میں بھی کرم سے عقل دی　　قہر کرکے عقل عاقل چھین لی

در جماد از لطف عقلے شد پدید　　ور نکال از عاقلاں دانش برید
کی عطا تو پتھروں کو عقل دی　　دی سزا تو عاقلوں سے عقل لی

عقل چوں باراں بامر آنجا بریخت　　عقل ازینسو خشم حق دید و گریخت
عقل مثل ابر جا برسی وہاں　　بھاگ اٹھی جب خشم حق دیکھا یہاں

ابر و خورشید و مہ و نجم بلند　　جملہ بر ترتیب آیند و روند
چاند سورج تارے سنگے ابر کے　　چلتے پھرتے ہیں سب اک ترتیب سے

---

[1] یعنی سبطیوں کو راستہ دیدیا اور قبطیوں پہ سخت بندش کردی +

[2] پسر آدم علیہ السّلام جس نے اپنے بھائی ہابیل کو مارا تھا +

ہر یکے ناید مگر در جائے خویش	کہ نہ پس ماند بہنگام و نہ پیش
اپنی اپنی جا پہ لوٹ آتے ہیں سب	آگے پیچھے اپنی منزل میں ہیں سب
چوں نکردی فہم ایں را ز انبیاؑ	دانش آوردند در سنگ و عصا
کیوں نہ سمجھا تو یہ رازِ انبیاؑ	عقل جب سنگ و عصا کو کی عطا
تا جمادات دگر را بے لباس	چوں عصا و سنگ داری از قیاس
تا کہ جو پتھر ہیں اُن کو بے لباس	صورتِ سنگ و عصا کرے قیاس
طاعتِ سنگ و عصا ظاہر شود	وز جمادات دگر مخبر شود
جب ہو ظاہر طاعتِ سنگ و عصا	دوسروں کی ہے وہ مخبر برملا
کہ ز یزداں آگہیم و طائعیم	ما ہمہ بے اتفاقے ضائعیم
ہم[1] ہیں آگاہ و مطیعِ کبریا	اور ہیں بے اتفاقی سے فنا
ہمچو آبِ نیل دانی وقتِ غرق	کو میانِ ہر دو امت کرد فرق
مثلِ آبِ نیل جس نے وقتِ غرق	دو گروہوں میں کیا بے لاگ فرق
چوں زمیں کش دانش آمد وقتِ خسف	در حقِ قارون کہ کردش قہر خسف
جس طرح تھی یہ زمیں عقل آشنا	حقِ قاروں میں کہ جو مقہور تھا
چوں قمر کامر شنید و شکافت	پس دو نیمہ گشت بر چرخ و شتافت
حکم سن کر چاند جیسے شق ہوا	تھا وہ دو ٹکڑے فلک پہ برملا
چوں ستوں نالید از ہجرِ نبیؐ	باخبر گشتند از آں شیخ و صبی
جیسے تھم رویا نبیؐ کے ہجر سے	باخبر تھے جس سے سب چھوٹے بڑے
چوں درخت و سنگ کاندر ہر مقام	مصطفیٰؐ را کرد ظاہر والسلام
جس طرح پیڑ اور پتھر کا کلام	مصطفیٰؐ کو صاف کرتے تھے سلام

---

[1] یعنی وہ سنگ و عصا کہتے ہیں کہ ہم خدا کے مطیع ہیں اگر اُس سے اتفاق نہ رکھیں تو ضائع اور بیکار ہو جائیں +

سُنّی اور فلسفی کی بحث

دی یکے میگفت عالم حادث است
فانیست ایں چرخ و حقش وارث است
ایک کہتا تھا کہ حادث ہے جہاں
حق ہے وارث اور فانی آسمان

فلسفیے گفت چوں دانی حدوث
حادثی ابر چہ داند غیوث
فلسفی بولا نہیں تو باخبر
ابر حادث ہو تو مینہ کو کیا خبر

ذرّۂ خود نیستی از انقلاب
تو چہ میدانی حدوث آفتاب
انقلابوں کا تو ذرہ بھی نہیں
کیا حدوث مہر جانے بالیقیں

کرمکے کاندر حدث باشد دفیں
کے بداند آخر و بدو زمیں!
ہو جو اک کیڑا نجاست میں دبا
وہ زمیں کے حال سے واقف ہو کیا

ایں بتقلید از پدر بشنیدۂ
از حماقت اندر آں پیچیدۂ
تونے تقلیداً پدر سے جو سنا
ابلہی سے اُس میں پیچیدہ ہوا

چیست برہان بر حدوث ایں بگو
ورنہ خامش کن فزوں گوئی مجو
دے جو حادث ہونے کی ہو کچھ دلیل
ورنہ پھر خاموش ہو بے قال و قیل

گفت دیدم اندریں بحر عمیق
بحث میکردند روزے دو فریق
بولا وہ اس مسئلے میں اے اخی
ایک دن دو دوستوں میں بحث تھی

در جدال و در شکال و در شکوہ
گشتہ ہنگامہ براں دو کس گروہ
تھا جو اُس جھگڑے کا مشکل فیصلا
ایک مجمع سا اکٹھا ہو گیا

سوئے آں ہنگامہ گشتم من رواں
تا بیابم اطّلاع از حال شاں
میں بھی اُس ہنگامے کی جانب گیا
تا کہ دیکھوں فیصلہ ہوتا ہے کیا

من یکے از جمع ہنگامہ شدم
اطلاع از حال ایشاں بستدم
میں بھی اک منجملۂ ہنگامہ تھا
لے رہا تھا درک اُن کے حال کا

آں یکے میگفت گردوں فانی ست   بے گمانے ایں بنا را بانی ست
ایک بولا۔ چرخ فانی ہے ضرور   بے گماں ایک اس کا بانی ہے ضرور

واں دگر گفت او قدیم و بیکی ست   نیستش بانی و یا بانی وی ست
ایک کہتا تھا کہ دنیا ہے قدیم   کب ہے بانی اس کا وہ خود ہے مقیم

گفت منکر گشتہ خلاق را   روز و شب آرندہ و رزاق را
بولا تو منکر ہے کیوں خلاق کا   رب روز و شب کا اور رزاق کا

گفت بے برہاں نخواہم من شنید   آنچہ گوئی آں بتقلیدے گوید
بولا میں سنتا نہیں کچھ بے دلیل   صرف اک تقلید پر ہے قال و قیل

ہیں بیاور حجت و برہاں کہ من   نشنوم بے حجت ایں را در زمن
ہو دلیل اس کی اگر کوئی تو لا   بے دلیل ایسا نہیں میں مانتا

گفت حجت در درون جانم ست   در درون جاں نہاں برہانم ست
بولا میرے دل میں ہے اس کی دلیل   روح میں پنہاں ہے برہانِ جلیل

تو نمی بینی ہلال از ضعف چشم!   من ہمی بینم مکن بر من تو خشم
ضعف سے گر تو نہ دیکھے چاند کو   اور میں دیکھوں خفا مجھ پہ نہ ہو

گفتگو بسیار گشت و خلق گیج   در سر و پایانِ ایں چرخ بسیج
بڑھ گئی بات اور تھیں سب الجھنیں   ابتدا و انتہائے چرخ میں

گفت یارا در درونم حجتے ست   بر حدوث آسمانم آیتے ست
بولا وہ حجت جو دل میں ہے نہاں   جس سے ظاہر ہے حدوثِ آسماں

من یقیں دانم نشانش آں بود   مر یقیں داں را کہ در آتش رود
میں تو جانوں یوں پتہ اس کا ملے   ہو یقیں جس کو وہ آتش[1] میں گھسے

---

[1] یعنی جس کو اپنے قول کا یقین ہو۔ وہ آگ میں گھس جائے اگر سچا ہے تو آگ نہ جلائیگی۔ اور جھوٹا ہے تو جل جائیگا۔ مثل مشہور ہے کہ سانچ کو آنچ نہیں ◆

ور زباں می نماید آں حجت بداں
ہمچو حال و سیر عشق عاشقاں
گر نہیں سکتا میں وہ حجت بیاں
ہے وہ سیر عشق کی صورت نہاں

نیست پیدا بہر گفت و گوئے من
جز کہ زردی و نزاری روئے من
راز میری گفتگو کا کیا ملے
زردی رخ اور لقا بہت دیکھئے

اشکِ خوں بر رُخ روانہ میرود
حجت حسن و جمالش می شود
خون کے آنسو رواں رخسار پہ
حسن جاناں کی ہیں حجت سربسر

گفت من اینہا ندانم حجتے
کہ بود در پیش عامہ آیتے
فلسفی بولا کہ ہے حجت وہی
ہاں ہیں سب لوگ جس کو واقعی

گر بیاری من کنم آنرا قبول
ورنہ کوتہ کن سخن با عرض و طول
ایسی حجت لائیں کرلونگا قبول
ورنہ پھر کیوں بات کو دیتے ہو طول

گفت چوں قلبے و نقدے دم زنند
کہ تو قلبی من نکویم وارہند
بولا جب کھوٹے کھرے ہوں جنگجو
اور کہیں باہم کھرا میں - کھوٹا تو

ہست آتش امتحانِ آخریں
کاندر آتش در فتند آں دو قریں
آگ ان کا امتحان ہے آخری
آگ میں وہ دونوں جائیں واقعی

عام و خاص از حالشاں عالم شوند
از گمان و شک سوئے ایقاں روند
واقف انکے حال سے ہوں خاص و عام
ہوں یقیں ان کے گمان و شک تمام

سُنّی اور فلسفی کا آگ میں گھسنا

آب و آتش آمد ایجاں امتحاں
نقد و قلبے را کہ آں باشد نہاں
آب و آتش میں بہانے امتحاں
ہو کھرے اور کھوٹے کو جو ہے نہاں

تا من و تو ہر دو در آتش رویم
حجت باقی حیراناں شویم
آگ میں میں اور تو دونوں چلیں
حجت باقی زمانے میں رہیں

یا من و تو ہر دو در بحر اوفتیم	چوں دو دعوی من و تو کوفتیم
یا کہ ہم دونوں گریں دریا میں چل	ہیں اگر دعوے ہمارے یہ اٹل
ہمچناں کردند و در آتش شدند	ہر دو خود را بر تف آتش زدند
الغرض وہ آگ میں دونوں گئے	آگ کے شعلوں میں جا کر گر پڑے
فلسفی را سوخت خاکستر شد او	متقی را ساخت تازہ تر شد او
فلسفی تو جل کے خاکستر ہوا	متقی محفوظ و تازہ تر رہا
آں خدا گوئندہ مرد مدعی	رست و سوزیدا اندر آتش آں دعی
ماننے والا خدا کا مدعی	بچ گیا اور جل گیا آخر شقی
از مؤذن بشنو ایں اعلام را	کوری افزون روان خام را
سن لے مؤذن کے ذرا اعلان کو	دے خدا کوری بدوں کی جان کو
کو نسوزید است ایں نام از اجل	کش مسمی صدر بودہ است و اجل
نام یہ سوز اجل سے کب جلا	نام والا بھی بزرگ ایسا ہی تھا
صد ہزاراں قسم بیاں اندر قراں	بر در دیدہ بہ دلہائے منکراں
لاکھوں ہی شہر میں ہوئیں قرآن پہ	اُس کے قائل ہو گئے منکر مگر
صد ہزاراں سوح شد ولعادہ	در دو او سر بسر افتادہ
لاکھوں ہی روحیں ہوئیں اُس پہ فدا	اُس کے آگے سر ہر اک کا جھک گیا
صد ہزاراں خلق اندر بادیہ	سر چہ گو دے بے عصا و راویہ
ویسے ہی مکہ پہ تھا جھگڑا پڑا	سب مٹے پیاسے بغیر آشنا
چوں گرو بستند غالب شد صواب	در دوام معجزات و در جواب
شرط جب باندھی ہوا غالب صواب	معجزوں سے مل گیا اس کا جواب

---

[١] یہاں سے اقوال مولانا علیہ الرحمۃ کے ہیں ؎

[٢] یہ شعر میرے نسخۂ مثنوی میں نہیں اور نہ اسکا ترجمہ ٹھیک ہے۔ ناجی

فہم کردم کانکہ دم زد از سبق !
در حدوث چرخ پیروز است حق
بس میں اب سمجھا یقیں جس نے کیا
اس حدوث چرخ کا حق پہ رہا

حجت منکر ہمارہ زرد رو
یک نشاں بر صدق ایں انکار کو
حجتِ منکر پشیماں ہو گئی
صدقِ منکر کی گواہی کب ملی

یک منارہ در ثنائے منکراں
کو دریں عالم کہ تا باشد عیاں
اک منارہ منکروں کی یادگار
ہو کہیں دنیا میں تو کر آشکار

سکۂ شاہاں ہمی گردد دگر
سکۂ احمدؐ ببیں تا مستقر
سکۂ شاہی بدلتا ہی رہے
سکۂ احمدؐ ہے باقی دیکھ لے

منبرے کو کہ در آنجا مخبرے
یاد آرد روزگار منکرے
ہے کوئی منبر کہ جس پہ بیٹھ کے
یاد منکر کی کوئی تازہ کرے

روئے دینار و درم از نام شاں
تا قیامت میدہد ز حق نشاں
نام دینار و درم پہ جاوداں
دیتا ہے اُن کی صداقت کا نشاں

بر رخ نقرہ و یا روئے زرے
وا نما بر سکہ نام منکرے
سیم و زر کے سکوں پہ اے خستہ کام
تو دکھا دے ایک ہی منکر کا نام

خود بگیر ایں معجزہ چوں آفتاب
صد زبان و نام او ام الکتاب
معجزہ ہے خود مثالِ آفتاب
اک یہی قرآں جو ہے اُم الکتاب

زہرہ نے کس را کہ یک حرفے ازاں
یا بدزدد یا فزاید در بیاں
کس کی یہ طاقت ہے جو اک حرف بھی
دے بڑھا یا دے گھٹا دے مدعی

یار غالب شو کہ تا غالب شوی
یار مغلوباں مشو ہاں اے غوی
یارِ غالب بن کہ تو غالب رہے
یارِ مغلوباں نہ بن بھٹکے ہوئے!

حجت منکر ہمیں آمد کہ من
غیر ایں ظاہر نمی بینم وطن
حجتِ منکر یہ ہے۔ میں بے سخن
صرف ظاہر کو سمجھتا ہوں وطن

ہیچ نندیشد کہ ہر جا ظاہریست
آں ز حکمتہائے پنہاں مخبریست

یہ نہ جانے کہ ظاہر ہے جہاں
حکمتِ پنہاں کا دیتا ہے نشاں

فائدہ ہر ظاہرے خود باطنست
ہمچو نفع اندر دوا ہا کامنست

ہے ہر اک ظاہر کا باطن فائدہ
جس طرح صحت ہے پنہاں در دوا

ایں تفاوت حق نہاد اندر نہاں
تا بداند اہل عرفاں در جہاں

یہ تفاوت اس لئے حق نے رکھا
اہل عرفاں اس کو تا سمجھیں ذرا

عمر کرگس صد ہزار و پانصد ست
عمر کبوتر را چہ باشد زاں بدست

عمر گدھ کی ایک لاکھ آدھا ہزار
اس کو کیا سمجھے کبوتر نابکار

می بمیرد از کبوتر صد ہزار
مرگ کرگس را نہ بیند آشکار

گو مریں لاکھوں کبوتر اے نگار
موت کرگس کی نہ دیکھیں آشکار

جملہ پندارند کرگس باقی است
نی غلط کردند یک کس باقیست

ہے مسلم سب پہ کرگس کی بقا
یہ غلط ہے بلکہ باقی ہے خدا

چونکہ ظاہر بیں شدند از جہد خویش
می نہ بینند از عمی نہ پس و پیش

ہیں یہ ظاہر بیں خود اپنی سعی سے
آگے پیچھے بس نہیں کچھ دیکھتے

می نماند در جہاں یک تارِ مو
کل شیٔ ہالک الا وجہہٗ

ہے یہاں اک بال کو بھی کب بقا
سب ہیں فانی ذاتِ باری کے سوا

وماخلقنا السمٰوات والارض کی تفسیر

ہر چہ پیدا کرد بہر معنے ست
باطنش بنگر برایں ظاہر بایست

جو کیا پیدا ہے باطن کے لئے
دیکھ باطن اور ظاہر چھوڑ دے

ف آسمان سے مراد جسم ہے یعنی ایک لحظہ [illegible] قولہ تعالیٰ عز وجل وما خلقنا السمٰوت والارض وما بینہما الا بالحق ہم نے زمین آسمان کو اور اسکو جو کچھ ان دونوں میں ہے پیدا نہیں کیا مگر ساتھ حق کے۔ یعنی نہیں اس غرض کیلئے پیدا نہیں کیا جو تمہاری نظر میں ہے۔ بلکہ اس معنی و حکمت کے لئے جسے تم نہیں دیکھتے ۔

ہیچ نقاشے نگارد زیں نقش	بے امید نفع بہر عین نقش
نقش بے امید کب کھینچے کوئی	نقش سے مقصود کب ہے نقش ہی
بلکہ بہر میہماناں و کہاں	کہ بفرجہ وا رہند از اندہاں
بلکہ مہمانوں عزیزوں کے لئے	تا کہ وہ خوش ہوں چھٹیں اندوہ سے
شادیِ بچگان و یادِ دوستاں	دوستانِ رفتہ را از نقش آں
بچے خوش ہوں دوستوں کی یاد آئے	نقش یاد اُن مرنے والوں کی دلائے
ہیچ کوزہ گر کند کاسہ تمام	بہر عین کوزہ نے از بہر آب
کوزہ گر کوزہ بناتا ہے شتاب	صرف کوزہ جان کر ؛ نے بہر آب
ہیچ کاسہ گر کند کاسہ تمام	بہر عین کاسہ نے بہر طعام
کاسہ گر ڈھالیں پیالہ اے ہمام	بہر عین کاسہ ؛ نے بہر طعام
ہیچ خطاطے نویسد خط بفن	بہر عین خط نہ بہر خواندن
لکھنے والا کوئی بھی خط کو لکھے	بہر عین خط ؛ نہ پڑھنے کے لئے
نقش ظاہر بہر نقش غائب است	واں برائے غائبے دیگر ببست
نقش ظاہر نقش باطن کے لئے	اور ہیں باطن سے مقصد دوسرے
تا سوم چارم دہم بر می شمر	ایں فوائد را بمقدار نظر
تین چار اور دس یونہی اندازہ کر	ان فوائد کا ، بمقدار نظر
ہمچو بازیہائے شطرنج اے پسر	فائدہ ہر لعب در بازی نگر
جس طرح شطرنج بازی اے پسر	فائدہ جو کچھ ہے اس میں غور کر
ایں نہادہ بہر آں لعب نہاں	واں برائے آں وآں بہر فلاں
دو کھلاڑی چالیں چلتے ہیں نہاں	اپنے اپنے فائدے کو اے فلاں
ہمچنیں می بیں جہات اندر جہات[1]	در پئے ہم تا رسی در بُرد و مات
آگے پیچھے دیکھ اسی صورت جہات	تا کہ آخر پہنچے تو تا بُرد و مات

---

[1] طرفین

اوّل از بہرِ دوم باشد چناں
کہ شدن بر پایہائے نردباں
پہلی صورت دوسری کے واسطے
یوں ہے جیسے سیڑھیوں پہ تو چڑھے

آں دوم بہرِ سوم میداں دوام
تا رسی تو پایہ پایہ تا بہ بام
دوسری کے بعد پایہ تیسرا
پایہ پایہ چل کے تو کوٹھا آ گیا

شہوتِ خوردن ز بہرِ آں منی
آں منی از بہرِ نسل اے روشنی
کھانے کی خواہش تو ہے بہرِ منی
اور منی ہے بہرِ نسل اے روشنی

کُند بینش می نہ بیند غیر ایں
عقلِ او بے سیر چوں نبتِ زمیں
کُند ہیں پہنچا نہ تہ کو بات کی
عقل ہے بے سیر اس کی گھاس سی

نبت را چہ خواندہ چہ ناخواندہ
ہست پائے او بگِل درماندہ
گھاس کو کوئی بلائے یا نہیں
پا بگِل ہے اور عاجز بالیقیں

گر سرش جنبد بباد تیز رو
کہ بسر جنبانیش غرہ مشو
تیز جھونکوں سے جو اس کا سر ہلا
خود بلایا تھا یقیں اس پہ نہ لا

آں سرش گوید سمعنا اے صبا
پائے او گوید عصینا خلنا
سر تو کہتا ہے سنا ہم نے صبا
پاؤں کہتے ہیں کہ ہم نے کی خطا

چوں نداند سیر میراند چو عام
بر توکل مینہد چوں کور گام
سیر سے محروم جوں عام اے فتا
بے توکل میں مقلد کور کا

بر توکل تا چہ آید در نبرد
چوں توکل کردنِ اصحاب نرد
فائدہ ایسے توکل سے ہے کیا
یہ توکل تو ہے اہلِ نرد کا[1]

واں نظر ہائے کہ آں افسردہ نیست
جز روندہ جز درندہ پردہ نیست
وہ نگاہیں جو کہ افسردہ نہیں
پردہ در ہیں اور رواں ہیں بالیقیں

---

[1] یعنی پانسہ سیدھا پڑے یا الٹا ◆

آنچہ در دہ سال خواہد آمدن
ایں زماں بیند بچشم خویشتن
دس برس کے بعد جو پیش آئے گا
آج اُن کے سامنے ہے برملا

ہمچنیں ہر کس باندازہ نظر
غیب مستقبل بہ بیند خیر و شر
دیکھنے والے بہ اندازِ نظر
دیکھتے ہیں آنے والے خیر و شر

چونکہ سدّے پیش و سدّے پس نماند
شد گذارہ چشم و لوح غیب خواند
آگے پیچھے اُن کے دیواریں نہیں
غیب کی پڑھتے ہیں لوحیں بالیقین

چوں نظر پس کرد تا بدو وجود
آخر و آغازِ ہستی رُو نمود
جب گزشتہ پہ نظر کی اے فتا
آخر و آغازِ ہستی کھل گیا

بحث املاک و زمیں با کبریا
در خلیفہ کردنِ بابائے ما
جب فرشتوں نے خدا سے بحث کی
اور خلافت حضرتِ آدمؑ کو دی

چوں نظر در پیش افگند او بدید
آنچہ خواہد بود تا محشر پدید
سامنے ڈالی نظر تو کھل گیا
ہونے والا حشر تک جو کچھ بھی تھا

پس ز پس می بیند او تا اصل اصل
پیش می بیند عیاں[1] تا روزِ فصل
پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں اصل اصل
دیکھتے ہیں سامنے تا روزِ فصل[1]

ہر کسے زاندازۂ روشن دلی
غیب را بیند بقدر صیقلی
روشنیٔ دل کے اندازے سے سب
دیکھتے ہیں غیب کے حالات اب

ہر کہ صیقل بیش کرد او بیش دید
بیشتر آمد برو صورت پدید
جس نے صیقل کی سوا دیکھا سوا
کچھ زیادہ حال اُس پہ کھل گیا

گر تو گوئی کاں صفا فضلِ خداست
نیز ایں توفیق صیقل آں عطاست
گر کہے تو ہے صفا فضلِ خدا
وہ کرے توفیق صیقل بھی عطا

---

[1] روز قیامت ٭

قدرِ ہمت باشد آں جہد و دعا	لیس للانسان الا ما سعیٰ
ہے بقدرِ ہمت اب سعی و دعا	لیس للانسان الا ما سعیٰ[۱]
واہبِ ہمت خداوند ست و بس	ہمتِ شاہی ندارد ہیچ خس
دینے والا ہمتوں کا ہے خدا	ہمتِ شاہی مگر ہو خس کو کیا
نیست تخصیصِ خدا کس را بکار	مانعِ طوع مراد و اختیار
کار آمد کب ہے تخصیصِ خدا	آرزوؤں سے وہ کب مانع ہوا
لیک چوں رنجے دہد بدبخت را	او گریزاند بکفراں رخت را
ہاں مگر جب رنج دے بدبخت کو	جانبِ کفراں بس اُس کا قصد ہو
نیکبختے را چو حق رنجے دہد	رخت را نزدیکتر وا می نہد
اور نیکوں کو خدا جب رنج دے	اُس کا ساماں قرب میں اپنے رکھے
بددلاں از بیمِ جاں در کارزار	کردہ اسبابِ ہزیمت اختیار
خوفِ جاں سے بددلاں کارزار	بھاگنے کا کر رہے ہیں انتظار
پُردلاں در جنگ ہم از بیمِ جاں	حملہ کردہ سوئے صفِ دشمناں
ہے شجاعوں کو بھی خوفِ جاں مگر	ہیں صفوں پہ دشمنوں کی حملہ ور
رستماں را ترس و غم وا پیش برد	ہم ز ترس آں بددل اندر خویش مرد
رستموں کو خوف آگے لے گیا	اور بددل خوف ہی میں ہے فنا
چوں محک آمد بلا و بیمِ جاں	زاں پدید آمد شجاع از ہر جباں
جب کسوٹی ہے بلا اور خوفِ جاں	مرد اور نامرد اس سے ہیں عیاں
حاصل آں کز وسوسہ بگریخت	از قضا ہم در قضا باید گریخت
مرد وہ جو وسوسوں سے ہے رہا	ہو گئے راضی ہے طالب کا رِ قضا

[۱] یعنی "انسان کے لئے جو کچھ ہے۔ اس کی کوشش ہی سے ہے۔"

حق تعالیٰ کا حضرت موسیٰؑ کو وحی بھیجنا

گفت موسیٰؑ را بوحیِ دل خدا   کاے گزیدہ دوست میدارم ترا
وحی میں موسیٰؑ سے یوں حق نے کہا   دوست رکھتا ہوں تجھے اے باصفا
گفت چہ خصلت بود اے ذوالکرم   موجب آں تا من آں افزوں کنم
بولے موسیٰؑ وہ ہے خصلت مجھ میں کیا   جو ہے وجہ لطف۔ تُوں اُس کو بڑھا
گفت چوں طفلے بہ پیشِ والدہ   وقتِ قہرش دست ہم بروے زدہ
بولا جیسے بچہ ماں کے سامنے   وقت غصے کے بھی لپٹا ہی رہے
خود نداند کہ جز او دیّار ہست   ہم ازو مخمور ہم ازو ست مست
گھر میں وہ جانے کسے ماں کے سوا   مست اور مخمور اُس سے ہے سدا
مادرش گر سیلئے بروے زند   ہم بمادر آید و بروے تند
ماں اگر تھپڑ بھی اُس کو مار دے   پھر بھی اپنی ماں سے وہ لپٹا رہے
از کسے یاری نخواہد غیر او   اوست جملہ خیر او و شرِّ او
کب کسی سے لیتا ہے امداد وہ   والدہ سے جو ہے اس کی خیر و شرّ
خاطرِ تو ہم ز ما در خیر و شر   التفاتش نیست با جائے دگر
خیر و شر میں تیرے دل کو بھی یونہی   کس سے ہے میرے سوا وابستگی
غیر من پیشت چو سنگ است و کلوخ   گر صبی و گر جواں و گر شیوخ
ماسوا ہے تیرے آگے ہیچ ہاں   بچہ ہو بوڑھا ہو یا کوئی جواں
ہمچناں کہ ایاک نعبد در حنین   از بلا از غیر تو لا نستعین
نغمے میں ہے "ایاک نعبد"[1] پہ یقیں   اور بلا میں ورد تیرا "نستعین"

---

[1] یعنی تو غم میں بھی یہی کہتا ہے کہ اے خدا ہم تیری ہی پرستش کرتے ہیں، اور بلا میں بھی یہی کہتا ہے کہ ہم تیرے سوا کسی سے مدد نہیں مانگتے۔

ہست ایں ایاک نعبد حصر را
در لغت آں از پئے رفع ریا
حصر ہے "ایاک نعبد" میں فتا
ہے لغت میں از پئے رفع ریا

ہست ایاک نستعین ہم بہر حصر
حصر کردہ استعانت را و قصر
حصر ہی کو ہے ایاک نستعین
استعانت کو ہے گھیرا بالیقین

کہ عبادت مر ترا آریم و بس
طمع یاری ہم ز تو داریم و بس
بس عبادت تیری ہی کرتے ہیں ہم
ہیں مدد لیتے تجھی سے ذوالکرم

ایک بادشاہ کی مصاحب سے خفگی

پادشاہے بر ندیمے خشم کرد
خواست تا از وے بر آرد دود و گرد
اک مصاحب پر ہوا سلطان خفا
عزم پھر اس کی ہلاکت کا کیا

کرد شہ شمشیر بیروں از غلاف
تا زند بروے جزائے آں خلاف
کھینچ لی تلوار باہر میان سے
تا مخالف کو سزا اس کی ملے !

ہیچکس را زہرہ نے تا دم زند
یا شفیعے بر شفاعت بر تند
تاب بھی دم مارنے کی تھی کسے
یا کوئی اس کی شفاعت ہی کرے

جز عماد الملک نامی از خواص
در شفاعت مصطفےٰ وار از خلاص
جو عماد الملک خاص اک شخص تھا
مثل پیغمبر شفاعت گو تھا

بر جہید و زود در سجدہ فتاد
در زماں شہ تیغ را از کف نہاد
اٹھا اور فوراً ہی سجدے میں گرا
ہاتھ سے تلوار کو شہ نے رکھا

---

[1] اصطلاح اہل معانی و بیاں میں کسی چیز کو کسی چیز کے ساتھ مخصوص کرنے کو کہتے ہیں صفت کو موصوف کے ساتھ یا موصوف کو صفت کے ساتھ اور "ایاک نعبد و ایاک نستعین" میں چونکہ "ک" مفعول ہے۔ اس لئے فعل پر مقدم ہو کر قصر کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی ہماری عبادت تیرے ہی لئے مخصوص ہے اور ہماری مدد طلبی بھی تجھی سے مخصوص ہے

گفت اگر دیو است من بخشیدمش
ور بلیسی کرد من پوشیدمش
بولا، بخشا گو کہ وہ شیطان سہی
شیطنت اُس نے اگرچہ مجھ سے کی

چونکہ آمد پائے تو اندر میاں
راضیم گر کرد مجرم صد زیاں
جبکہ تیرا پاؤں آیا درمیاں
ہوں میں راضی گو کئے اُس نے زیاں

صد ہزاراں خشم را تانم شکست
کہ ترا آں فضل و آں مقدار ہست
لاکھ ہوں غصّے مرے تجھ پہ نثار
تجھ میں ہے وہ فضل۔ ایسا اقتدار

لابہات را ہیچ نتوانم شکست
زانکہ لابۂ تو یقیں لابۂ من ست
کیوں کروں میں رد سفارش کو تری
یہ سفارش ہے تری گویا مری

گر زمین و آسماں برہم زدے
زانتقامم ایں مرد بیروں نامدے
کرتا گر برہم زمین و آسماں
یہ نہ پاتا میرے غصّے سے اماں

ور شدے ذرّہ بذرّہ لابہ گر
او نبردے ایں زماں ز تیغ سر
کرتا منت ذرہ ذرہ بھی اگر
تیغ سے میری نہ بچتا اُس کا سر

بر تو می ننہیم منّت اے کریم
لیک شرح عزّت تست اے کریم
تجھ پہ کچھ احسان نہیں ہے اے کریم
ہے تری عزّت کی یہ شرح عظیم

ایں نکردی تو کہ من کردم یقیں
اے صفاتت در صفات ما دفیں
کیا کیا تو نے یہ خود میں نے کیا
ہر صفت تیری ہے میری برملا

تو دریں مستعملی نے عاملی
زانکہ محمول منی نے حاملی
اس میں مستعمل ہے تو عامل نہیں
ناز کا محمول ہے، حامل نہیں

ما رمیت اذ رمیت گشتۂ
خویشتن در موج چوں کف ہشتۂ
ما رمیت اذ رمیت تو بنا
موج کا گویا کہ تو کف ہو گیا

لا شدی پہلوئے الّا خانہ گیر
اے عجب کہ ہم اسیری ہم امیر
ہو گئے "لا" "الّا" میں ہے تو خانہ گر
خود امیر سلطنت ہے خود اسیر

آنچہ دادی تو ندادی شاہ داد   اوست بس اللہ اعلم بالرشاد
تو نے جو کچھ ہے، دیا شہ نے دیا   ہے وہی۔ آگے خدا ہے جانتا

معتوب کا غصے ہو کر سفارشی سے دوستی قطع کرنا

واں ندیم رستہ از خوفِ بلا !   زیں شفیع آورد گردید از ولا
جب ندیم اس خوف و غم سے چھٹ گیا   تھا سفارش کرنے والے سے خفا
دوستی ببرید زاں مخلص تمام   رو بحائط کرد تا نارد سلام
منقطع کی یار سے یاری تمام   منہ کو موڑا تا نہ وہ کر دے سلام
زاں شفیع خویشتن بیگانہ شد   زیں تعجب خلق را افسانہ شد
اُس سفارش گر سے بیگانہ ہوا   خلق میں یہ امر افسانہ ہوا
گر نہ مجنونست یاری چوں برید   از کسے کہ جان او را وا خرید
گر نہ تھا پاگل تو کیوں کی بد دلی   اُس سے جس نے جان اُس کی مول لی
کاں خریدش آمدم از گردن زدن   خاک نعل پائش بایستے شدن
قتل ہونے سے بچایا واقعی   خاک بنتا کاش اُس کے کفش کی
باز گونہ رفت و بیزاری گرفت   با چنیں دلدار کیں داری گرفت
پھر گیا۔ بیزار اُس سے ہو گیا   کینہ جو بیکار اُس سے ہو گیا
پس ملامت کرد او را ناصحے   کایں جفا چوں میکنی با مصلحے
پس ملامت اُس کو اک ناصح نے کی   ایسے مصلح سے نظر کیوں پھیر لی
جان تو بخرید آں دلدار خاص   آندم از گردن زدن کردت خلاص
جان خریدی تیری اس دلدار نے   قتل ہونے سے بچایا یار نے
گر جفا کردے نبایستے رمید   خاصہ نیکی کرد آں یارِ حمید
وہ جفا کرتا تو سہہ لیتا مگر   اب تو نیکی کی ہے اُس نے خاصکر

گفت بہرِ شاہ مبذول ست جاں　　او چرا آید شفیع اندر میاں
بولا میری جان ہے شہ پہ فدا　　وہ ہمارے درمیاں کیوں آپڑا

لی مع اللہ وقت بود آندم مرا　　لا یسع فیہ نبی مجتبےٰ [1]
یعنی شہ میں اُس دم خدا کے ساتھ تھا　　تھی نبی کو بھی نہ گنجائش کی جا

من نخواہم رحمتے جز زخمِ شاہ　　من نخواہم غیر آں شہ را پناہ
میں نہیں کچھ چاہتا جز زخمِ شاہ　　اور سوا اُس کے کسی کی کیوں پناہ

غیر شہ را بہر آں لا کردہ ام　　کہ بسوئے شہ تولا کردہ ام
غیر شہ سے اس لئے انکار ہے　　دوستی شہ کی مری غمخوار ہے

گر ببرد او بقہرِ خود سرم　　شاہ بخشد شصت جان دیگرم
قہر سے اپنے جو وہ سر کاٹ دے　　ساٹھ جانیں مجھ کو گویا اور دے

کارِ من سر بخشی و بیخویشی ست　　کارِ شاہنشاہِ ما سر بخشی ست
کام میرا ، سر نثاری ، بیخودی　　اور جاں بخشی ہے عادت شاہ کی

فخر آں سر کہ کفِ شاہش برد　　ننگ آں سر کہ بغیرے سر برد
فخر اُس سر پہ جسے شہ کاٹ لے　　ننگ ہے وہ سر جو غیروں میں جھکے

شب کہ شاہ از قہر در قیرش کشید　　ننگ دارد از ہزاراں روزِ عید
رات جس کو شاہ سے ظلمت ملی　　عید کے دن سے بھی ہے اُجلی ہوئی

خود طوافِ آنکہ او شہ بیں بود　　فوق قہر و لطف و کفر و دیں بود
بس طواف اُس کا کہ جو ہے شاہ بیں　　کفر سے اور دیں سے بالا ہے کہیں

---

[1] چنانچہ آنحضرت فرماتے ہیں کہ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ یعنی مجھ پہ قرب الٰہی میں ایک ایسا وقت آتا ہے۔ کہ نہ اُس میں کسی مقرب فرشتے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اور نہ کسی نبی مرسل کی ٭

زاں نیامد یک عبارت در جہاں
بس نہانست و نہانست و نہاں
ہے جہاں میں کب عبارت اس کا عیاں
وہ نہاں ہے وہ نہاں ہے وہ نہاں

زانکہ ایں اسماء و الفاظِ حمید
از گلابہ آدمی آمد پدید
ہیں یہ الفاظ اور اسماء جس قدر
آدمی کی آب و گل سے ہیں پیدا

عَلَّمَ الاسماء بُد آدم را امام
لیک نے اندر لباسِ عین و لام
عَلَّمَ الاسماء[1] تھا آدم کا امام
گو نہ تھا اُن پر لباسِ عین[2] و لام

چوں نہاد آں آب و گل بر سر کلاہ
گشت از اسمائے جانی روسیاہ
آب و گل نے جب رکھی سر پر کلاہ
ہو گیا اسمائے جاں سے روسیاہ

گر نقاب حرف و دم در خود کشید
تا شود بر آب و گل معنی پدید
گر نقاب حرف و دم میں تھی نہاں[3]
تا کہ آب و گل پہ معنی ہوں عیاں

گرچہ از خصم شہم کرد او خلاص
لیک ہم شہ شد مرا حقاً مناص
کر دیا گو رستگارِ[4] قہرِ شاہ
تھا مگر وہ شاہ بھی میری پناہ

گرچہ از یک وجہ منطق کاشفست
لیک از دہ وجہ پردہ و مکتنفست
اک سبب ظاہر ہے میرے نطق سے
دس سبب ہیں اور بھی لیکن چھپے

حضرت جبرئیلؑ و حضرت خلیلؑ کی گفتگو

من خلیلِ وقتم و او جبرئیل
من نخواہم در بلا او را دلیل
میں[5] خلیلِ وقت ہوں وہ شہ جبرئیل
رنج میں اس کو کروں میں کیوں دلیل

---

[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے وعلّم آدم الاسماء کلّھا اور اس نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیے ۔ [2] یعنی علم ۔ [3] یعنی جان نہاں تھی ۔

[4] رہا شدہ مجرم کر دیا ہے ۔

[5] یعنی سفارش کرنے والا ۔

اُو ادب ناموخت از جبریلؑ راد
کہ بپرسید از خلیلؑ حق مراد
وہ ادب سیکھا نہ کیوں جبریلؑ سے
یوں جو ابراہیمؑ سے تھے پوچھتے

کہ مرادت ہست تا یاری کنم
ورنہ بگریزم سبکباری کنم
کوئی حاجت ہو تو میں یاری کروں
ورنہ پھر جانے کا تم سے اذن لوں

گفت ابراہیمؑ نے رَو از میاں
واسطہ زحمت بود بعد العیاں
بولے حضرتؑ کیوں پڑو تم درمیاں
واسطہ تکلیف ہے بعدِ عیاں

بہر اہلِ دنیاست مرسل[2] رابطہ
مومناں را زانکہ ہست[1] و واسطہ
ہر نبیؑ ہے اس جہاں میں رابطہ
ہے ہر اک مومن کا اُس بے واسطہ

ہر دلے را سامع بدے وحیٔ نہاں
حرف و صوتے کے بُدے اندر میاں
سنتا ہر اک دل اگر وحیٔ نہاں
کیوں صدا اور لفظ ہوتے درمیاں

گرچہ او محوِ حقست و بے سرست
لیک کارِ من ازاں نازکتر است
گرچہ محوِ حق ہے وہ بھی لاکلام
اُس سے نازک تر ہے لیکن میرا کام

کردۂ او کردۂ شاہست لیک
پیشِ چشمم بدنمایندہ ست نیک
فعل اس کا فعل ہے سلطان کا
ہے مری نظروں میں لیکن ناروا

آنچہ عینِ لطف باشد بر عوام
قہر شد بر نازنینانِ کرام
عام لوگوں کو جو ہے لطف اے اخی
نازنینوں پر وہی ہے قہر بھی

کاین بلا و رنج می باید کشید
عامہ را تا فرق را تانند دید
جب اٹھائیں وہ بھی یہ رنج و بلا
فرق جو معلوم انہیں اس بات کا

اینحروفِ واسطہ اے یارِ غار
پیشِ واصل خار باشد خار خار
یہ حروفِ واسطہ اے یارِ غار
جیسے واصل سامنے اُس کے ہیں خار

---

[1] قولِ مشہور ہے کہ "لاواسطہ بعد العیان"۔

[2] یعنی سفارشی ۔

پس بلا و رنج بایست و وقوف	تا رہد آں روح صافی از حروف
ہو جدا سرگشتہ رنج و بلا	تا ہو روح پاک لفظوں سے رہا
لیک بعضے زیں بلا کدر شدند	باز بعضے صافی و برتر شدند
بعض کدر ان بلاؤں سے ہوئے	اور بعضے برتر و بہتر ہوئے
ہمچو آب نیل آمد ایں بلا	سعد را آبست و خوں اشقیا[1]
مثل آب نیل کے ہے یہ بلا	نیک کو آب اور خون اشقیا[1]
ہر کہ پایاں بیں تر او مسعودتر	جد تر او کارد کہ افزون برد بر
تھا جو آخر بیں وہی مسعود تھا	جو سوا بوئے گا کاٹیگا سوا
زانکہ داند کایں جہاں کاشتن است	ہست بہر محشر و بر داشتن
جانتا ہے اس جہاں کو کاشت کا	حشر کے دن کچھ اُٹھے گا فائدہ
ہیچ عقدے بہر عین خود نبود	بلکہ از بہر مقام ربح و سود
کب گرہ بے فائدہ کوئی لگے	بلکہ سود اور فائدہ کے واسطے
ہیچ نبود منکرے گر بنگری	منکریش بہر عین منکری
اور منکر کا کوئی انکار بھی	منکری محض کب ہے منکری
بل برائے قہر خصم اندر حسد	یا فزونی جستن و اظہار خود
ہاں حسد سے قہر دشمن کے لئے	یا نمود ظاہری کے واسطے
واں فزونی ہم پئے طمعے دگر	بیمعانی چاشنی ندہد صور
ہے نمودوں میں بھی لالچ دوسرا	یعنی بے باطن ہے ظاہر بے مزا
زاں ہمی پرسی چرا ایں میکنی	کہ صور زیت[2] است و معنی روشنی
پوچھتا ہے وجہ تو ہر کام کی	صورتیں روغن[2] ہیں - معنی روشنی

---

[1] شقی کی جمع - بُرے ✦

[2] یعنی روغن زیتون ✦

ورنہ ایں گفتن چرا از بہر چیست
چونکہ صورت بہر عین صورت نیست
فائدہ ہے پوچھنے میں کیا مجھے
جب ہے ظاہر صرف ظاہر کے لئے

ایں چرا گفتن سوال از فائدہ است
جز برائے ایں چرا گفتن بد است
پوچھنے سے ہے یہی اک فائدہ
ورنہ پھر بیکار ہوتا پوچھنا

از چہ رو فائدہ جوئی اے امیں
چونکہ باشد فائدہ ایں خود ہمیں
اور اس سے کون سا ہے فائدہ
گر وہ خود ہو فائدہ پھر پوچھ کیا

پس نقوش آسمان و اہل زمیں
نیست حکمت کو بود بہر ہمیں
پس ہے ہر نقش زمین و آسماں
نقش ہی کے واسطے کب ہے عیاں

گر حکیمے نیست ایں ترتیب چیست
ور حکیمے ہست چوں فعلش تہی ست
گر نہیں حکمت تو پھر ترتیب کیا
ہے جو حکمت فعل خالی کب رہا

کس نسازد نقش گرمابہ خضاب
جز پئے قصد صوابے نا صواب
کون ہو حمام میں آراستہ
عزم اگر اس کا نہ ہو اچھا برا

ہر چہ بینی در جہاں از آیتے
ہست بہر معنئے و حکمتے
اس جہاں میں جو نشاں ہے دیکھتا
ہے وہ معنی اور حکمت کے لئے

حضرت موسیٰ اور اللہ تعالیٰ میں سوال و جواب

گفت موسیٰ اے خداوند حساب
نقش کردی باز چوں کردی خراب
بولے موسیٰ اے خداوند حساب
نقش کر کے کیوں کیا اس کو خراب

نر و مادہ نقش کردی جاں فزا
وانگہے ویراں کنی آں را چرا
مرد و عورت کو بنایا خوشنما!
پھر انہیں برباد تو نے کیوں کیا

---

[1] یعنی صورت بنا کر ۔

گفت حق دانم کہ ایں پرسش ترا
نیست از انکار و غفلت وز ہوا
حق نے فرمایا کہ یہ پرسش تیری
حرص سے اور کاہلی سے ہے نہیں

ورنہ تادیب عتابت کردمے
بہر ایں پرسش ترا آزردمے
ورنہ تجھ پر ہوتا تادیبا عذاب
پہنچتا اس پرسش سے تجھ کو اضطراب

لیک میخواہی کہ در افعال ما
باز جوئی حکمت و ستر قضا
تو ہمارے فعل میں ہے چاہتا
درک اگرچہ حکمت و اسرار کا

تا ازاں واقف کنی ہر عام را
پختہ گردانی بدیں ہر خام را
تاکہ اس سے لوگوں کو واقف کرے
پختگی ہر خام کو اس سے ملے

قاصدا سائل شدی در کاشفی
بر عوام ارچہ کہ تو زاں واقفی
تو نے قصداً یہ سوال اب ہے کیا
تاکہ سب جانیں جو تو ہے جانتا

زانکہ نیم علم آمد ایں سوال
ہر برونے را نباشد ایں مجال
نصف آگاہی ہے خود تیرا سوال
ہر کس و ناکس کی کب ہے یہ مجال

ہم سوال از علم خیزد ہم جواب
ہمچنانکہ خار و گل از خاک و آب
علم ہی سے ہیں سوالات اور جواب
خار و گل کو جیسے لازم خاک و آب

ہم ضلال از علم خیزد ہم ہدیٰ[1]
ہمچنانکہ تلخ و شیریں از ندا
علم ہی سے گمراہی ہے اور ہدیٰ
تلخ و شیریں کی مظہر ہے ندا

ز آشنائی خیزد ایں بغض و ولا[2]
وز غذائے خوش بود سقم و شفا
دوستی سے بغض پیدا اور ولا
ہے غذا وجہ مرض اور وجہ شفا

مستفید اعجمی شد آں کلیم
تا عجمیاں را کند زاں سر علیم
نافہم کو بن گئے نادان کلیم
تاکہ ہوں نادان واقف اسکے مغز کا

---

[1] ہدایت ۔
[2] محبت ۔

ما ہم از وے ابلہی سازیم خویش	تا نخش آریم چوں بیگانہ خویش
ہم بھی ناداں بن کے کام اپنا کریں	ہیں جواب اُس سے جو بیگانہ بنیں
خرفروشاں[1] خصیم ہمدیگر شدند	تا کلید قفل آں در آمدند
خرفروش سب آپس میں دشمن ہو گئے	آخر اُس دروازے کی کنجی بنے
پس بفرمودش خدا اے ذولباب	چوں بپرسیدی بیا بشنو جواب
پس ہوا ارشادِ حق اے خوش خطاب	تو نے پوچھا ہے تو اب سُن لے جواب
موسیا تخمے بکار اندر زمیں	تا تو خود ہم وادہی انصاف ایں
بیج کچھ موسیٰ زمیں میں ڈال دے	تا کہ خود انصاف تو اس کا کرے
چونکہ موسیٰ کشت شد کشتش تمام	خوشہ ہایش یافت خوبی و نظام
بیج جب موسیٰ نے بوئے خوب اُگے	خوشے اُن کے اک نظامِ خاص سے
داس بگرفت و مر آنہا را برید	پس ندا از غیب در گوشش رسید
لیکے ہنسیہ اُن کو کاٹا شوق سے	غیب سے پس آئی یہ آواز اُسے
کہ چرا کشتی کنی و پروری	چوں کمالے یافت آں را میبری
بو یا کیوں کھیتی کو اور پالا اُسے	جب مکمل ہو گئی کاٹا اُسے
گفت یارب زاں کنم ویراں و پست	کہ درینجا دانہ ہست و کاہ ہست
بولے یارب اس لئے کاٹا اسے	تھی یہاں گھاس اور کچھ دانے بھی تھے
دانہ لائق نیست در انبارِ کاہ	کاہ در انبارِ گندم ہم تباہ
دانہ کب ہے لائق انبارِ کاہ	گھاس بھی گیہوں میں مل کر ہو تباہ
نیست حکمت ایں دو را آمیختن	فرق واجب میکند در بیختن
دونوں کی آمیزشیں اچھی نہیں	ہے الگ کرنا ہی ان کا بہتریں

---

[1] گدھے (نفس) کو بیچنے والے۔ فلسفی اور گمراہ لوگ۔

گفت ایں دانش ز کہ آموختی   نور ایں شمع از کجا افروختی
پوچھا حق نے کس سے یہ حکمت لا   نور سے کس کے یہ روشن شمع کی

گفت تمییزم تو دادی اے خدا   گفت پس تمییز چوں نبود مرا
بولے دی تمییز تو نے اے خدا   بولا، پھر مجھ میں نہیں تمییز کیا

در خلائق روحہائے پاک ہست   روحہائے تیرہ و گلناک ہست
اس جہاں میں ہیں بہت ارواح پاک   ہیں بہت تاریک آلودہ بخاک

ایں صدفہا نیست در یک مرتبہ   در یکے دُر است و در دیگر شبہ
سیپیاں رتبے میں کب یکساں رہیں   ایک میں ہے پت موتی ایک میں

واجب است اظہار ایں نیک و تباہ   ہمچنانکہ اظہار گندمہا ز کاہ
فرق واجب نیک و بد کا تھا کیے   جس طرح گیہوں نکالیں گھاس سے

بہر اظہار است ایں خلق جہاں   تا نماند گنج حکمتہا نہاں
ہے یہ اظہار یہ خلق جہاں   گنج حکمت تا نہ رہ جائے نہاں

کنت کنزاً گفت مخفیاً شنو   جوہر خود گم مکن اظہار شو
کنت کنزاً مخفیاً سن اے نگار   اپنا جوہر گم نہ کر ہو آشکار

روح حیوانی چھپا اور روح وحی روغن ہے

جوہر صدقت خفی شد در دروغ   ہمچو طعم روغن اندر طعم دوغ
صدق تیرے جھوٹ میں ہے تہ   چھاچھ میں جس طرح روغن ہو چھپا

آں دروغت ایں تن فانی بود   راستت آں جان ربانی بود
جھوٹ ہے اس تن فانی کو جان   صدق جان روح ربانی کو جان

سالہا ایں دوغ تن پیدا و فاش   روغن جاں اندرو فانی و لاش
تن سے چھاچھ حق کی ہے عیاں   روغن جاں اس میں لاشے اور نہاں

تا فرستد حق رسولے بندۂ　　دوغ را در خمرہ جنبانندۂ
تا نبیؐ نازل کرے کوئی خدا　　اپنے ہاتھوں سے بلوئے وہ مٹھا

تا بجنباند بہنجار و بفن　　تا بدانم من کہ پنہاں بود من
جنبشیں اس طرح دے وہ بر ملا　　تا میں سمجھوں اس میں شے کیا تھا چھپا

یا کلام بندۂ کاں جزو اوست　　در رود در گوش آنکہ وحی جوست
یا کلام اُس کا۔ جو ہے جزو نبیؐ　　جائے اُن کانوں میں جو ہیں وحی جو

اذن مومن وحی ما را واعی است　　آنچناں گوشے قرین داعی است
گوش مومن وحی کا ہے یاد دار　　جس طرح سے ہے کان پیغمبرؐ کا یار

آنچنانکہ گوش طفل از گفت مام　　پر شود ناطق شود او در کلام
کان میں بچے کے جوں ماں کی صلا　　جاتی ہے اور اُس سے ہے وہ بولتا

ور نباشد طفل را گوش رشد　　گفت مادر نشنود گنگے شود
کان بچے کے اگر شنوا نہ ہوں　　پھر سُنے وہ گفتگو مادر کی کیوں

دائماً ہر کر اصلی گنگ بود　　ناطق آنکس شد کہ از مادر شنود
ہے جو جنم کا بہرا۔ گونگا دیکھ لے　　بولے وہ جو ماں کی باتوں کو سُنے

دانکہ گوش کر و گنگ از آفتیست　　ز آنکہ در گوشش رسیدہ علتیست
ہاں جو گونگا بہرا ہو امراض سے　　کان جس کے سقم سے بہرے ہوئے

او نپذیرائے دم تعلیم نیست　　لاجرم مر نطق را تسلیم نیست
ہو سکے وہ لائق تعلیم کیا　　نطق کو پھر کر سکے تسلیم کیا

آنکہ بے تعلیم بُد ناطق خداست　　کہ صفاتش ز علتہا جداست
جو ہے بے تعلیم ناطق ہے خدا　　علتوں سے ہیں صفات اس کی جدا

---

[1] یعنی وہ سُن سکتا ہے مگر بعد شفا ۔

یا چو آدم کردہ تعلیمش خدا
بے حجاب مادر و دایہ و ددا

یا جو تھی آدم کو تعلیم خدا!
دایہ اور ماں کا نہ تھا پردہ پڑا

یا مسیحا کہ بتعلیم ودود
در ولادت ناطق آمد در وجود

یا مسیحا حق کی جو تعلیم سے
باتیں پیدا ہوتے ہی کرنے لگے

از برائے دفع تہمت در ولاد
کہ نزادست از زنا و از فساد

تہمت تولید کو زائل کیا
میں زنا سے تو نہیں پیدا ہوا

جنبشے بایست اندر اجتہاد
تا کہ دوغ آں روغن از دل بزاد

اس طرح اس کو ہلانا چاہیے
چھاچھ تا کر دینا مکھن چھوڑ دے

روغن اندر دوغ باشد چوں عدم
دوغ در ہستی بر آوردہ علم

چھاچھ میں مکھن ہے یوں جیسے عدم
چھاچھ نے ہستی میں رکھا ہے قدم

آنکہ ہستت مینماید ہست پوست
وانکہ فانی مینماید اصل اوست

پوست ہے جو ہست آتا ہے نظر
اصل وہ ہے جو عدم ہے اے پسر

دوغ روغن ناگرفتست و کہن
تا ندادی یزدنی بنہ خو جنبش مکن

گو نہ مکھن چھاچھ سے تو لے سکے
گو کہن ہو اُس کو یونہی چھوڑ دے

ہیں بگردانش بدانش دست دست
تا نماید آنچہ پنہاں کردہ است

رفتہ رفتہ عقلمندی سے ہلا
تا کہ ظاہر ہو جو اُس میں ہے چھپا

آنکہ ایں فانی دلیل باقی است
لابہ مستاں دلیل ساقی است

چونکہ یہ فانی ہے باقی کی دلیل
عجز مستوں کا ہے ساقی کی دلیل

روغن اندر دوغ پنہاں می شود
ہر چہ پیدا سازی تو آں آں می شود

چھاچھ میں از بسکہ مکھن ہے چھپا
جو کرے گا تو وہی ہو جائے گا

اسی مطلب کی دوسری مثال

ہست بازیہائے آں شیرِ علم
مخبرے از بادہائے مکتتم
جنبشیں شیرِ علم کی اے پسر
دیتی ہیں مخفی ہواؤں کی خبر

گر نبودے جنبشِ آں بادہا
شیرِ مردہ کے بجستے در ہوا
گر نہ دیتی جنبشیں اس کو ہوا
شیر مردہ کیوں اچھلتا کودتا

زاں شناسی باد را گر آں صباست
یا دبورست ایں بیانِ آں خطاست
اس سے جانے تو یہ ہے بادِ صبا
اور وہ تو ہے بیان اس کا خطا

ایں بدن مانندِ آں شیرِ علم
فکر میجنباند اورا دمبدم
یہ بدن ہے صورتِ شیرِ علم[1]
فکر سے جنبش ہے اس کو دمبدم

بادکاں از مشرق آید آں صباست
وانکہ از مغرب دبور باوباست
جو ہو مشرق سے آئے ہے صبا
جو چلے مغرب سے تو ہے برملا

مشرقِ ایں بادِ فکرت دیگرست
مغربِ ایں بادِ فکرت زاں سرست
دوسرا مشرق ہے بادِ فکر کا
اس کا مغرب بھی ہے بیشک دوسرا

مہ جماد است و بود شرقش جماد
جانِ جانِ جاں بود شرقش فؤاد
چاند کا مشرق جمادِ آسمان
دل ہے مشرق جاں کا جو ہے جانِ جاں

شرقِ خورشیدے کہ شد باطن فروز
قشر و عکسِ آں بود خورشید روز
پھر وہ سورج جو ہے باطن کی ضیا
عکس اس کا ہے یہ سورج روز کا

زانکہ چوں مردہ بود تن بے لہب
پیشِ او نے روز بنماید نہ شب
بے ضیا تن مردہ ہوتا ہے پسر
رات دن کب اس کو آتے ہیں نظر

---

[1] وہ شیر جو علم کے پھریرے پر بنا ہوتا ہے۔

ورنہ باشد آں چو ایں باشد تمام	بے شب و بے روز دارد انتظام
وہ[1] نہ ہو اور یہ[2] اگر باقی رہے	نظم ہو عالم کا بے دن رات کے
ہمچنانکہ چشم می بیند بخواب	بے مہ و خورشید ماہ و آفتاب
خواب میں جوں آنکھ دیکھے مہر و ماہ	بے مہ و خورشید کے بے اشتباہ
نوم ما چوں شد اخ الموت اے فلاں	زیں برادر آں برادر را بداں
موت کا بھائی ہے خواب اے فلاں	جان اس بھائی سے اس کو بے گماں
ور بگوید مت کہ ہست ایں فرع ایں	مشنو آں را اے مقلد بے یقیں
گر کہیں وہ شاخ ہے اس جڑ کی	اے مقلد تو نہ مان اس کو کبھی
می ببیند خواب جانت وصف حال	کہ بہ بیداری نہ بینی بیست سال
جان تیری خواب میں دیکھے وہ حال	تو نہ بیداری میں دیکھے بیس سال
در پئے تعبیر آں تو عمرہا	می دوی سوئے شہان با دہا
اور تو تعبیر پوچھنے کے لئے	عاقلوں کو مدتوں گھیرے پھرے
کہ بگو انخواب را تعبیر چیست	فرع گفتن ایں چنیں سر را سگیست
ہاں کہو تعبیر کیا اس خواب کی	فرع کہنا تو ہے اک شان سگی
خواب عامہ ست ایں خود خواب خاص	باشد اصل اجتبا و اختصاص
ہے تو خواب عامہ کے ہیں خواص	خواب میں مخصوص ان کے جو ہیں خاص
پیل باید تا چو خسپد اوستاں	خواب بیند خطۂ ہندوستاں
فیل ہو تا چت جو لیٹے بے گماں	خواب میں آئے نظر ہندوستان
خر نہ بیند ہیچ ہندوستاں بخواب	خر ز ہندستاں نکردہ ست اغتراب
خواب میں ہندوستان دیکھے نہ خر	کب گیا ہے ہند سے اس نے سفر

---

[1] آفتاب ظاہری - [2] آفتاب باطنی +

[3] یعنی اسی دنیا کے خیال خواب میں نظر آتے ہیں +

جان ہمچوں پیل باید نیک زفت	تا بخواب او ہند تاند رفت تفت
فیل کی مانند کر جان کو قوی	خواب میں تا ہند تک جائے کبھی
ذکرِ ہندستاں کند پیل از طلب	پس مصور گردد آں ذکرش بشب
ہند کا ذکر اور طلب فیلوں کو ہو	ذکر بن جاتے مصور رات کو
اذکروا اللہ کارِ ہر اوباش نیست	ارجعی بر پائے ہر قلاش نیست
ذکرِ شے ہے کب کام ہر اوباش کا	ارجعی نہ کب کام ہے قلاش کا
لیک تو آیس مشو ہم پیل باش	ور نہ پیلی در پے تبدیل باش
تو نہ ہو مایوس۔ اچھا پیل ہو	گر نہیں ہے پیل تو تبدیل ہو
کیمیا سازانِ گردوں را ببیں	بشنو از مینا گراں ہر دم طنیں
دیکھ جو ہیں کیمیا گر چرخ پر	ذکر سُن مینا گروں کا بے خبر
نقش بندانند در جوّ فلک	کار سازانند بہرِ لی و لک
ہیں خلا کے چرخ میں وہ خوش طراز	جو ہیں میرے اور تیرے کارساز
گر نہ بینی خلق مشکیں جیب را	بنگر اے شب کور آں آسیب را
گر نہ دیکھے ان معنبر جیب کو	اے رتوندی دیکھ اس آسیب کو
ہر دم آسیبیست بر ادراکِ تو	نبت نو نو رستہ بیں از خاکِ تو
جو ترے ادراک پر ہے ہر گھڑی	جسم پر تیرے اگیں گھاسیں نئی

[1] بنحوائے۔ اذکروا اللہ ذکراً کثیراً۔ یعنی اللہ کا ذکر بہت زیادہ کیا کرو۔

[2] بنحوائے "ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ" یعنی اپنے رب کی طرف ہنسی خوشی لوٹو۔

[3] آسمان بنانے والے یعنی فرشتے۔

[4] خیالات فاسدہ سے مراد ہے۔

زیں مُبدا ابراہیمؒ ادہمؒ دید خواب   بسطِ ہندستان وذکر ایں حجاب
دیکھا ابراہیم ادہم نے جو خواب   بسطِ ہندستان کا۔ ذکرِ حجاب

لاجرم زنجیرہا را بردرید   مملکت برہم زد و شد ناپدید
بھاگے زنجیریں تڑا کر ایک بار   سلطنت سے ہو گئے اپنی فرار

ایں نشانِ دیدِ ہندستاں بود   کہ جہد از خواب و دیوانہ شود
یہ نشان ہندوستان کی دید کا   خواب سے چونکے تو وحشت تھی سوا

میفشاند خاک بر تدبیرہا   میدراند حلقۂ زنجیرہا
ڈال دیتی خاک ہے تدبیر پہ   بھاگ نکلے توڑ کر زنجیر وہ

ترک گیرد ملک و دنیا سربسر   جملگی برہم زند آید بدر
ملک و دنیا ترک کرکے سربسر   کر لیا سب سے کنارہ اے پسر

آنچنانکہ گفت پیغمبرؐ زنور   کہ نشانش آں بود اندر صدور
کی ہے پیغمبرؐ نے یوں تشریحِ نور   سینوں میں ہوتا ہے یوں اُس کا ظہور

کہ تجافی دار و از دار الغرور   ہم انابت دارد از دار السرور
یعنی وہ اس دنیا سے اک نفرت کرے   اور جنّت کی طرف رغبت کرے

بہر شرح ایں حدیثِ مصطفےٰ   داستانے بشنو اے یارِ صفا
اب کروں شرح حدیثِ مصطفےٰؐ   مجھ سے سن اک داستاں اے باصفا

۱؎ مشہور ہے۔ کہ حضرت ابراہیم ادہمؒ نے خواب میں ایک شخص کو اپنی چھت پر کچھ ڈھونڈتے دیکھا۔ پوچھا۔ کیا ڈھونڈتا ہے۔ کہا۔ اونٹ ڈھونڈتا ہوں۔ بولے۔ کیسا بے وقوف ہے۔ چھت پر اونٹ کہاں سے آیا۔ اس نے کہا۔ تو بیوقوف نہیں۔ جو سلطنت میں خدا کو ڈھونڈتا ہے! یعنی یہ سلطنت تھوڑی اور تنگ ہے۔ اور ہندوستان جو اصل مبدا ہے۔ سراسر بسط اور فراخ۔ جس کی یہ سلطنت ہی حجاب ہے۔

ایک شہزادے کا بادشاہ حقیقی کی صورت دیکھنا

پادشاہے داشت یک برنا پسر	باطن و ظاہر مزین از ہنر
اک پسر اک بادشہ کا تھا جواں	تھا ہنر در باطن و ظاہر عیاں
خواب دید او کاں پسر ناگہ بمرد	صافیِ عالم بر آں شہ گشت دُرد
خواب دیکھا شاہ نے وہ مر گیا	اک جہاں اندھیر نظر دل میں ہوا
خشک شد از تاب آتش مشک او	کہ نماند از تفِ آتش اشک او
سوز غم سے دل جو اس کا خشک تھا	ایک آنسو بھی نہ گرمی سے رہا
آنچناں پُر شد ز دود و درد شاہ	کہ نمی یابید در وے راہ آہ
اس قدر غم سے بھرا وہ بادشاہ	بس سمائی پھر نہ اس کے دل میں آہ
خواست مُردن قالبش بیکار شد	عمر ماندہ بود شہ بیدار شد
دل ہوا بیکار، مشکل زندگی!	جاگ اٹھا۔ عمر باقی تھی ابھی
شادیے آمد ز بیداریش پیش!	کو ندیدہ بود اندر عمر خویش
جاگنے سے وہ خوشی حاصل ہوئی	عمر بھر میں جو کبھی دیکھی نہ تھی
کہ ز شادی خواست ہم فانی شدن	پس مطوق آمد ایں جاں با بدن
تھی خوشی ایسی کہ شادی مرگ تھا	روح میں لیکن بدن الجھا رہا
از دم غم مے بمیرد ایں چراغ	وز دم شادی بمیرد اینت لاغ
بجھتی ہے یہ شمع غم کی پھونک سے	پھونک سے شادی کی بھی بے شک بجھے
درمیان ایں دو مرگ او زندہ است	ایں مطوق شکل جائے خندہ است
وہ ہے زندہ درمیان دو قضا	ہنسنے کے لائق ہے انساں اے فتا
شاہ با خود گفت شادی را سبب	آنچناں غم بود از تبدیل رب
وجہ شادی شاہ نے دل میں کہا	ہے وہی غم جو خدا نے تھا دیا

ایں عجب یک چیز از یک شے مرگ
وز یکے روز زندگی و رخت و برگ

ایک رخ اک چیز کا مرگ و قضا !
اور وہ چیز زندگی رخ دوسرا

آں یکے نسبت بداں حالت ہلاک
باز ہم از سوئے دیگر امتساک

اک طرح اک شے قضا ہوئے گماں
دوسری صورت میں وہ ہو پاسباں

شادیٔ تن سوئے دنیاوی کمال
سوئے روز عاقبت نقص و زوال

ہے خوشی تن کی پئے دنیا کمال
اور پھر عاقبت نقص و زوال

خندہ را در خواب ہم تعبیر دال
گریہ گوید با دریغ و اندہاں

خواب میں ہنسنے کی گر تعبیر ہے
رو دیگا ہر ہنسنے والا یوں کہے

گریہ را در خواب شادی و فرح
ہست در تعبیر اے صاحب مرح

اور جو روئے خواب میں ہو شادماں
ہے یہی تعبیر اس کی بے گماں

شاہ اندیشید کایں غم خود گذشت
لیک جاں از جنبش ایں پر شکست

شاہ نے سوچا گزرا غم تو گیا
وہم لیکن مجھ کو اس سے ہو گیا

گر رسد خارے چنیں اندر قدم !
گر رود گل یادگارے بایدم

پاؤں میں کانٹا اگر ایسے چبھے
جائے گل تو کچھ نشان اس کا رہے

چشم زخمے زیں مبادا کہ شود
یادگارے بایدم گر او رود

ہو مبادا اس سے گر صدمہ کبھی
یادگار اس کی رہے باقی کوئی

چوں فنا را شد سبب بے منتہا
پس کدامیں راہ را بندیم ما

جب فنا کے ہیں سبب بے انتہا
کون سا پھر بند کیجے راستا

صد دریچہ و در سوئے مرگ لدیغ
میکنند اندر گشادن ژیغ ژیغ

کھل گیا اندر میں لاکھوں موت کے
کھلنے میں ہر وقت جو ہیں بولتے

ژیغ ژیغ تلخ آں دردہائے مرگ
نشنود گوش حریص از حرص برگ
موت کے دردوں کی وہ چیں پکار
حرص سے کانوں میں کب آتی ہے یار

از سوئے تن دردہا بانگِ دہل است
وز سوئے خصماں جفا بانگِ دہل است
درد تن کی ہر صدا ہے بانگ دہل
دشمنوں کی ہر جفا ہے بانگ دہل

جان من برخواں تو اے فہرست طب
نار علتہا نظر کن ملتہب !
پڑھ ذرا فہرست طب اے جان من
دیکھ کتنی علتیں ہیں جاں شکن

در کتاب طب چو بینی اے فتے
بر شمار ریگ بینی رنجہا
دیکھیے گر طب کی کتابوں میں ذرا
ریت[1] کی مانند دکھ ہیں یہ بلا

زآنہمہ غرہ ہا در خانہ رہست
ہر دو گامے پُر ز کژدمہا چہ رہست
طے کسک کر ہوتی ہے اس گھر کی راہ
بچھوؤں سے پُر ہیں دو قدموں پہ راہ

باد تند است و چراغ ابترے
زو بگیرانم چراغ دیگرے
ہے ہوا تیز اور ابتر ہے چراغ
اور جل جائے تو بہتر ہے چراغ

تا بود کہ ہر دو یک وافی شود
گر ببادے آں چراغ از جا رود
تاکہ دونوں میں سے اک جلتا رہے
ایک بجھ جائے جو باد تند سے

ہمچو عارف کز تن ناقص چراغ
شمع دل افروخت از بہر فراغ
جیسے شمع تن جو دیکھی مضمحل !
جلد عارف نے جلا لی شمع دل

تا کہ روزے کایں بمیرد ناگہاں
پیش چشم خود نہد او شمع جاں
تا بجھے گر شمع پہلی ناگہاں
سامنے آنکھوں کے رکھے شمع جاں

او نکرد ایں فہم پس داد از غرر
شمع فانی را بفانی دگر
وہ نہ سمجھا۔ سونپا از راہِ خطر
شمع فانی کو بہ فانی دگر

---

[1] یعنی اتنے دکھ ہیں جتنے ریت کے ذرّے ؛

چارہ اندیشید لیکن چارہ نے	گفت با خود نیست بیروں رفتنے
سوچی تدبیر اور کچھ چارہ نہ تھا	باہر اب جاؤں نہ میں دل میں کہا

شہزادے کی شادی کی تدبیر کرنا

پس عروسی خواست باید بہر او	تا بگردد زیں تزوّج نسل جو
سوچا شہ نے لڑکے کی شادی کرے	تاکہ نسل اس وجہ سے باقی رہے
گر رود سوئے فنا ایں باز باز	فرخ او گردد ز بعد باز باز
فوت کر جائے عدم کو گر یہ باز	اس کا بچہ زندہ رکھے بے نیاز
صورت ایں باز گر زینجا رود	معنی او در ولد باقی بود
باز کی صورت جو ہو جائے نہاں	بچے سے پھر اس کے معنی ہوں عیاں
بہر ایں فرمود آں شاہ نبیہ	مصطفےٰ صلعم کہ الولد سر ابیہ
اس لئے وہ مجتبیٰ و مصطفیٰ	کہتے ہیں ہے بیٹا بھید باپ کا[1]
بہر ایں معنی ہمہ خلق از شغف	می بیاموزند طفلاں را حرف
اس لئے دنیا میں اہل علم و فن	ہیں سکھاتے بچوں کو اپنا چلن
تا بماند آں معانی در جہاں	چوں شود آں قالب ایشاں نہاں
تا رہیں معنی جہاں میں بے گماں	ان کا قالب جب ہو فنا سے نہاں
حق بحکمت حرص شاں دادست جد	بہر رشد ہر صغیر مستعد
حکمت حق نے دئے ہیں حوصلے	تا ہدایت بچے حاصل کر سکے
من ہم از بہر دوام نسل خویش	جفت خواہم پور خود را خوب کیش
واسطے اپنی بقائے نسل کے	ڈھونڈوں بیوی خوب بچے کے لئے

---

[1] حدیث شریف ہے کہ۔ اَلوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیہ ٭

دخترے خواہم ز نسل صالحے	نے ز نسل پادشاہے طالحے
نسل صالح سے ملے دختر کوئی	نسل شاہی سے نہ لاؤ تم کبھی
شاہ خود آں صالح است آزادہ او	نے اسیر حرص فرجست و گلو است
جو ہے صالح، اصل شاہاں ہے وہی	ہو نہ جس میں شہوت و حرص بدی
مر اسیران را لقب کردند شاہ	عکس چوں کافور نام آں سیاہ
ہے اسیروں کا لقب دنیا میں شاہ	نام کافور اس کا ہے جو ہو سیاہ
شد مفازہ بادیہ خونخوارہ نام	نیکبخت آں پیس را گویند عام
سہل اُسے کہتے ہیں جو ہو داو سخت	کہتی ہے کوڑھی کو دنیا نیک بخت
ہر اسیر شہوت و حرص و امل	بر نوشتہ میر یا صدر اجل
ہر اسیر شہوت و حرص و ہوا	ہے بزرگ اور صدر محفل جابجا
آں اسیران اجل را عام داد	نام امیران اجل اندر بلاد
اُن اسیران اجل کو بے گماں	سب امیران اجل کہتے ہیں یاں
صدر خوانندش کہ در صف نعال	جان او پستہ است یعنی جاہ و مال
صدر وہ ہیں جو ہیں پستی میں نہاں	یعنی جاہ و مال پر دیتے ہیں جاں

ایک زاہد کی لڑکی سے شہزادے کی شادی

شاہ چوں با زاہدے خویشی گزید	ایں خبر در گوش خاتوناں رسید
خویش زاہد کو کیا شہ نے اجی	یہ خبر پہنچی حرم خانے میں بھی
مادر شہزادہ گفت از نقص عقل	شرط کفویت بود در عقل و نقل
بولی کم عقلی سے شہزادے کی ماں	عقلاً و نقلاً ہے لازم کفو یاں

سلہ بزرگ ۔

تو نہ شیخ و مجل خواہی وزر ہا — تا بہ بندی پور ما را بر گدا
مجل ہے شاید شریفوں سے مجھے — جو گدا سے بچے کا رشتہ کرے

گفت صالح را گدا گفتن خطاست — کو غنی القلب ز داد خداست
بولا صالح ہے گدا ، ، اچھی کہی — ہے خدا کی دین سے دل کا غنی

در قناعت میگریزد از تقے — نز لئیمی و کسل ہمچوں گدا!
وہ قناعت کی طرف ہے بھاگتا — کب ہے بخل و کاہلی سے جوں گدا

قلتے کاں از قناعت وز تقاست — آں ز فقر و قلت دونان جداست
جس کمی میں صبر ہو اور اتقا — ہے بحق فقر سے بالکل جدا

حبۂ آں گر بیابد سر نہد — ویں ز گنج زر بہمت می جہد
پائے اک حبہ تو وہ سر پہ رکھے — یہ خزانہ پاکے بھی بھوکا رہے

شہ کہ او از حرص قصد ہر حرام — میکند او را گدا گوید ہمام
شہ کرے جب حرص سے قصدِ حرام — اس کو کہتے ہیں گدائے خستہ کام

گفت کو شہر و قلاع او را جہیز — یا نثار گوہر و دینار ریز
بولی ماں - ہیں شہر اور قلعے کہاں — یا زر و گوہر کہ وہ دے بیکساں

گفت رو ہر کو غم دیں برگزید — باقی غمہا خدا از وے برید
بولا جا جس نے غم دیں لے لیا — اس کے سب غم کاٹ دیتا ہے خدا

غالب آمد شاہ و دادش دخترے — از نژاد صالحے خوش جوہرے
غالب آیا شاہ ۔ دختر دی گئی — نسل سے صالح کی جو تھا متقی

در ملاحت خود نظیر خود نداشت — چہرہ اش تاباں تر از خورشید چاشت
تھی ملاحت میں وہ یکتا بے نظیر — رخ کے آگے ماند تھا مہر منیر

حسن دختر ایں خصالش آنچناں — کز نکوئی می نگنجد در بیاں
حسن یہ اور سیرت ایسی نیک تھی — بس بیاں کرنا نہیں ممکن کبھی

صید دیں کن تا رسد اندر تبع   حسنِ و مال و جاہ و بختِ منتفع
کر شکارِ دیں کہ جب ہو پیروی   حسن و مال و جاہ ملیں سبھی
آخرت قطار اشتر داں عمو   در تبع دنیاش ہمچوں پشک و مو
عاقبت کو جان اونٹوں کی قطار   پیچھے پیچھے ہے یہ دنیا پشم دار
پشم بگزینی شتر نبود ترا   ور بود اشتر چہ قیمت پشم را
پشم وہ لے جو ہو محتاجِ شتر   ہو شتر تو پشم کیا ہے بے خبر

شہزادے پر ایک بڑھیا کا جادو کرنا

چوں بر آمد ایں نکاح آں شاہ را   با نژادِ صالحان بے چرا
شاہزادے کی جو شادی ہو گئی   صالحوں کی نسل میں اے متقی
از قضا کمپیرکِ جادو کہ بود   عاشقِ شہزادۂ با حسن و جود
اتفاقاً ایک بڑھیا ساحرہ   شاہزادے پہ ہوئی بس شیفتہ
جادوئے کردش عجوزِ کاولی   کہ برد زاں رشک سحرِ بابلی
قحبہ بڑھیا نے وہ جادو کر دیا!   رشک جس پہ سحرِ بابل کو ہوا
شہ بچہ شد عاشقِ کمپیرِ زشت   تا عروس و آں عروسی را بہشت
ہو گیا شہزادہ بڑھیا پہ نثار   چھوڑی بیوی اور عروسی ایکبار
یک سیہ رو دیو کابولی زنے   گشت بر شہزادہ ناگہ رہزنے
وہ سیہ رخسار قحبہ پیرزن   شاہزادے کی ہوئی تھی راہزن
زاں سیہ روئے خبیثے نابکار   گشت آں شہزادہ مدہوش و نزا
تھی سیہ رو وہ خبیث و نابکار   اُس سے تھا شہزادہ مدہوش و نزار
ایں نود سالہ عجوزِ گندہ پیر   نہ خرد ہشت آں ملک را نہ ضمیر
فاحشہ نے جو تھی نوے سال کی   دل لیا شہزادے کا اور عقل بھی

تابسالے بود شہزادہ اسیر
بوسہ جایش نعل کفش گندہ پیر
مبتلا اک سال شہزادہ رہا
جوتیاں قحبہ کی وہ تھا چومتا

صحبت کمپیر اورا می ربود
تاز کاہش نیم جانے ماندہ بود
صحبت قحبہ نے کر ڈالا فنا
گھٹتے گھٹتے نیم جاں وہ رہ گیا

دیگراں از ضعف وے با دردِ سر
او ز سکرِ سحر از خود بے خبر
دوسروں کو اُس سے تھا اک دردِ سر
نشۂ جادو سے تھا وہ بے خبر

این جہاں بر شاہ چوں زنداں شدہ
وین پسر بر گریہ شاں خنداں شدہ
مثلِ زنداں تھی یہ دنیا شاہ پہ
ہنستا تھا رونے پر اُس کے یہ پسر

شاہ بس بیچارہ شد در بُرد و مات
روز و شب میکرد قربان و زکات
شاہ بُرد و مات میں عاجز ہوا
رات دن خیرات و صدقہ دیتا تھا

زانکہ ہر چارہ کہ میکرد آں پدر
عشقِ کمپیرک ہمی شد بیشتر
کرتا تھا لیکن جو کچھ وہ دادگر
بڑھتی تھی بڑھیا کی اُلفت بیشتر

پس یقیں گشتش کہ مطلق آں سریست[1]
چارہ او را بعد ازیں لابہ گریست
پس وہ سمجھا یہ ہے سب اُس سمت سے
کام اب تو عجز و زاری سے چلے

سجدہ میکرد او کہ ہم فرماں تراست
غیرِ حق بر ملکِ حق فرماں کراست
سجدے کرتا تھا کہ اے قادر خدا
حکم تیرا ملک تیرا جا بجا

لیک ایں مسکیں ہمی سوزد چو عود
دست گیرش اے رحیم و اے ودود
اب جو یہ مسکین ہے جلتا مثلِ عود
تو مدد کر اے رحیم و اے ودود

بادشاہ کی دعا کا قبول ہونا

تاز یارب یارب و افغانِ شاہ
ساحرے اُستاد پیش آمد ز راہ
شاہ نے جب کی خدا سے یوں بُکا
ساحر اُستاد اک ظاہر ہوا!

---

[1] یعنی خدا کی طرف سے۔

گو شنیدہ بود از دور ایں خبر   کہ اسیرِ پیرہ زن گشت آں پسر
دور سے جس نے سُنی تھی یہ خبر   ہے اسیرِ پیرہ زن شہ کا پسر

کاں عجوزہ بود اندر جادوئی   بے نظیر و ایمن از مثل و دوئی
تھا جو اُس بڑھیا کو جادو میں کمال   وہ کہیں رکھتی نہ تھی اپنی مثال

دست بر بالائے دستست اے فتیٰ   در فن و در زور تا دستِ خدا
ہاتھ اک پر ہاتھ ہے اے فتا   کر میں اور فن میں تا دستِ خدا

منتہائے دستہا دستِ خداست   بحر بیشک منتہائے جوہاست
منتہا ہاتھوں کا ہے دستِ خدا   ندیوں کا بحر جیسے منتہا

ہم ازو گیرند مایہ ابرہا   ہم بدو باشد نہایت سیل را
سب یہ بادل اُس سے ہیں مایہ گیر   اور ہر سیلاب اُس سے سایہ گیے

گفت شاہش کایں پسر از دست رفت   گفت اینک آمدم درماں نرفت
شاہ بولا - ہاتھ سے لڑکا چلا !   بولا ساحر لیجیے میں آ گیا

نیست ہمتا زال را زیں ساحراں   جز منِ داہی رسیدہ زاں کراں
ساحروں میں ہوں برابر زال[1] کے   ہوں میں دانا آیا ہوں اُس سمت سے

چوں کفِ موسیٰؑ بامرِ کردگار   نک برآرم من ز سحرِ او دمار
مثلِ موسیٰؑ میں بحکمِ کردگار   اُس کے جادو کو کردوں آشفتہ کار

کہ مرا ایں علم آمد زاں طرف   نے ز شاگردیِ سحرِ مستخف
علم یہ مجھ کو خدا نے ہے دیا   کب ہوں میں شاگرد اہلِ سحر کا

آمدم تا بر گشایم سحرِ او   تا نماند شاہزادہ زرد رُو
آیا ہوں میں اُس کا جادو کھولنے   شاہزادہ تا کہ آفت سے بچے

---

[1] یعنی بڑھیا ساحرہ کے برابر ؞

سوئے گورستاں برو وقت سحور	پہلوی دیوار ہست اسپید گور
جا تو قبرستان کی جانب صبح سے	قبر ہے پہلو میں اک دیوار کے
سوئے قبلہ باز کاو آں گور را	تا ببینی قدرت و صنع خدا
قبلہ رخ ہوکر تو کھود اُس قبر کو	دیکھ پھر ظاہر جو کچھ قدرت سے ہو
بس دراز است ایں حکایت تو ملول	زبدہ را گویم رہا کردم فضول
یہ حکایت ہے بڑی اور تو ملول	جو خلاصہ ہو کہوں۔ چھوڑوں فضول
سوئے گورستان برفت آں شاہ زود	گور را آں شاہ آندم برکشود
الغرض وہ شاہ گورستاں گیا	قبر تھی موجود۔ کھولی بے ملا
جادوئے بنہادہ بُد پنہاں اندرو	صد گرہ بربستہ بر یکتا رمو
اُس میں پوشیدہ تھا سحر کارگر	سو لگائی تھیں گرہ اک بال پر
آں گرہ ہائے گراں را برگشاد	پس ز محنت پور رستہ را راہ داد
آخر ان گانٹھوں کو کھولا شاہ نے	شاہزادہ چھوٹ گیا اس درد سے
آں پسر با خویش آمد شد دواں	سوئے تخت شاہ با صد امتحاں
ہوش میں آکر وہ شہزادہ چلا	جانب تخت شہی با صد ادا
سجدہ کرد و بر زمیں میزد ذقن	در بغل کردہ پسر تیغ و کفن
ٹھوڑی رگڑائی خاک پہ سجدے کئے	تھے جو تسلیم و رضا کے دو لے
شاہ آئیں بست و اہل شہر شاد	واں عروس ناامید بے مراد
شہر والے خوش تھے شہر آراستہ	اور خوش تھی وہ عروس غمزدہ
عالم از سر زندہ گشت و پُر فروز	ایعجب کاں روز روز امروز روز
از سر نو تھا جہاں فرخندہ سے	ایک دن وہ بھی تھا اک دن یہ بھی ہے
یک عروسی کرد شاہ او را چناں	کہ گلاب و قند بد بخشش سگاں
شاہ نے کی عام دعوت بڑ ملا	اور گلاب و قند کتوں کو پلا

جادوئے کمپیر از غصہ بمرد
رو و خوئے زشت با مالک سپرد
مر گئی وہ ساحرہ کر کے حسد
کی سپرد مالک[1] اپنی خوئے بد

شاہزادہ در تعجب ماندہ بود
کز من او عقل و بصر چوں در ربود
شاہزادے کو بڑی حیرت ہوئی
عقل اُس نے چھین لی کیونکر مری

نو عروسے دید ہمچوں شاہِ حسن
کہ ہمیزد بر ملیحاں راہِ حسن
دیکھا بیوی کو تو پایا شاہِ حسن
ہند کی تھی جس نے سب پایا حسن

گشت بیہوش و بروا اندر فتاد
تا سہ روز از جیم او گم شد فواد
ہوگیا بیہوش منہ کے بل گرا
تین دن تک بیدل و بیخود رہا

سہ شبانروز او ز خود بیہوش گشت
تا کہ خلق از غشی او پرجوش گشت
تین دن رات اُس کو تھی اک بیخودی
پھیلی لوگوں میں وہاں کے سنسنی

از گلاب و از علاج آمد بخود
اندک اندک فہم گشتش نیک و بد
جب گلاب و عطر سے درماں کیا
تھوڑا تھوڑا ہوش اُس کو آ گیا

بعد سالے گفت شاہش در سخن
وز فرح یاد آر آں یارِ کہن
سال بھر بعد اُس سے سلطاں کہا
ہنستے کیوں ہے یاد پہلی مہ لقا

یاد آور زاں ضجیع و زاں فراش
تا بدیں حد بیوفا و مر مباش
بستر و ہمخوابہ کو بھی یاد کر
ہو نہ اتنا بیوفا اے بیخبر

گفت رو من یافتم دار السرور
وا رہیدم از چہ دار الغرور
بولا مجھ کو مل گیا دار السرور
میرا زنداں اب نہیں دار الغرور

ہمچناں باشد چو مومن راہ یافت
سوئے نورِ حق ز ظلمت رو بتافت
ایسے ہی ملتی ہے جب مومن کو راہ
نورِ حق میں اُس کو ملتی ہے پناہ

---

[1] داروغۂ دوزخ ✱

مخلص ایں قصہ بگفتم تمام تابدانی مقصد خود والسلام
ہے خلاصہ داستاں کا یہ تمام کر حصول مقصد اس سے والسلام

شہزادہ۔ بادشاہ اور بڑھیا ساحرہ کون ہیں

اے برادر آنکہ شہزادہ توئی در جہان کہنہ زادہ از نوی
اے برادر! ہے وہ شہزادہ تو ہی اس جہاں میں تیری آمد ہے نئی

کاولی ساحرہ دنیاست گو کردہ مرداں را اسیر رنگ و بو
اور دنیا ہے وہ بڑھیا ساحرہ ہے اسیر رنگ و بو جس نے کیا

چوں درافگندت دریں آلودہ دو دم بدم میخواں و میدم قل اعوذ
سحر میں اس نے ہے آلودہ کیا قل اعوذ پھونک پڑھ کر بد بلا

تارہی زیں جادوئی و ایں قلق استعاذت خواہ از رب الفلق
سحر و غم سے ہے اگر تو امن خواہ مانگ خلاق سحر سے تو پناہ

زاں نبی دنیات را سحارہ خواند کو بافسوں خلق را در چہ نشاند
ساحرہ[1] دنیا کو حضرت نے کہا خلق کو جادو سے جس نے دق کیا

ہیں فسون گرم دارد گندہ پیر کردہ شاہاں را دم گرمش اسیر
اس کے عمل گرم جادو ہیں کثیر بادشاہوں کو کیا جس نے اسیر

در درون سینہ نفاثات اوست عقدہائے سحر را اثبات اوست
سینوں کے اندر ہے سحر دق سے پھونکت سحر کی گانٹھیں ہیں خود اس کا ثبوت

ساحرۂ دنیا قوی دانا زنیست حل سحر او بپائے عامہ نیست
ساحرہ دنیا کی ہے از بس قوی توڑنا سحر اس کا آساں ہے کوئی

---

[1] حدیث شریف میں ہے کہ الدنیا ساحرۃ مکارۃ غدارۃ۔ یعنی دنیا جادوگر مکار اور غدار ہے۔

ور کشادے عقدۂ او را عقلہا
انبیا را کے فرستادے خدا

عقل سے ہوتے جو عقدے اُسکے وا
بھیجتا پھر انبیاءؑ کو کیوں خدا

ہیں طلب کن خوش دمے عقدہ کشا
رازدان یفعل اللہ ما یشاء

ڈھونڈ کوئی خوش نفس عقدہ کشا
رازدانِ یفعل اللہ ما یشاء[1]

ہمچو ماہی بستۂ ستست او بشست
شاہزادہ ماندہ سالے و تو شصت

مثل ماہی شست میں تو ہے بندھا
وہ[2] رہا اک سال تو برسوں رہا

شصت سال از شستِ او در محنتی
نے خوشی نے بر طریق سنتی

ساٹھ سال اس شست میں گزرے تجھے
تو نہ خوش ہوا اور نہ سنت پہ چلے

فاسقی بدبخت نے دنیات خوب
نے رہیدہ از وبال از ذنوب

تو ہے فاسق تیری دنیا ہے خراب
ہے گناہوں سے تری جان پر عذاب

نفخ او این عقدہا را سخت کرد
پس طلب کن نفخۂ خلاق فرد

سخت اُس کے دم نے عقدوں کو کیا
دم طلب کر خالق قیوم کا

تا نفخت فیہ من روحی ترا
وا رہاند زین و گوید بر تر آ

تا نفخت[3] فیہ من روحی اسے
دے رہائی پاس اپنے کھینچ لے

جز بنفخ حق نسوزد نفخ سحر
نفخ قہرست این و آن دم نفخ مہر

پھونک حق کی چارہ ساز سحر ہے
اس میں ہے قہر اور اُس میں مہر ہے

رحمت او سابق است از قہر او
سابقی خواہی برو سابق بجو

رحمت اُس کی قہر پر سابق ہے اب
ڈھونڈ سابق کو جو ہے سبقت طلب

تا رسی اندر نفوس زوجت
کاے شدہ مسحور اینک مخرجت

ہو رسائی تا نفوس[4] زوجت
یہ ہے بچنے کی جگہ اے شہ صفت

---

[1] اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے [2] یعنی وہ شہزادہ [3] ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی [4] مصداق "اذا النفوس زوجت"[5] یعنی جسوقت نفس زوج کئے جائیں گے

با وجود زال ناید انحلال	در شبیکہ و در برت آں فی و دلال
دام ہے ڈالے ہوئے جب نکتہ زال	آئے کب آغوش میں اک خوش جمال
نے بگفت ست آں سراج امتاں	اینجہان و آں جہاں را ضرتاں
کیا نہ کہتے تھے وہ شاہ انس و جاں	سوتیں ہیں دو یہ جہاں اور وہ جہاں
پس وصال این فراق آں بود	صحت این تن سقام جاں بود
وصل اس کا ہجر اس کا ہے بجا	جسم کی صحت مرض ہے روح کا
سخت چوں آید فراق این مقر	پس فراق آں مقر داں سخت تر
جب فراق اس کا گراں ہے اسقدر	بالیقیں ہے ہجر اس کا سخت تر
چوں فراق نقش سخت آید ترا	تا چہ سخت آید ز نقاشش جدا
تجھ کو ہجر نقش جب ہے ناگوار	فرقت نقاش سے کیا ہو قرار
اے کہ صبرت نیست از دنیائے دوں	چونت صبرست از خدا اے دوست چوں
صبر جب دنیائے دوں ہی سے نہیں	ہے خدا سے صبر کیونکر یہ یقیں
چونکہ صبرت نیست زیں آب سیاہ	چوں صبوری داری از چشمہ آلہ
جب ہے تو بے صبر آب گندہ پر	چشمۂ حق سے ہے کیوں صبر اس قدر
چونکہ بے این شرب کم داری سکوں	چوں ز ابراری جدا وز یشربوں
بے پئے اس کے جو کھویا ہے سکوں	کیوں گوارا ہے فراق یشربوں لہ
گر ببینی یک نفس حسن ودود	اندر آتش افگنی جان و وجود
دیکھے گر اک بار تو حسن ودود	آگ میں ڈالے یہ سب جان و وجود
جیفہ بینی بعد ازاں این شرب را	چوں ببینی کر و فر قرب را
سمجھے پھر مردار تو اس شرب کو	دیکھے جب عز و وقار قرب کو

لہ اس آیہ شریفہ کی طرف اشارہ ہے کہ اِنَّ الابرار یشربون من کاس کان مزاجہا کافورا یعنی بیشک ابرار (نیک لوگ) ان پیالوں سے شراب پئیں گے جو کافور سے بنے ہوئے ہیں،

ہمچو شہزادہ رسی در یارِ خویش   پس برون آری ز پا تو خارِ خویش
مثل شہزادے کے پائے اپنا یار   پاؤں سے تیرے نکل آئے یہ خار

جہد کن در بیخودی خود را بیاب   زودتر واللہ اعلم بالصواب
بیخودی میں سعی کر اے خوش خطاب   جلد تر واللہ اعلم بالصواب

ہر زمانے مِیں مشو با خویش جفت   ہر زماں چوں خر در آب گل میفت
ہر گھڑی اچھی نہیں ہے یہ خودی   مثل خر کیچڑ میں کب تک اے سخی

از قصورِ چشم باشد آں عثور   کہ نہ بیند شیب بالا را ز دور
وجہ لغزش آنکھ ہی کا ہے قصور   اونچا نیچا کچھ نہ دیکھے ہو جو دور

بوئے پیراہانِ یوسفؑ کن سند   زانکہ بویش چشم روشن میکند
لے سند پیراہن یوسفؑ سے بھی   اس کی خوشبو آنکھ کی ہے روشنی

صورتِ پنہان و آں نور جبیں   کردہ چشم انبیاؑ را دُوربیں
گو رہی اس نور کی پنہاں ضیا   آنکھ کو نبیوں کی روشن کر دیا

نورِ آں رُخسار برہاند ز نار   ہیں مشو قانع بنورِ مستعار
نورِ رُخ کر دیگا دوزخ سے رہا   عارضی اک نور پہ بھُولا ہے کیا

چشم را ایں نور حالے بیں کند   چشم عقل و روح را گرگیں کند
آنکھ کا یہ نور کر دے حال بیں[1]   درد عقل و روح کا ہے بالیقیں

صورتش نور است و در تحقیق نار   گر ضیا خواہی دو دست از وے بدار
ہے بظاہر نور باطن میں ہے نار   گر ضیا چاہے۔ ہو اس سے رستگار

دمبدم در رُو فتد ہر جا رود   دیدہ و جانے کہ حالے بیں بود
منہ کے بل ہر دم گرے جائے جہاں   حال بیں ہو جائیں جن کی چشم و جاں

---

[1] دُوربین کی ضد ہ

دُور بیند دُور بین بے ہنر	ہمچنانکہ دُور دیدن خواب در
دور بینی گرچہ ہے بے ہنر	دُور بینی خواب کی سی ہے بسر
خُفتہ باشی بر لبِ جُو خشک لب	میدوی سوئے سراب اندر طلب
خشک ندی کے کنارے محو خواب	دوڑتا پھرتا ہے جویائے سراب
دُور می بینی سراب و میدوی	عاشقِ آں بینشِ خود میشوی
تو ہے یوں سوئے سراب دوڑتا	اور ہے اپنی نظر پہ مبتلا !
میزنی در خواب با یاراں تو لاف	کہ منم بینادل و پردہ شگاف
خواب میں ہیں دوستوں سے شیخیاں	میں ہوں بینا اور پردہ دریاں
نک بداں سو آب دیدم ہیں شتاب	تا رویم آنجا و آں باشد سراب
میں نے دیکھا ہے اُدھر پانی شتاب	جب اُدھر جائیں تو وہ ہو ظاہر سراب
ہر قدم زیں آب تازی دُورتر	دو دواں سوئے سراب با غرر
جتنا چلتا ہے وہ اُتنا دُور تر	دوڑے تو سوئے سراب بے خطر
عینِ آں عزمت حجابِ آں شدہ	کہ بتو پیوستہ است و آمدہ
عزم ہی تیرا حجاب اُس کا بنا	وہ ملا ہے تجھ سے اور پیدا ہوا
بس کساں عزمے بجائے میکند	از مقامے کاں غرض در وے بود
دوسری جا لوگ ہوتے ہیں رواں	اُس جگہ سے ہے غرض مخفی جہاں
دید و لافِ خفتہ می ناید بکار	جز خیالے نیست دست از وے بدار
سونے والے کا غرور اور دید کیا	ہے خیالی بات اس سے باز آ
خوابناکی لیک ہم بر راہ خسپ	اللہ اللہ برِ رہِ اللہ خسپ
نیند کا ماتا ہے تو۔ سو راہ پہ	اللہ اللہ، سو رہِ اللہ پہ
تا بود کہ سالکے بر تو زند	از خیالاتِ نعاست برکند
شاید آ نکلے کوئی سالک ادھر	کردے اس خفتہ خیالی سے بدر

خفتہ را گر فکر گردد ہمچو موئے
او ازاں رقت نیابد راہ کوئے
عقل غافل کی جو ہو باریک تر
آ نہیں سکتا کبھی وہ راہ پہ

فکر خفتہ گر دوتا و گر سہ تاست
ہم خطا اندر خطا اندر خطاست
فکر غافل کی ہو کتنی ہی رسا
ہاں خطا ہے ہاں خطا ہے ہاں خطا

ور چہ چشمش تیز بین و با ضیاست
ہم ہبا اندر ہبا اندر ہباست
آنکھ گو کتنی ہی پُر انوار ہے
خوار ہے وہ خوار ہے وہ خوار ہے

موج بر وے میزند بے احتراز
خفتہ پویاں در بیابان دراز
اُس پہ موجوں کا گذر ہے برملا
خواب سے جنگل میں وہ ہے دوڑتا

خفتہ می بیند عطشہائے شدید
آب اقرب منہ من حبل الورید
سونے والے پہ ہے طاری تشنگی
پانی شہ رگ سے بھی ہے گو پاس ہی

قحط میں خوش رہنے والا زاہد

ہمچناں کاں زاہد اندر سال قحط
بود او خنداں و گریاں جملہ رہط
جیسے وہ زاہد جو وقت قحط بھی
شاد تھا۔ خلقت تھی ساری رو رہی

پس بگفتندش چہ جائے خندہ ست
قحط بیخ مومناں برکندہ است
وقت ہنسنے کا نہیں۔ اُس سے کہا
قحط نے برباد سب کو کر دیا

رحمت از ما چشم خود بر دوختہ ست
ز آفتاب تیز صحرا سوختہ ست
ہم سے رحمت نے ہیں آنکھیں پھیر لیں
کھیتیاں ہیں سخت گرمی سے جلیں

کشت و باغ و رز سیہ استادہ ست
در زمیں نم نیست نے بالا و پست
پڑ گئے کالے چمن انگور بھی
ہے زمیں پر اب کہاں باقی نمی

خلق می میرند زیں قحط و عذاب
دہ دہ و صد صد چو ماہی دور از آب
مرتے ہیں لوگ اس عذاب و قحط سے
سیکڑوں جوں مچھلیاں بے آب کے

بر مسلماناں نمی آری تو رحم — مومناں خویش اند یکتن شحم و لحم
مومنوں پر رحم کیوں آتا نہیں — خویش ہیں آپس میں سب یہ بالیقیں

رنج یک جزوے ز تن رنج ہمہ ست — گر دم صلح ست یا خود ملحمہ ست
ایک کا دکھ درد ہے سب کے لئے — صلح ہو یا جنگ سب ہیں ایک سے

گفت در چشم شما خطست ایں — پیش چشمم چوں بہشت ست ایں ہیں
بولا نظروں میں تمہاری ہے یہ کال — مری نظروں میں ہے جنت بے مثال

من ہمی بینم بہر دشت و مکاں — خوشہا انبہ رسیدہ تا میاں
خوشے ہر صحرا میں ہوں میں دیکھتا — پختہ پختہ، تا کمر، حد سے سوا

خوشہا در موج از باد صبا! — بر بیاباں سبزتر از گندنا
جھونکے دیتی ہے انہیں باد صبا — سبز ہیں جنگل میں جیسے گندنا

ز آزموں من ست بر چشمے نیز کم — دست بر چشم خویش را چوں بر نہم
امتحاناً ہاتھوں میں پھیرتا! — ہاتھ، دو آنکھ، ان سے کیونکر دوں ہٹا

یار فرعون تنید اے قوم دوں — زاں نماید مر شما را نیل خوں
دوست ہے فرعون تن کی قوم دوں — اس لئے ہے نیل تجھ کو موج خوں

یار موسیٰ خرد گردید زود — تا نماند خون و بینید آب زود
کرو موسیٰ خرد سے دوستی — تا کہ جو ہے خون - پانی ہو وہی

از پدر با تو جفائے چوں رود — آں پدر در چشم تو سگ میشود
باپ کرتا ہے جفا تجھ پہ اگر — باپ آتا ہے تجھے کتا نظر

آں پدر سگ نیست تاثیر جفاست — کہ چناں رحمت نظر را سگ نماست
سگ نہیں وہ، یہ ہے تاثیر جفا — باپ سا بے مہر کتا بن گیا

ل کینہ +

گرگ میدیدند یوسف را بچشم	چونکہ اخواں را حسودی بود و خشم
بھیڑئیے یوسف کو آتے تھے نظر	بھائی بھی۔ جو تھے حسد سے کینہ ور
با پدر چوں صلح کردی خشم رفت	آں سگی شد گشت بابا یار زفت
باپ سے جب صلح کی، غصہ ہٹا	تھا جو کتا باپ پھر وہ بن گیا

تمام عالم عقل کل کی صورت ہے

کل عالم صورت عقل کل ست	کوست بابائے ہر آں اہل قل ست
سارا عالم عقل کل کا ہے اے پسر	جتنے ناطق ہیں یہ سب کا ہے پدر
چوں کسے با عقل کل کفراں فزود	صورت کل پیش او ہم سگ نمود
عقل سے کفراں[1] جس کا بڑھ گیا	صورت کل ہو گئی بس سگ نما
صلح کن با ایں پدر عاقی بہل	[3]تاکہ فرش زر نماید آب و گل
باپ سے کر صلح اور عاقی[2] نہ ہو	فرش زر دیکھے پھر آب و خاک کو
پس قیامت نقد حال تو بود	پیش تو چرخ و زمیں مبدل شود
ہو قیامت نقد تیرے حال کا	اور بدل جائیں یہ سب ارض و سما
من کہ صلحم دائما با ایں پدر	ایں جہاں چوں جنتستم در نظر
باپ سے ہے صلح میری بیگماں	میری نظروں میں تو جنت ہے جہاں
ہر زماں نو صورتے و نو جمال	تا ز نو دیدن فرو میرد ملال
ہر گھڑی اک شکل۔ انوکھا اک جمال	دیکھنے سے اس کے مٹتا ہے ملال
من ہمی بینم جہاں را پر نعیم	آبہا از چشمہا جوشاں مقیم
نعمتوں سے ہے جہاں سارا چمن	اور چشموں سے ہے پانی جوش زن

---

[1] ناشکری ◆ [2] وہ لڑکا جس کو باپ عاق کر دے ◆

[3] یہ قول زاہد ہے ◆

بانگِ آبش میرسد در گوشِ من	مست میگردد ضمیر و ہوشِ من
پانی کی آواز آتی ہے مجھے	مست ہو جاتے ہیں ہوش و دل مرے
شاخہا رقصاں شدہ چوں تائباں	برگہا کف زن مثالِ مطرباں
رقص میں شاخیں ہیں جیسے تائباں	مطربوں کی طرح پتے نغمہ خواں
برقِ آئینہ ست لامع از نمد	گر نماید آئینہ تا چوں بود
بجلی اک آئینہ ہے جلوہ فشاں	جیسی ہے جو شئے ہے ویسی ہی عیاں
از ہزاراں من نمیگویم یکے	زانکہ آگندہ است ہر گوش از شکے
اک بھی کہتا میں ہزاروں سے نہیں	شک بھرا ہر کان ہے اے ہمنشیں
پیشِ وہم ایں گفت مژدہ دادن است	عقل گوید مژدہ چہ نقدِ من است
مژدہ بہرِ وہم ہے یہ ماجرا	عقل کہتی ہے میں خود ہوں مژدہ کیا

حضرت عزیرؑ کے لڑکوں کا قصہ

ہمچو پورانِ عزیرؑ اندر گذر	آمدہ پرساں ز احوالِ پدر
جس طرح لڑکے عزیرؑ پاک کے	راہ میں حالِ پدر تھے پوچھتے
گشتہ ایشاں پیر و باباشاں جواں	پس پدرشاں پیش آمد ناگہاں
وہ تھے بوڑھے باپ تھا ان کا جواں	باپ اُن کے آگے آیا ناگہاں
پس بپرسیدند ازو کاے رہگذر	از عزیرؑ ما عجب داری خبر
پوچھا اے رہ گیر ہم کو دے بتا	کچھ ہمارے باپ کا بھی ہے پتا
کہ کسے ماں گفت کامروز آں سند	بعد نومیدی ز بیروں میرسد
ہے کسی نے آج یہ ہم سے کہا	بعد نومیدی وہ واپس آئیگا

---

[1] یعنی عقل کے لئے یہ باتیں مژدہ نہیں ہوسکتیں۔ کیونکہ یہ گفتگو عین ذاتِ عقل ہے۔

گفت آرے بعد من خواہد رسید	آں یکے خوش شد چو ایں مژدہ شنید
بولے ہاں وہ پیچھے آتا ہے مرے	ایک تو خوش ہو گیا اس خبر سے
بانگ میزد کاے مبشر باش شاد	واں دگر بشناخت بیہوش اوفتاد
اور کہا تو اے مبشر[1] خوش رہے	دوسرا پہچانا۔ ہوش اُس کے اُڑے
گرچہ جائے مژدہ است اے بیخبر	کہ در افتادیم در کان شکر
یہ ہے کیا مژدہ کی جا اے بیخبر	ہے ہمارے درمیاں کان شکر
وہم را مژدہ است پیش عقل نقد	زانکہ چشم وہم شد محجوب فقد
وہم کو مژدہ ہے۔ دانش کو نہیں	وہم کی آنکھیں ہیں پنہاں بالیقیں
کافراں را درد و مومن را بشیر	لیک نقد حال در چشم بصیر
کافروں کو درد۔ مومن کو بشیر	اور عین ذات بہر بصیر
زانکہ عاشق در دم نقد است مست	لاجرم از کفر و ایماں برتر است
کیونکہ عاشق کو ہے مستی ذات سے	کفر و ایماں سے وہ بالاتر رہے
کفر و ایماں ہر دو خود دربان اوست	کوست مغز و کفر و دیں او را دو پوست
کفر و ایماں دونوں ہیں دربان دوست	مغز وہ ہے۔ کفر و دیں اُسکے ہیں پوست
کفر قشر خشک رُو برتافتہ	باز ایماں قشر لذت یافتہ
کفر سوکھا چھلکا برگشتہ ہوا	اور ایمان پوست لذت سے بھرا
قشر ہائے خشک را جا آتش است	قشر پیوستہ بمغز جاں خوش است
آگ ہے سوکھے ہوئے چھلکوں کی جا	جو ہیں چپکے جان سے ہیں خوشنما
مغز خود از مرتبہ خوش برتر است	برتر است از خوش کہ لذت گستر است
مغز کو رتبے میں ہے خود برتری	کیونکہ ہے لبریز لذت گستری

---

[1] بشارت دینے والا ۔

این سخن پایاں ندارد باز گرد   تا برآرد موسیم از بحر گرد
یہ سخن بے حد ہے چل اب لوٹ کے   گر چلے تا موسیٰؑ نکالے بحر سے

در خور عقل عوام ایں گفتہ شد   از سخن باقی آں بنہفتہ شد
عام عقلوں کے مطابق کہہ دیا   وہ چھپایا میں نے جو باقی رہا

زر عقلت ریزہ است اے متہم   بر قراضہ مہر سکہ چوں نہم
ریزہ ریزہ زر ہے تیری عقل کا   مہر سکے کی لگے ریزوں پہ کیا

عقل تو قسمت شدہ بر صد مہم   بر ہزاراں آرزوے طم و رم
عقل تیری سو جگہ ہے بٹ چکی   مال و زر کی خواہشوں میں ہے پڑی

جمع باید کرد اجزا را بعشق   تا شوی خوش چوں سمرقند و دمشق
عشق سے پھر ریزہ ریزہ جمع کر   تا خوشی حاصل ہو تجھ کو سربسر

جو جوے چوں جمع گردو ز اشتباہ   پس تواں زد بر تو سکۂ پادشاہ
جمع جو جو کرکے جب ہو جائیگا   سکہ لگ جائیگا تجھ پہ شاہ کا

ور ز مثقالے شوی افزوں تو خام   از تو سازد شہ یکی زرینہ جام
ہو اگر مثقال سے افزوں تو خام   تو بنائے شاہ اک سونے کا جام

پس برو ہم نام و ہم القاب شاہ   باشد و ہم صورتش اے وصل خواہ
اس پہ بھی ہو نام اور القاب شاہ   شہ کی صورت بھی بنے اے وصل خواہ

تا کہ معشوقت بود ہم نان و آب   ہم چراغ و شاہد و نقل و شراب
کب تک آخر عشق قوتِ نان و آب   ہے چراغ اور شاہد و نقل و شراب

جمع کن خود را جماعت رحمت است   تا توانم با تو گفتن آنچہ ہست
ہے جماعت رحمت اب تو جمع ہو   کہہ سکوں میں تجھ سے پھر ہر بات کو

---

[1] یعنی میرا دل دوسری راہیں پیدا کرے۔ جسطرح حضرت موسیٰؑ نے دریائے نیل میں عصا مارکر بارہ راہیں ایسی پیدا کر دی تھیں۔ کہ وہ سوکھی ریت معلوم ہوتا تھا۔

زانکہ گفتن از برائے یاوریست　　جانِ شرک از یاوریِ حق بریست
کیونکہ کہنا ہے برائے یاوری　　جانِ شرک اللہ کی یاری سے بری
جان قسمت گشتہ در جوّ فلک　　در میانِ قسمت سودا مشترک
تیری جاں تقسیم ہے زیرِ فلک　　سینکڑوں سودا میں وہ ہے مشترک
پس خموشی بہ بود اورا ثبوت　　پس جوابِ احمقاں آمد سکوت
پس خموشی اس کا بہتر ہے ثبوت　　ہے جوابِ احمقاں بس اِک سکوت
ایں ہمیدانم ولے مستیٔ تن　　می کشاید بے مرادِ من دہن
جانتا ہوں سب مگر مستی مری　　کھول دیتی ہے دہن بے قصد بھی
آنچناں کز عطسہ و از خامیاز　　ایں دہاں گردد بناخواہِ تو باز
جس طرح اکثر جمائی چھینک سے　　تو نہ چاہے اور منہ تیرا کھلے

انی لاستغفر اللہ ربی فی کل یوم ... کی تفسیر

ہمچو پیغمبر ز گفتن وز نثار　　توبہ آرم روز من ہفتاد بار
مثلِ پیغمبر سخن سے پا کے سوز　　توبہ کر لیتا ہوں ستر بار روز
لیک آں مستی بود توبہ شکن　　منسی است ایں مستیٔ تن جامہ کن
ہے مگر توبہ شکن مستی مری　　یہ بھلا کر کرتی ہے جامہ دری
حکمتِ اظہارِ تاریخِ دراز　　مستیٔ انداخت بر دانائے راز
حکمتِ اظہارِ تاریخ دراز　　مست جس سے ہو گئے دانائے راز
رازِ پنہاں با چنیں طبل و علم　　آبِ جوشاں گشتہ از جف القلم
رازِ پنہاں کو طبل بھر شہر میں　　پانی تھا جف القلم سے جوش میں

۱؎ یعنی یہ تمام مخلوق اللہ تعالیٰ کے صورِ علمیہ میں جو تھی مگر حکمتِ الٰہی نے ایک مدتِ دراز کے بعد اسکا اظہار کیا یہ اسی حکمتِ الٰہیہ کیطرف اشارہ ہے کہ جف القلم بما ہو کائن یعنی کائنات کی کیفیت لکھنے

رحمتِ بیحد روانہ ہر زماں
خفتہ اید از درکِ آں اے مرداں
ہیں رواں ہر وقت دریا رحم کے
اور تم غافل ہو ان کے درک سے

من ندیدم تشنگی خواب آورد!
خواب آرد تشنگیٔ بے خرد
پیاسے کو نیند آئے یہ اچھی کہی
نیند لائے تشنگی بے عقل کی

خود خرد آنست کو از حق چرید
نے خرد کاں از عطارد آورید
عقل وہ ہے جس کا خالق ہے خدا
جو عطارد[1] سے ملے۔ بے عقل کیا

عقلِ جزوی قبر سے آگے نہیں دیکھ سکتی

پیشِ بینیٔ خرد تا گور بود
وآں صاحبدل بنفخ صور بود
قبر تک ہے صرف بینش عقل کی
اہل دل کی حشر تک ہے منتہی

ایں خرد از خاکِ گورے نگذرد
ویں قدم عرصہ عجائب نسپرد
یہ نہ جائے آگے خاکِ گور سے
یہ قدم کیونکر عجائب میں رکھے

زیں قدم ویں عقل رو بیزار شو
چشمِ غیبی جوی و برخوردار شو
اس قدم اور عقل سے بیزار ہو
غیب کی آنکھوں سے برخوردار ہو

ہمچو موسیٰ نور کے یابد جیب
سخرۂ استاد و شاگردِ کتیب
مثلِ موسیٰ نور کی کیا پائے تاب
خادمِ استاد و شاگردِ کتاب

زیں نظر ویں عقل ناید جز دوار
پس نظر بگذار و بگزیں انتظار
گردشِ سر ہے نظر اور عقل تار
اس نظر کو چھوڑ اور کر انتظار

از سخنگوئی مجوئید ارتفاع
منتظر را بہ ز گفتن استماع
کب ہو لسانی سے اونچا مرتبا
منتظر کو کہنے سے سننا بھلا

---

[1] حکماء کا قول ہے۔ کہ دنیا میں عقل عطارد کی تاثیر سے ہے •

منصبِ تعلیم نوعِ شہوتیست	ہر خیالِ شہوتی در رہ بتیست
نوعِ شہوت ہی ہے تعلیم اے فتا	ہے خیالِ شہوت اک بت راہ کا
گر بفضلش پے ببردے ہر فضول	کے فرستادے خدا چندیں رسولؐ
پاتا اس کے فضل کو گر ، فضول	کیوں خدا پھر بھیجتا اتنے رسولؐ
عقلِ جزوی ہمچو برقست و درخش !	در درخشے کے تواں شد سوئے وخش[1]
عقلِ جزوی میں ہے بجلی سی ضیا	اس چمک میں وخش نہ کوئی جائے گیا
نیست نورِ برق بہرِ رہبری	بلکہ امر است ابر را کہ می گری
کب ہو بجلی کی چمک سے رہبری	حکمِ گریہ ہے وہ بہرِ ابر ہی
برقِ عقلِ ما برائے گریہ است	تا بگرید نیستی در شوقِ ہست
اپنے رونے کو ہے بجلی عقل کی !	شوق میں ہستی کے روئے نیستی
عقلِ کودک گفت بر کتاب تن	لیک نتواند بخود آموختن
عقلِ بچہ حادیٔ مکتب ہو گر	خود کہاں تعلیم سے ہو بہرہ ور
عقلِ رنجور آردش سوئے طبیب	لیک نبود در دوا عقلش مصیب
آئے جب پیشِ طبیب اک مبتلا	ہو دواؤں میں نہ عقل اس کی رسا
نک شیاطیں سوئے گردوں می شدند	گوش بر اسرارِ بالا می زدند
جاتے تھے شیطان سوئے آسماں	سنتے تھے چھپ چھپ کے اسرارِ نہاں
می ربودند اندکے زاں رازہا	تا شہب میراندشاں زود از سما
کچھ چرا لیتے تھے ان اسرار سے	پھر شہاب[2] ان کے لئے قائم ہوئے
کہ روید آنجا رسولے آمدہ است	ہر چہ میخواہید ازو آید بدست
بس وہاں جاؤ۔ پیمبر ہیں وہاں	اور جو چاہو ان سے لیلو بیگماں

---

[1] خراسان کی ایک ولایت کا نام ہے۔ [2] وہ مشتعل بخارات جو تارے کی صورت میں ٹوٹتے اور زمین کی طرف رجوع ہوتے معلوم ہوتے ہیں :

گر همی جوئید دُرِّ بے بہا	ادخلوا الابیات من ابوابہا
گر ہو دُرِّ بے بہا کو ڈھونڈتے	تو گھروں میں جاؤ تم دروازوں سے
میزن آں حلقۂ در رب البیت	کز سوئے بام فلک تاں راہ نیست
دیجے دستک پھر کرو تم انتظار	کب تمہیں سمتِ فلک ملتا ہے بار
نیست حاجت تا بدیں راہِ دراز	خاک پے را داده ایم اسرارِ راز
پھر ضرورت کیا ہے یہ راہِ دراز	دے دیے انساں کو ہم نے اپنے راز
پیش او آئید اگر خائن نہ اید	نیشکر گردید از وَے گرچہ نئید
گر نہیں خائن تو آؤ سامنے	نیشکر بن جاؤ اب تک نے رہے
سبزه رویاند ز خاکت آں دلیل	نیست کم از رستم اسپِ جبرئیلؑ
خاک سے سبزہ اُگا دیں یہ دلیل	ان کا گھوڑا بھی ہے اسپِ جبرئیلؑ
سبز گردی تازه گردی از نوی	گر تو خاکِ اسپِ جبرئیلؑ شوی
سبز ہو کر تازگی پائے نئی !	تو ہو خاکِ اسپ اک جبرئیلؑ کی
سبزۂ جاں بخش کاں زاں سامری	کرد در گوسالہ تا شد گوہری
سبزۂ جاں بخش جس کو سامری	بھر دے گوسالے میں جو ہو گوہری
جاں گرفت و بانگ زد زاں سبزه او	آنچناں بانگے کہ شد فتنۂ عدو
جان پائے بانگ اُس سبزے سے وہ	وہ صدا کافر کو جو مفتوں کرے
گر ہمیں آئید سوئے اہلِ راز	وارہید از سرِ کلہ مانند باز
ہوا میں تو جاؤ سوئے اہلِ راز	پھینکو اس ٹوپی کو جو ہے مثلِ باز

لہ دیکھا شدہ ت سامری، سامرہ کا رہنے والا ایک شخص تھا، جس نے عہدِ موسیٰؑ میں ایک بچھڑا سونے کا بنایا، اور جبرئیلؑ کے پاؤں کی خاک سے جو سبزہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دیا، وہ بچھڑا اس سبزہ کی برکت سے بولنے لگا، اور اکثر لوگ اس کی پرستش کرنے لگے۔ جبرئیلؑ غرقِ فرعون کے وقت گھوڑے پر سوار ہو کر آئے تھے اور سامری جادوگر نے ان کو پہچان لیا تھا۔

سر کلاہِ چشم بند و گوش بند   کہ از و باز است مسکین و نژند
آنکھیں اس سے بند ہیں اور کان بھی   باز مسکیں ہے پریشاں واقعی

زآں کلہ بستہ چشمِ باز اول شدہ ست   کہ ہمہ میلش سوئے جنس خود است
باز کے سر پہ ازل سے ہے کلاہ   کیونکہ اپنی جنس کی تھی اس کو چاہ

چوں ببرید از جنس باشہ گشت یار   برکشاید چشم او را باز وار
جنس کو چھوڑا ۔ ہوا جب شہ کا یار   کھول دیں آنکھیں پھر اس کی ایک بار

راندہ دیوان حق از مرصاد خویش   عقل جزوی را ز استبداد خویش
یہ ہیں شیطان راندۂ راہِ خدا   عقل جزوی بھی جو تھی خود آشنا

کہ سری کم کن نہ تو مستبد   بلکہ شاگردِ دلی و مستعد
تو نہیں قابل نہ کر یوں خودسری   خود پسندی چھوڑ شاگردِ دلی

رو بدل زانکہ تو جزوِ دلی   ہیں کہ بندۂ پادشاہِ عادلی
دل کے آگے جا کہ جزوِ دل ہے تو   حکم بردارِ شہِ عادل ہے تو

بندگی او بہ از سلطانی است   کہ انا خیر[1] دمِ شیطانی است
بندگی اس کی ہے شاہی سے سوا   ہے "انا خیر منہ" سبق شیطان کا

فرق بیں و برگزیں تو اے حبیس   بندگی آدمؑ از کبر بلیس!
فرق دیکھ اور بندگی میں سر جھکا   بندگی آدمؑ کی کبر ابلیس کا

گفت آنکہ ہست خورشید رہ او   حرفِ طوبیٰ[2] ہر کہ ذلت نفسہٗ
آفتابِ راہ فرماتے ہیں یوں   اے خوشا وہ نفس جس کا ہے زبوں

سایۂ طوبیٰ ببیں و خوش بخسپ   سر منہ در سایۂ سرکش مخسپ
سایۂ طوبیٰ میں میٹھی خواب ہو   نفس سرکش کے تو سائے میں نہ سو

---

[1] یعنی میں بہتر ہوں ۔

[2] حدیث شریف ہے کہ طوبیٰ لمن ذلت نفسہٗ ۔

ذل ذلت نفس خوش مضجعے ست	مستعدان صفا را مضجعے ست
نفس کی ذلت ہے اچھی خوابگاہ	اہل استعداد میں آرام خواہ
گر ازیں سایہ روی سوئے منی	زود طاغی گردی و رہ گم کنی
گر تو اس سائے سے نخوت میں گیا	ہوگا باغی گم کرے گا راستہ

یا ایہا الذین آمنوا لا تقدموا… کی تفسیر

چوں نبی نیستی ز امت باش	چونکہ سلطاں نہ رعیت باش
گر نبی تو نہیں تو امت بن	تو جو سلطاں نہیں رعیت بن
پس رو خامشان خامش باش	وز خودی روئے زحمتے متراش
پیروی کر خموش لوگوں کی	کیوں ہے زحمت طلب خودی تیری
پس برو خاموش باش از انقیاد	زیر سایۂ شیخ و امرِ استاد
پس تو رہ خاموش اور رکھ اعتقاد	زیر سایہ شیخ و حکم استاد
پس برو صامت شو و خاموش باش	از وجود خود خیالے کم تراش
پس تو جا اور بند کر اپنی زبان	کر نہ پیدا ذات میں اپنی گمان
ورنہ گرچہ مستعد و قابلی	مسخ گردی تو ز لاف کاملی
چاہے جتنا لائق و قابل ہے	مسخ ہو تو کاملی کی لاف سے
ہم ز استعداد وا مانی اگر	سرکشی ز استادِ راد با خبر
ہو تو کورا اپنی دانائی سے بھی	گر کرے استاد سے تو سرکشی
صبر کن در موزہ دوزی دلسوز	ور شوی بے صبر باشی پارہ دوز
موزہ سینے میں تو کر صبر اے فتا	ورنہ بے صبری سے جوتے گانٹھے گا
کہنہ دوزاں گر بدے شاں صبر و حلم	جملہ نو دوزاں شدندے ہم بعلم
صبر کرتے گر پرانے گفش دوز	علم اور تجدید ہوتی دلفروز

لہ قولہ تعالیٰ۔ یا ایہا الذین آمنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ۔ یعنی اے ایمان والو اپنے قول و فعل میں خدا اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھو۔

پس بکوشی و بآخر از کلال
خود بخود گوئی کہ العقلُ عقال
بعد کوشش ہو کے غم میں مبتلا
خود کہے تو عقل ہے زنجیرِ پا

ہمچو آں مردِ مفلسف روزِ مرگ
عقل را مید ید بس بے بال و برگ
جیسے مرتے وقت مردِ فلسفی
دیکھتا تھا عقل کی بس عاجزی

بے غرض میکرد آں دم اعتراف
کز ذکاوت راندیم اسپ از گزاف
خالصاً اقرار پھر اُس دم کیا
تھا عبث جس کو اپنے ذہن کا

از غروری سرکشیدیم از رجال
آشنا گردیم در بحرِ خیال
میں نے اہل اللہ سے کی سرکشی
تیرا دریائے تخیل میں سبھی

آشنا ہیچ است اندر بحرِ روح
نیست آنجا چارہ جز کشتیِ نوحؑ
تیرنا ہے ہیچ یہ ہے بحرِ روح
کام دیتی ہے یہاں کشتیِ نوحؑ[1]

اینچنیں فرمود آں شاہِ رُسُل
کہ منم کشتی دریں دریائے کُل
ہے یہی ارشادِ سلطانِ رُسُلؐ
میں ہوں کشتی یہ جہاں دریائے کُل

یا کسے کو در بصیرتہائے من
شد خلیفہ راستیں بر جائے من
یا وہ ہے جس میں بصیرت ہے مری
جانشینی ہے جسے میری ملی

کشتیِ نوحیم[2] در دریا کہ تا
رو نگردانی ز کشتی اے فتےٰ
میں ہوں اس دریا میں کشتی نوحؑ کی
تا کہ اس سے منہ نہ پھیرے تو اخی

ہمچو کنعاں سوئے ہر کوہے مرو
از نبیؐ لا عاصم الیوم شنو
مثلِ کنعانؑ رُخ نہ کر ہر کوہ کا
اور سن "لا عاصم الیوم" ذرا

بینماید پست ایں کشتی ز بند
بینماید کوہ فکرت بس بلند
پست ہے نظروں میں کشتی تو ہے بند
فکر آتی ہے نظر کو و بلند

---

[1] پیرِ نوحؑ
[2] آج کوئی پناہ دینے والا نہیں +

پست منگر ہاں ہاں ایں پست را   بنگر آں فضل خدا پیوست را
جانب پستی نہ کر اپنی نظر   مطلقاً فضل خدا پہ غور کر
در بلندی کوہ و فکرت کم نگر   کہ یکے موجش کند زیر و زبر
دیکھ او نچائی نہ کوہ و فکر کی   منہدم اک موج میں ہو جائیگی
گر تو کنعانی نداری باورم   گر دو صد چنداں نصیحت آورم
تو جو کنعاں ہے یقیں کیونکر کرے   چند میں ایسے جو دوں دو سو تجھے
گوش کنعاں کے پذیرد ایں کلام   کہ برو مہر خدا ایست و ختام
کان کنعاں کے سنیں کب یہ کلام   مہر حق اس پہ لگی ہے تا دوام
کے گذارد موعظہ بر مہر حق   کے بگرداند حدث حکم سبق
چند کیا ہے مہر حق کے روبرو   کب ہے ٹوٹا تا حدث[1] حکم وضو
لیک میگویم حدیث خوش پئی   بر امید آنکہ تو کنعاں نۂ
اچھی باتیں کر رہا ہوں بالیقیں   اس توقع پر کہ تو کنعاں نہیں
آخر ایں اقرار خواہی کرد ہیں   ہم ز اوّل روز آخر را ببیں
ماننا آخر پڑے گا بے خبر   کر لے اوّل ہی میں آخر پہ نظر
میتوانی دیدہ آخر را مکن   چشم آخر بینت را کور و کہن
جب پہنچ سکتی ہے آخر پہ نظر   چشم آخر بیں کو تو اندھا نہ کر
ہر کہ آخر بیں تر او مسعود وار   نبودش ہر دم بہ رہ رفتن عثار
نیک دل ہے وہ جو ہے انجام بیں   ہر دم اس کو راہ میں لغزش نہیں
گر نخواہی ہر دمے ایں خفت و خیز   کن ز خاک پائے مردے چشم تیز
ہے اگر لغزش سے بچنا اے فتا   خاک صاحبدل کی آنکھوں میں لگا
کحل دیدہ ساز خاک پاش را   تا نیندازی سر اوباش را
اس کی خاک پا کا تو سرمہ لگا   سر نہ جب تک ہو نگوں اس نفس کا

---

[1] بے وضو ہونا ◆

گرازیں شاگردی وزیں افتقار　　سوزنے باشی شوی تو ذوالفقار
گر کریگا عجز ایسا اختیار　　سوئی ہوگا بھی، تو ہوگا ذوالفقار

سرمہ کن تو خاکِ ایں بگزیدہ را　　ہم بسوزد ہم بسازد دیدہ را
اس ولی کی خاک کو سرمہ بنا　　سوز و ساز چشم اس سے پائیگا

چشم روشن کن ز خاکِ اولیا　　تا بہ بینی ز ابتدا تا انتہا
لے بصیرت اولیا کی خاک سے　　ابتدا سے انتہا تک دیکھ لے

چشمِ اشتر زاں بود بس نور بار　　کو خورد از بہرِ نورِ چشم خار
اونٹ کی آنکھ اس لئے ہے نور بار　　بہرِ نورِ چشم کھاتا ہے وہ خار

خار خور تا گل بروئیاند ترا　　چشم تو روشن شود جان باصفا
خار کھا تا پھول آئیں بے ریب و لاف　　آنکھ ہو روشن تری اور روح صاف

خار را از چشمِ دل گر برکنی　　چشمِ جاں را حق ببخشد روشنی
گر نکالے خار دل کی آنکھ سے　　چشمِ جاں کو روشنی اللہ دے

اونٹ اور خچر کا قصہ

اشترے را دید روزے استرے　　چونکہ با او جمع شد در آخرے
اونٹ سے اک دن یہ خچر نے کہا　　دونوں چارہ کھا رہے تھے ایک جا

گفت من بسیار می افتم بہ رو　　در گریوہ و راہ و در بازار کو
منہ کے بل گرنے میں ہیں سو آفتیں　　ٹیلے پہ یا راہ اور بازار میں

کو چہ در رُو می فتم بسیار من　　در رہِ ہموار و ناہموار من
منہ کے بل یوں گرتا ہوں میں دیکھ لو　　راہ ناہموار یا ہموار ہو

خاصہ از بالائے کوہ تا زیرِ کوہ　　در سر آیم ہر زمانے از شکوہ
بالخصوص آتا ہوں گر کر کوہ سے　　کوہ کے دامن میں یہ غم ہے مجھے

کم ہمی افتی تو در رہ بہر چیست	یا مگر خود جان پاکت دو تیست
تو نہیں گرتا ہے منہ کے بل کبھی	یہ گزیدہ کیا ہے تیری جان ہی
در سر آیم ہر دم و ز زانو زنم	پوز و زانو ز آن خطا پر خوں کنم
سر کے بل گرتا ہوں زانو ٹیک کر	خون میں بھرتے ہیں زانو اور سر
گر شود پالاں و رختم بر سرم	از مکاری ہر زماں زخمے خورم
پیٹھ پہ ساماں اگر کچھ ہو لدا	ہے کرانے والا مجھ کو پیٹتا
ہمچو کم عقلے کہ از عقل تباہ	بشکند توبہ ہر دم از گناہ
عقل ہو کم عقل کی جیسے تباہ	توبہ توڑے ہر گھڑی کرکے گناہ
سخرۂ ابلیس گردد در زمن	از ضعیفی رائے آں توبہ شکن
ہو تماشا دہر میں ابلیس کا	توڑ کر توبہ وہ کم فہم و ذکا
در سر آید ہر زماں چوں اسپ لنگ	کہ بود بارش گراں و راہ سنگ
سر کے بل گرتا ہے مثل اسپ لنگ	جس کا بوجھا ہو گراں اور راہ تنگ
میخورد از غیب بر سر زخم او	از شکست توبہ آں ادبیر جو
زخم کھاتا ہے وہ سر پہ غیب سے	یہ کرشمے ہیں شکست توبہ کے
باز توبہ میکند با رائے سست	دیو دردم باز توبہ را شکست
سست رائی سے وہ پھر توبہ کرے	توبہ پھر شیطان اسکی توڑ دے
ضعف اندر ضعف و کبرش آنچناں	کہ بخواری بنگرد در واصلاں
ضعف پہ ہو ضعف اور مغرور وار	واصلان حق کو سمجھے خوار و زار
اے شتر کہ تو مثال مومنی	کم فتی در رو و کم بینی زنی
اے شتر تو مثل مومن کے ہے پاک	تو نہ گرتا ہے نہ رگڑتا ہے ناک
تو چہ داری کہ چنیں بے آفتی	بے عثاری و کم اندر رو فتی
کس لئے آفت نہیں تجھ پہ کوئی	ہے نہ لغزش اور نہ گرتا ہے کبھی

گفت گرچہ سر سعادت از خداست   در میان ما و تو بس فرقہاست
دوست بولا۔ یہ ہے لطفِ کبریا   فرق لیکن مجھ میں تجھ میں ہے بڑا
سربلندم من دو چشم من بلند   بینشِ عالی امانست از گزند
سر میرا اونچا ہے۔ آنکھیں ہیں بلند   ہیں نظری سے ہوں محفوظ گزند
از سرِ کُہ من بہ بینم پائے او   ہر گو و ہموار را من تو بتو
کوہ کی چوٹی سے میں ہوں دیکھتا   ہر گڑھا، ہموار، ہر اک راستا
ہمچنانکہ دیدہ و صدرِ اجل   پیش کارِ خویش تا روزِ اجل
جیسے ہے اک برگزیدہ دیکھتا   اپنے ہر اک کام کو تا انتہا
آنچہ خواہد بود بعدِ شصت سال   داند اندر حال آں نیکو خصال
ہوتی ہے جو بات بعدِ شصت سال   جانتا ہے وہ ابھی سے اُس کا حال
حال خود تنہا ندید آں متّقی   بلکہ حالِ مغربی و مشرقی
اُس نے دیکھا حال اپنا ہی نہیں   مغرب و مشرق کا ہے وہ حال بیں
نور در چشم و دلش سازد سکن   بہر چہ سازد پئے حبّ الوطن
نور اس کی چشم و دل میں ضو فگن   تا کہ وہ دیکھا کرے حبّ الوطن
ہمچو یوسفؑ کو بدید اوّل بخواب   کہ سجودش کرد ماہ و آفتاب
جس طرح یوسفؑ نے دیکھا تھا وہ خواب   کرتے ہیں سجدہ اُنہیں مہ آفتاب
از پس دہ سال بلکہ پیشتر   آنچہ یوسفؑ دیدہ بُد بر کرد سر
دس برس میں بلکہ اس سے پیشتر   تھا جو کچھ دیکھا۔ ہوا وہ جلوہ گر
نیست آں ینظر بنور اللہ گزاف   نور ربّانی بود گردوں شگاف
کب غلط ہے ینظر بنور اللہ” ہے   یہ شگافِ چرخ والا جاہ ہے
نیست اندر چشمِ تو آں نورِ رُو   ہستی اندر حسِّ حیوانی گرو
تیری آنکھوں میں نہیں وہ نورِ جا   حسِ حیوانی میں تو ہے مبتلا

تو ز ضعفِ چشم بینی پشتِ پا	تو ضعیف و ہم ضعیفت پیشوا
دیکھتا ہے صرف اپنی پشتِ پا	تو ہے کمزور اور تیرا پیشوا
پیشوا چشم است دست و پائے را	کو بہ بیند جائے را نا جائے را
آنکھ ہاتھ اور پاؤں کی ہے پیشوا	دیکھتی ہے جا و بے جا برملا
دیگر آنکہ چشمِ من روشن تر است	دیگر آنکہ خلقتِ من اطہر است
دوسرے ہے آنکھ روشن تر مری	پاک ہے پیدائش اطہر مری
زانکہ من ہستم ز اولادِ حلال	نے ز اولادِ زنا و اہلِ ضلال
سب مجھے کہتے ہیں اولادِ حلال	ہے زنا کب میری خلقت کا زوال
تو ز اولادِ زنائی بے گماں	تیر کژ پرّد چو کژ باشد کماں
تو اک اولادِ زنا ہے بیگماں	تیر کج نکلے جو ٹیڑھی ہو کماں

خچر کا اونٹ کے جواب کی تصدیق کرنا

گفت استر راست گفتی اے شتر	ایں بگفت و چشم کرد از اشک پُر
بولا خچر سچ کہا یا اے شتر	یہ کہا اور آنکھ کی اشکوں سے پُر
ساعتے بگریست و در پایش فتاد	گفت اے بگزیدۂ ربُّ العباد
رویا اور قدموں پہ اُس کے گر پڑا	اور کہا مقبولِ درگاہِ خدا!
چہ زیاں دارد گر از فرخندگی	در پذیری تو مرا در بندگی!
تیرا کیا نقصان ہو جائے اگر	اپنی خدمت سے بنائے مفتخر
فضلِ تو بر من فزوں است از شمار	ہم بفضلِ خود مرا معذور دار
تیرا رتبہ مجھ سے بے حد ہے بڑا	اب معافی دے اُسی کا واسطہ
گفت چوں اقرار کردی پیشِ من	رو کہ رستی تو ز آفاتِ زمن
اونٹ بولا، اب مقر تو ہو گیا	ہو گیا کل آفتوں سے جا رہا

دادی انصاف و رہیدی از بلا
تو عدو بودی شدی اہل ولا
ہر بلا سے چھوٹ گیا اے نیک خو
اب ہوا تو دوست پہلے تھا عدو

خوئے بد در ذاتِ تو اصلی نبود
کز بد اصلی نیاید جز جحود
خوے بد اصلی تری ہرگز نہ تھی
جو ہو ذاتی بد۔ کیے انکار ہی

آں بدِ عاریتی باشد کہ او
آرد اقرار و شود او توبہ جو
وہ یقیناً ہوتا ہے بد عارضی
جو کرے اقرار بھی اور توبہ بھی

ہمچو آدمؑ زلتش عاریہ بود
لاجرم اندر زماں توبہ نمود
مثل آدمؑ اس کی لغزش عارضی
وقت پہ کرتا ہے توبہ واقعی

چونکہ اصلی بود جرم آں بلیس
رہ نبودش جانب توبہ نفیس
چونکہ اصلی جرم تھا شیطان کا
پھر وہ توبہ نہ ہرگز پا سکا

رو کہ رستی از خود و از خوئے بد
و ز زبانہ نار و از دندان دد
جا خودی اور خوئے بد سے چھوٹ گیا
آگ سے تو اور درندوں سے بچا

رو کہ اکنوں دست در دولت زدی
در فگندی خود بہ بختِ سرمدی
جا۔ کہ دولت مل گئی تجھ کو بڑی
مل گیا اب تجھ کو بختِ سرمدی

اُدخلی تو در عبادی یا فتی
ادخلی فی جنتی در تافتی
داخل[1] بندوں میں تجھے اُس کو ملا
گویا تو فردوس میں داخل ہوا

در عبادش راہ کردی خویش را
رفتی اندر خلد از راہِ خفا
اس کے بندوں میں جو تو شامل ہوا
راہ پوشیدہ سے جنت میں گیا

اہدنا گفتی صراطِ مستقیم
دست تو بگرفت و بردت تا نعیم
اہدنا سے شکر "صراطِ مستقیم"
لے گئی خود سوئے فردوس نعیم

[1] قولہ تعالیٰ جل جلالہ و عم نوالہٗ "فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی" یعنی پس میرے بندوں میں شامل ہو جا اور فردوس میں داخل ہو۔

نار بودی نور گشتی اے عزیز   غورہ بودی گشتی انگور و مویز
نار تھا۔ اب نور گویا بن گیا   کچّا تھا انگور۔ اب پختہ ہوا
اختر بودی شدی تو آفتاب   شاد باش اللہ اعلم بالصواب
تو ستارہ تھا۔ بنا اب آفتاب   شاد ہو واللہ اعلم بالصواب
اے ضیاء الحق حسام الدینؒ بگیر   شہد خویش اندر فگن در حوض شیر
اے ضیاء الحق یہی ہیں حسرتیں   شہد اپنا ڈال حوض شیر میں
تا رہد آں شیر از تغیر طعم !   یابد از بحر مزہ تکثیر طعم
تا نہ ہرگز دودھ کا بدلے مزا   با مزہ ہو کر پیا جائے سوا
متصل گردد بداں بحر الست   چونکہ شد دریا ز ہر تغییر رست
اور دریائے ازل سے ہو قریں   چھوٹے ہر تغییر سے پھر بالیقیں
منفذے یابد در آں بحر عسل   آفتے را نبود اندر وے عمل
شہد کے دریا میں پائے راستا   پھر نہ آفت میں کبھی ہو مبتلا
غرّہ کن شیر وار اے شیر حق   تا رود آں غرّہ بر ہفتم طبق
نعرہ مثل شیر کر اے شیر حق   گونج اٹھیں جس سے یہ ساتوں طبق
چہ خبر جانِ ملول سیر را   کے شناسد موش غرّہ شیر را
آشنا کیا اس سے ہوگے لالچی   چوہا کیا جانے گرج کو شیر کی
بر نویس احوالِ خود با آبِ زر   بہر ہر دریا دلے عالی گہرؒ
آبِ زر سے حال اپنے لکھدیاں   تا کہ دریا دل ہوں اس سے شادماں
آب نیلست ایں حدیث جانفزا   یاربش در چشم قبطی خوں نما
نیل ہے میری حدیث جانفزا   خوں اسے کر چشم قبطی میں خدا

ایک قبطی کا سبطی کی خوشامد کرنا

می شنیدم کہ در آمد قبطیے   از عطش اندر وثاق سبطیے
آیا اک قبطی یہ میں نے ہے سنا   پاس سبطی کے جو اپنے گھر میں تھا

گفت ہستم یار و خویشاوند تو   گشتہ ام امروز حاجتمند تو
بولا ہم تیرے عزیز اور خویش ہیں   اب ہمیں کچھ حاجتیں درپیش ہیں

زانکہ موسیٰؑ جادوئے کرد و فسوں   تا کہ آب نیل ما را کرد خوں
کیونکہ موسیٰؑ نے ہے جادو کر دیا   خون آب نیل ہم پہ ہو گیا

سبطیاں زاں آب صافی میخورند   پیش قبطی خوں شد آب از چشم بند
سبطی آب صاف پیتے ہیں فزوں   قبطیوں کو ہے نظر بندی سے خوں

قبطیاں نک میمرند از تشنگی   از پے ادبیر خود یا بد رگی
قبطیوں کی جان لیوا تشنگی   اُن کی بدبختی سے ہے پیچھے پڑی

بہر خود یک طاس را پُر آب کن   تا خورد از آبت ایں یار کہن
پانی کا اپنے لئے اک ظرف بھر   تا یہ تیرا یار کرلے حلق تر

چوں برائے خود کنی ایں طاس پُر   خوں نباشد آب باشد پاک و حر
تو بھریگا ظرف جب اپنے لئے   وہ نہ ہوگا خون آب صاف سے

من طفیل تو بنوشم آب ہم   کہ طفیلی در تبع بجہد ز غم
میں بھی صدقے میں ترے پانی پیوں   اور طفیلی بن کے اس غم سے چھٹوں

گفت ایجانِ جہاں خدمت کنم   پاس دارم اے دو چشم روشنم
بولا سبطی میں تو خادم ہوں ترا   تو مری آنکھوں کا نور باصفا

بر مرادِ تو روم شادی کنم   بندۂ تو باشم آزادی کنم
خوش ہوں میں چلکر ترے حسب مراد   تیرا بندہ بن کے ہوں آزاد و شاد

طاس را از نیل او پر آب کرد　　بر دہاں بنہاد نیمے را بخورد
ظرف آب نیل سے اس نے بھرا　　منہ لگا کر نصف پانی پی گیا

طاس را کژ کرد سوئے آبخواہ　　کہ بخور تو ہم شد آں خون سیاہ
ظرف کو پھر اس کے آگے کج کیا　　اور کہا پی لے مگر وہ خون تھا

باز آں سو کرد کژ خوں آب شد　　قبطی اندر خشم و اندر تاب شد
کج کیا اپنی طرف ، پانی ہوا　　اس سے بس قبطی کو غصہ آ گیا

ساعتے بنشست تا خشمش برفت　　بعد ازاں گفتش کہ اے صمصام زفت
بیٹھا وہ کچھ دیر جب غصہ مٹا　　بولا اے شمشیر بُرّان صفا

اے برادر ایں گرہ را چارہ چیست　　گفت ایں را آں خورد کو متقی ست
اے برادر یہ گرہ کیونکر کھلے　　بولا سبطی۔ متقی اس کو پیے

متقی آنست کو بیزار شد　　از رہ فرعون و موسیٰ وار شد
متقی وہ ہے کہ جس نے چھوڑ دی　　راہ فرعون اور ہوا پھر موسوی

قوم موسیٰ شو بخور ایں آب را　　صلح کن با مہ ببیں مہتاب را
پھر تو موسیٰ ہو۔ اس پانی کو پی　　چاند سے ہو میل۔ دیکھے چاندنی

صد ہزاراں ظلمتست از خشم تو　　بر عباد اللہ اندر چشم تو
ظلمتیں دنیا پہ ہیں چھائی ہوئی　　قہر حق سے دیکھتا ہے تو اخی

خشم بنشاں چشم بکشا شاد شو　　عبرت از یاراں بگیر استاد شو
چھوڑ غصہ۔ کھول آنکھیں شاد ہو　　اوروں سے عبرت لے اور استاد ہو

کے طفیل من شوی در اغتراف　　چوں ترا کفریست ہمچوں کوہ قاف
چلو پانی سے طفیل ہو میرا　　کفر جب ہے قاف کی صورت ترا

کوہ در سوراخ سوزن کے رود　　جز مگر آں کوہ برگ کہ شود
سوئی کے ناکے میں جائے کوہ کیا　　کاہ بن جائے تو ممکن ہے فتا

کوہ را کہ کن با استغفار خوش	جام مغفوراں بگیر و خوش بکش
کوہ کو کر کاہ استغفار سے	جام مغفوروں کا پی گر ہو سکے
تو بدیں تزویر چوں نوشی از آں	چوں حرامش کرد حق بر کافراں
مکر سے کیوں کر پیئے اے تشنہ کام	حق نے کافر پر کیا اس کو حرام
خالقِ تزویر تزویرِ ترا	کے خرد اے مفتری مفترا
خالقِ تزویر مکاری تری	کس طرح کرے قبول اے مفتری
آلِ موسیٰ شو کہ حیلت سود نیست	حیلات بادہی پیمود نیست
آلِ موسیٰ ہو کہ حیلہ ہے بُرا	یہ تو ہے گویا ہوا کا ماپنا
زہرہ دارد آب کز امرِ صمد	گردد او با کافراں آبی کند
کیا مجال آب اُس کے حکم سے	پھر کے کافر کے لئے پانی بنے
یا تو پنداری کہ تو ناں میخوری	زہر مار و کاہشِ جاں میخوری
یا سمجھتا ہے کہ تو کھاتا ہے ناں	زہر مارا ور کاہشِ جاں ہے یہاں
ناں کجا اصلاحِ آں جانے کند	کو دل از فرمانِ جاں دہ بر کند
روح کی اصلاح کب روٹی کرے	کھانے والا حکم حق سے جب پھرے
یا تو پنداری کہ حرفِ مثنوی	چوں بخوانی رایگانش بشنوی
یا سمجھتا ہے کہ درسِ مثنوی	رائیگاں ہے جب تو سنتا ہے کبھی
یا کلامِ حکمت و سرِّ نہاں	اندر آید سہل در گوشِ کہاں
یا کلامِ حکمت اور رازِ نہاں	ہیں سماعت کے لئے سہل رائیگاں
اندر آید لیک چوں افسانہا	پوست بنماید نہ مغز و دانہا
مثل افسانے کے جاتے ہیں یہاں	پوست آتے ہیں نظر دانے کہاں
در سر و در رو کشیدی چادرے	رو نہاں کردہ ز چشمت دلبرے
تو نے منہ اور سر پہ چادر تان لی	چھپ گیا ہے تجھ سے وہ دلدار بھی

شاہنامہ یا کلیلہ پیش تو
ہمچناں باشد کہ قرآں از عتو
شاہنامہ اور کلیلہ[1] ہیں تجھے
مثل قرآں کے کہ تو سرکش رہے

فرق آنگہ باشد از حق و مجاز
کہ کند کحل عنایت چشم باز
ظاہر و باطن میں ہو فرق آشکار
جب کھلیں آنکھیں بفضل کردگار

ورنہ پشک و مشک پیش اخشمے
ہر دو یکسانست چوں نبود شمے
ورنہ بیچ ہو مشک یا ہو مینگنی
شامّہ کم ہو تو یہ ہیں ایک ہی

خویشتن مشغول کردن از ملال
باشدش قصد از کلام ذوالجلال
قصۂ رنج و الم ہو مختصر
ہے کلام حق سے یہ مقصد اگر

کآتش وسواس را و غصہ را
زاں سخن بنشاند و سازد دوا
آگ وسواس اور غصے کی بجھے
اور کلام حق دوا اس کی بنے

بہر ایں مقدار آتش شاندن
آب پاک و بول یکساں شد بفن
آگ اتنی سی بجھا دینے کو کیا
پانی اور پیشاب یکساں ہو گیا

آتش وسواس را ایں بول و آب
ہر دو بنشانند ہمچوں خمر[2] و خواب
وسوسے کی آگ پیشاب اور آب
ہیں بجھا سکتے مثال خمر[2] و خواب

لیک گر واقف شوی زیں آب پاک
کہ کلام ایزدست و روحناک
تو اگر ہو آشنائے آب پاک
جو کلام حق ہے اور ہے روح ناک

نیست گردد وسوسہ کلی زجاں
دل بیابد رہ بسوئے گلستاں
وسوسے سب روح کے جاتے رہیں
راستے دل کے سوئے گلشن کھلیں

زانکہ در باغے و در جوئے پرد
ہر کہ از ستر صحف بوئے برد
کیونکہ نہر و باغ کی جانب اڑے
جو صحیفوں کے ہو واقف بھید سے

---

[1] یعنی افسانۂ کلیلہ و دمنہ ◆

[2] شراب ◆

یا تو پنداری کہ روئے انبیاء
آنچنانکہ ہست می بینیم ما
یا تو یہ سمجھے کہ رُوئے انبیاء
ویسا ہی ہے جیسا میں ہوں دیکھتا

در تعجب ماندہ پیغمبر ازاں
چوں نمی بینند روئیم مومناں
ہیں پیمبرؐ خود تعجب میں پڑے
چہرہ مومن کیوں نہیں ہیں دیکھتے

چوں نمی بینند نورِ روم خلق
کہ سبق بردہ است بر خورشید شرق
کیوں نہیں اس نور کو وہ دیکھتے
جو ہے سبقت لے گیا خورشید سے

ور ہمی بینند ایں حیرت چرا ست
تا کہ وحی آمد کہ آں رُو در خفا ست
دیکھتے ہیں تو یہ آگاہی ہے کیا
وحی آتی ہے کہ چہرہ ہے چھپا

سوئے تو ماہ ست و سوئے خلق ابر
تا نہ بیند رایگاں روئے تو گبر
تیری جانب چاند ان کی سمت ابر
تا نہ دیکھیں تیرا روئے پاک گبر

سوئے تو دانہ ست سوئے خلق دام
تا ننوشد زیں شراب خاص عام
دانہ تیری سمت سُوئے خلق دام
تا نہ اس مے کو پئیں سب خاص و عام

گفت یزداں کہ تراہم ینظرون
نقش حمامند ہم لا یبصرون
قول یزداں ہے تراہم[1] ینظرون"
نقش ہیں حمام کے "لا یبصرون"

می نماید صورت آں صورت پرست
کاں دو چشم مردۂ او ناظر است
ہے دکھاتا ایک صورت نقش گر
کہتا ہے آنکھوں میں اُس کی ہے نظر

پیش چشم نقش می آری ادب
کہ چرا پاسم نمی دارد عجب
تو ہے چشم نقش کا کرتا ادب
پاس گو تیرا نہیں اس کو عجب

از چہ بس بے پاسخ است ایں نقش نیک
کہ نمی گوید سلامم را علیک
تو ہے کہتا نقش تو ہے لاجواب
پر سلاموں کا نہیں دیتا جواب

---

[1] یعنی خداتعالیٰ بزرگ و برتر فرماتا ہے "وتراہم ینظرون و ہم لا یبصرون" یعنی تو ان کو دیکھتا ہے کہ وہ تجھ کو دیکھ رہے ہیں اور حال یہ ہے کہ وہ نہیں دیکھتے۔

می نجنباند سر و سبلت ز جود	پاس آنکہ کردمش من صد سجود
سر ہلاتا ہے، دو مونچھیں لطف سے	میں نے گو اس کو بہت سجدے کئے
حق اگر چہ سر نجنباند بروں	پاس آں ذوقے دہد در اندروں
سر کو گو جنبش نہیں دیتا خدا	دل میں اک لذت ہے لیکن بخشتا
کہ دو صد جنباندن سر ارزد آں	سر چنیں جنباند آخر عقل و جاں
جو ہے دو سو سر ہلانا بر ملا	عقل و جاں بھی ہیں یہ بھی جنبش بنا
عقل را خدمت کنی تو زاجتہاد	پاس عقل آنست کافزاید رشاد
تو جو اپنی عقل کی خدمت کرے	تو ہدایت اس کی جانب سے بڑھے
حق نجنباند بظاہر سر ترا	لیک سازد بر سراں سرور ترا
حق ہلاتا گو نہیں ظاہر میں سر	سروروں پہ کرتا ہے سرور مگر
مر ترا چیزے دہد یزداں نہاں	کہ سجود تو کنند اہل جہاں
دیگا خالق تجھ کو ایسی شے نہاں	سجدہ ریز آگے ترے ہو سب جہاں
آنچناں کہ داد سنگے را ہنر	تا عزیز خلق شد یعنی کہ زر
جیسے پتھر کو دیا اُس نے ہنر	جو عزیز خلق ہے یعنی کہ زر
قطرۂ آبے بیابد لطف حق	گوہرے گردد برد از زر سبق
پانی کا اک قطرہ اُس کے لطف سے	گوہر خالص ہو سونے سے بڑھے
جسم خاکست و چو حق تابیش داد	در جہانگیری چو مہ شد اوستاد
جسم خاکی حق نے جب چمکا دیا	چاند بن کر وہ جہاں پہ چھا گیا
ہیں طلسم است این و نقش مُردہ است	احمقاں را چشم از رہ بُردہ است
یہ طلسم اور نقش مردہ جان سے	احمق اس کی آنکھ نے گمرہ کئے
پیش ماید آنکہ چشمے میزند	ابلہاں سازیدہ اند آں را سند
وہ نظر آتا ہے آنکھیں مارتا	معتبر ہے بیوقوفوں نے کیا

قبطی کا سبطی سے طالبِ دُعا ہونا

گفت قبطی تو دعائے کُن کہ من   از سیاہی دل ندارم آں دہن
بولا قبطی۔ تو دعا کر یا یقیں   رُو سیاہی سے میں اس قابل نہیں

تا بود کہ قفل ایں در وا شود   زشت را در بزمِ خوباں جا شود
شاید اس دروازے کا تالا کھلے   اِک بُرا اچھوں میں جا کر مل سکے

از تو مسخی[1] صاحبِ خوبی شود   یا بلیسے باز کروبی شود
تجھ سے مسخی پائے خوبی یک بیک   یا کہ پھر شیطان بن جائے مَلک

یا بلطفِ[2] دستِ مریم بوئے مشک   یا بد و تری و میوہ شاخِ خشک
یا طفیلِ دستِ مریم بوئے مشک   پائے اور میوے کھلائے شاخِ خشک

سبطی آندم در سجود افتاد و گفت   کائے خدائے عالمِ سِرِّ نہفت
سبطی نے سجدہ کیا اور کی دعا   اے خدا! اے واقفِ رازِ خفا

سبطی و قبطی ہمہ بندہ تو اند   عاجزِ امرِ تو اند و مستمند
سبطی و قبطی ترے بندے ہیں سب   عاجز اور محتاج ہم تیرے ہیں سب

جُز تو پیشِ کہ برآرد بندہ دست   ہم دعا و ہم اجابت از تو است
بندہ اب کس سے کہے تیرے سوا   ہے تجھی سے بس اجابت اور دعا

ہم ز اوّل تو دہی میلِ دعا   تو دہی آخر دعاہا را جزا
پہلے دیتا ہے تو ہی میلِ دعا   پھر تو دیتا ہے دعاؤں کی جزا

---

[1] وہ جو اچھی صورت سے بُری صورت میں بدل گیا ہو۔

[2] جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:۔ وہزی الیک بجذع النخلۃ تساقط علیک رطبا جنیا۔ یعنی خدائے تعالیٰ نے مریمؑ سے کہا اے مریمؑ تو شاخِ خرما کو اپنی طرف ہلا کر وہ تجھ پر پختہ اور بالیدہ کھجوریں گرائے۔ ورنہ درختِ خرما خشک تھا۔

اوّل و آخر توئی ما درمیاں
ہیچ ہیچے کہ نیاید در بیاں
اوّل و آخر ہے تو۔ ہم درمیاں
ہیچ ایسے کچھ نہ ہو جس کا بیاں
اینچنیں میگفت تا افتاد طشت
از سر بام و دلش بیہوش گشت
کہتے کہتے بڑھ گیا اک کیف سا
اور وہ بیہوش فوراً ہو گیا
باز آمد او بہوش اندر دعا
لیس للانسان الا ما سعیٰ
پھر اُسے ہوش آگیا پھر کی دعا
صرف ہے کوشش ہی کام انسان کا
در دعا بود او کہ ناگہ نعرۂ
از دل قبطی بجست و غرۂ
وہ دعا میں تھا کہ اک نعرہ کیا
مردِ قبطی نے عجب ہنگامہ زا
کہ بلا آفتاب و ایماں عرضہ کن
تا ببرّم زود زنّار کہن!
اور کہا۔ جلدی مسلماں مجھ کو کر
تا کہ میں زنّار توڑوں بے خطر
آتشے در جان من انداختند
مرغ ابلیسے را بجاں بنواختند
آتشِ الفت عطا مجھ کو ہوئی
ایک شیطاں پہ نوازش ہو گئی
دوستیٔ تو ز حبِّ ناشگفت
حمدللہ عاقبت دستم گرفت
دوستی نے تیری حبّ غیر سے
شکر خالق کا رہائی دی مجھے
کیمیائے بود صحبتہائے تو
کم مباد از خانۂ دل پائے تو
کیمیا تھا تیری صحبت کا اثر
تیرے قدموں کا ہو میرے دل میں گھر
تو یکے شاخ بُدی از نخل خلد
چوں گرفتم او مرا تا خلد بُرد
تو جو نخلِ خلد کی اک شاخ تھا
خلد تک مجھ کو بھی آخر لے گیا
سیل بود آنکہ تنم را در ربود
بُرد سیلم تا لبِ دریائے جُود
سیل تھا وہ لے گیا جو لے گیا
مجھ کو دریائے کرم تک برملا
من بہ بوئے آب رفتم سوئے سیل
بحر دیدم در گرفتم کیل کیل
میں گیا تھا صرف پانی کے لئے
پہنچا دریا پہ پیالے بھر لئے

طاس آوردش کہ اکنوں آب گیر
گفت رو شد آبہا پیشم حقیر
بولا پانی اب تو پی اے خوش ضمیر
بولا اچھا پانی ہے نظروں میں حقیر

شربتے خوردم ز اللہ اشتری[1]
تا بحشر تشنگی ناید مرا
اب مرا شربت ہے "اللہ اشترٰی" سے
تا قیامت پیاس کا اب کام کیا

آنکہ جو و چشمہا را آب داد
چشمہ اندر درون من کشاد
جس نے پانی نہر میں جاری کیا
میرے دل کو اس نے چشمہ دے دیا

ایں جگر کہ بود گرم و آبخوار
گشت پیش ہمت او آبخوار
یہ کلیجہ تھا جو گرم اور آبخوار
پانی آگے اس کی ہمت کے ہے خوار

کاف کافی آمد از بہر عباد
صدق وعدہ کہیٰعص
کاف کافی ہو گیا بہر عباد
سچ کہا ہے۔ کہیٰعص

کافیم بدہم ترا من جملہ خیر
بے سبب بے واسطہ یاری غیر
میں ہوں کافی تجھ پہ کرتا ہوں عطا
بے مدد غیروں کے اور بے واسطہ

کافیم بے ناں ترا سیری دہم
بے سپاہ و لشکرت میری دہم
بے معلم کے کروں تلقیں تجھے
بے سپاہ و فوج امیری تجھ کو دوں

کافیم بے داروئیت درماں کنم
کوہ را و چاہ را میداں کنم
میں ہوں کافی بے دوا درماں کروں
میں کنوئیں اور کوہ کو میداں کروں

بے کتاب و اوستا تلقیں دہم
بے بہارت نرگس و نسریں دہم
بے معلم کے کروں تلقیں تجھے
دوں خزاں میں نرگس و نسریں تجھے

موسیٰ را دل دہم با یک عصا
تا زند بر عالمے شمشیر ہا
اک عصا دیکر وہ دوں موسیٰ کو دل
تیغ سے کردے جہاں کو منفعل

---

[1] بمصداق آیہ شریف۔ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ یعنی بیشک اللہ مومنوں کی جانیں اور مال جنت کے بدلے میں خرید لیا ہے

دستِ موسیٰؑ را دہم یک نور تاب	کہ طپانچہ میزند بر آفتاب
ہاتھ میں موسیٰؑ کے دوں وہ نور و تاب	جس سے کھا جائے طمانچہ آفتاب
چوب را مارے کنم من مفتخر	کہ نزاید مادہ مار او را ز نر
کردوں اک لکڑی کو مارِ مفتخر	جن سکے سانپن نہ ایسا کوئی نر
خوں را آمیزم در آبِ نیل من	خود کنم خوں عین آبش را بفن
خون آبِ نیل میں دوں میں ملا	خون پانی کو کردوں میں برملا
شادیت را غم کنم چوں آبِ نیل	کہ نیابی سوئے شادیہا دلیل
تیری خوشیاں غم ہوں مثلِ آبِ نیل	تو نہ پائے اپنی خوشیوں کی دلیل
باز چوں تجدید ایماں بر تنی	باز از فرعون بیزاری کنی
پھر نئے سر سے جوڑے ایماں کو	پھر جو تو فرعون سے بیزار ہو
موسیٰؑ رحمت بہ بینی آمدہ	نیل خوں بینی از و آبے شدہ
موسیٰؑ رحمت کو دیکھے سامنے	نیل خوں پانی ہو پھر تیرے لئے
چوں سرِ رشتہ نگہداری دروں	نیلِ ذوق تو نگردد ہیچ خوں!
تو جو رکھے اپنے باطن پہ نگاہ	ذوق کا دریا ہو کب خونِ سیاہ
من گماں بردم کہ ایماں آورم	تا ازیں طوفانِ خوں آبے خورم
تھا گماں سچ مجھ کو کہ ایماں لاؤں میں	تا کہ پھر خوں سے پانی پاؤں میں
من چہ دانستم کہ تبدیلے کند	در نہادِ من مرا نیلے کند
اس بدلنے کی نہ تھی کوئی دلیل	خود ہی میں بن جاؤں گا دریائے نیل
سوئے چشمِ خود یکے نیلِ رواں	بر قرارم پیشِ چشمِ دیگراں
مثلِ نیل اپنی نظر میں ہوں رواں	دوسرے سمجھے ہیں قائم بیگماں

سلد رہنما • ٹ وہ قبطی جو آبِ کوثرِ ایماں سے سرشار ہو گیا ہے
گر رہا ہے •

ہمچنانکہ ایں جہاں پیش نبیؐ   غرق تسبیحست و پیش ما غبی
جس طرح دنیا ہے پیش ہر نبیؐ   حمد خواں اور اپنی نظروں میں ابیؐ

پیش پیغمبر جہاں پر عشق وداد   پیش چشم دیگراں مردہ جماد
ہے جہاں نبیوں کو پر عشق و داد   دوسروں کو مثل مردہ اور جماد

پست و بالا پیش چشمش تیز رو   از کلوخ و سنگ او نکتہ شنو
اُن کے آگے تیز رو ارض و سما   ہر کلوخ اور سنگ نکتوں سے بھرا

با عوام ایں جملہ بستہ و مردہ   زیں عجب تر من ندیدم پردہؐ
اور مردہ عام لوگوں کے لئے   ایسے پردے میں نے تو دیکھے نہ تھے

گور ہا یکساں بہ پیش چشم ما   روضہ و حفرہ بچشم انبیاؑ
اپنی نظروں میں ہیں یکساں مقبرے   ان کی نظروں میں ہیں روضے یا گڑھے

عامہ گفتندی کہ پیغمبر ترشؐ   از چہ گشتہ است و شدست او ذوق کش
ہیں نبیؐ مغموم کہتے تھے عوام   چھوڑ بیٹھے ذوق و شوق اپنے تمام

خاصہ گفتندے کہ پیش چشمتاں   می نماید او ترش اے امتاں
خاص کہتے تھے کہ آتے ہیں نظر   وہ تمہیں مغموم اے لوگو مگر

یک زماں در چشم ما آئید تا   خندہا بینید اندر ہل اتی
تم ہماری آنکھوں سے دیکھو ذرا   ہنس رہے ہیں درمیان ہل اتی

ز سر امرود بن بنماید آں   منعکس صورت بزیر آئی جواں
پیڑ پر امرود کے تو ہے چڑھا   اس لئے شکلیں ہے اُلٹی دیکھتا

لہ سرکش ٭
عہ ایک مرتبہ جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ایک اندھے شخص سے غیر ملتفت ہوگئے تھے اور انقباض کی وجہ سے کئی روز وحی نہیں آئی تھی تو لوگ سمجھتے تھے کہ آپ کے دل میں ایک ذوق و شوق بجھ مردہ ہو گیا ہے۔ یہ اشعار اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں ٭

آں درخت ہستیت امرود بن
تا در آنجائی نماید نو کہن
ہے درخت امرود کا ہستی تری
کہنہ چیزوں کو تو جانے گا نئی

تا در آنجائی بہ بینی خارزار
پُر ز کژدُمہاے خشم و پُر ز مار
تو وہاں سے دیکھتا ہے خارزار
ہیں جہاں غصے کے بچھو اور مار

چوں فرود آئی بہ بینی رائگاں
یک جہاں پُر گلرخانِ دائگاں
نیچے اُترے تو تو دل میں ہو عیاں
فیضِ اسرارِ خدا جو ہیں نہاں

چوں فرود آئی فرود آید ترا
در درون اسرارِ فیضِ کبریا
نیچے اُترے تو تو دل میں ہو عیاں
فیض اسرار خدا جو ہیں نہاں

پلید عورت کی حکایت

آں زنے میخواست تا با مولِ خود
بر زند در پیش شوئے گول خود
زن نے چاہا۔ جفت ہو با آشنا
سامنے خاوند کے احمق جو تھا

پس بشوہر گفت زن کاے نیکبخت
من بر آیم میوہ چینم از درخت
بولی شوہر سے کہ سن اے نیک بخت
توڑوں گی پھل جائے بالائے درخت

چوں بر آمد بر درخت آں زن گریست
چوں ز بالا سوئے شوہر بنگریست
پیڑ پر چڑھ گئی وہ عورت فتنہ گر
اور کہا یوں سوئے شوہر دیکھ کر

گفت شوہر را کہ اے مابون رد
کیست آں لوطی کہ بر تو می فتد
ہو رہا ہے کیا یہ اے اغلام کار
کون سا مغلم ہے یہ تجھ پہ سوار

تو بزیر آں چو زن بغنودۂ
اے بغا تو خود مخنث بودۂ
مثلِ زن تو جس کے نیچے ہے پڑا
تو ہے اے فاسق مخنث برملا

گفت شوہر نے سرت گوئی بگشت
ورنہ اینجا نیست غیرِ من بدشت
بولا شوہر سر ترا چکرا گیا
اس جگہ کوئی نہیں میرے سوا

زن مکرر کرد کاے بابرطلہ
کیست بر پشتت فرو خفتہ بلہ
پھر کہا عورت نے ہاں اے کجکلاہ
کون تیری پیٹھ پر ہے روسیاہ

گفت اے زن ہیں فرود آ از درخت
کہ سرت گشت و خرف گشتی تو سخت
بولا شوہر پیڑ سے نیچے تو آ
تو ہے احمق سر ترا چکرا گیا

چوں فرود آمد بر آمد شوہرش
زن کشید آں مول را اندر برش
نیچے وہ اتری تو شوہر چڑھ گیا[1]
ہو گئی پھر ہمکنار آشنا

گفت شوہر کیست ایں اے روسپی
کہ بہ بالاے تو آمد چوں کپی
بولا شوہر۔ کون ہے یہ نابکار
جو ہے تجھ پر شکل بندر کے سوار

گفت زن نے نیست اینجا غیر من
ہیں سرت برگشتہ شد ہرزہ متن!
بولی کوئی بھی نہیں میرے سوا
بک نہ بیہودہ ترا سر ہے پھرا!

او مکرر کرد بر زن آں سخن
گفت زن اینست از امرود بن
پھر وہی اس نے کہا بار دگر
بولی عورت پیڑ کا ہے یہ اثر

از سر امرود بن من ہمچناں
کژ ہمی دیدم کہ تو اے قلتباں
ایسے ہی جب میں چڑھی تھی پیڑ پر
تو مجھے آتا تھا آوارہ نظر

پس فرود آتا بہ بینی ہیچ نیست
ایں ہمہ تخییل از امرو بنے ست
نیچے آ کر دیکھ۔ کوئی بھی نہیں
پیڑ سے ہے یہ تخیل بالیقیں

ہزل تعلیم است آں را جد شنو
تو مشو بر ظاہر ہزلش گرو
فحش میں پنہاں ہے تعلیم اے فتا
تو بظاہر فحش باتوں پر نہ جا

ہر جدے ہزل است پیش ہازلاں
ہزلہا جد است پیش عاقلاں
اچھی باتیں بھی بروں کو ہیں بری
عاقلوں کو ہے مہذب ہزل بھی

---

[1] یعنی امرود کے درخت پہ چڑھ گیا +

کابلاں امرودبن جو بند نیک
تا بداں امرودبن راہیست نیک
کابلوں کو پیڑ ہے امرود کا
عاقلوں کو اس میں ہے اک راستا

نقل کن ز امرودبن اکنوں برو
گشتہ تو خیرہ چشم و خیرہ رو
ترک کر یہ پیڑ۔ ہو آگے رواں
خیرہ چشمی چھوڑ دے اے بدگماں

ایں منی و ہستی اوّل بود
کہ ازو دیدہ کژ و احول بود
پہلا درجہ ہے تکبر اور خودی
جس سے ہو جاتی ہے احول آنکھ بھی

چوں فرود آئی ازیں امرودبن
کژ نماند فکرت و چشم و سخن
نیچے آئیگا جب اس امرود سے
سیدھے ہو جائیں گے ٹیڑھے پن ترے

یک درخت سخت بینی گشتہ ایں
شاخ او بر آسمان ہفتمیں
پیڑ اک مضبوط دیکھے بالیقیں
جس کی شاخیں تا بہ چرخ ہفتمیں

چوں فرود آئی ازو گردی جدا
مبدلش گرداند از رحمت خدا
نیچے آکر جب تو ہو اس سے جدا
اس کو رحمت سے بدل ڈالے خدا

راست بینی گر بُدے آساں چنیں
مصطفیٰ[1] کے خواستے از ربّ دیں
راست بینی سہل اگر ہوتی نتا
کیوں خدا سے چاہتے پھر مصطفیٰؐ

گفت بنما جزو جزو از فوق و پست
آنچناں کہ پیش تو آں جزو ہست
ہاں دکھا مجھ کو بلند و پست سے
جیسا ہے یارب۔ تیرے سامنے

زیں تواضع گر فرود آئی خدا
راست بینی بخشد آں چشم ترا
یوں فروتن گر تواضع سے ہوا
راست بینی تجھ کو بخشیگا خدا

بعد ازاں بر رو بر آں امرودبن
کہ مبدّل گشت و سبز از امر کن
پیڑ پہ امرود کے پھر خوب جا
امر کن سے وہ مبدل ہو گیا

---

[1] فرمایا رسول خدا صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ۔ یعنی اے خدا مجھے ہر چیز کی حقیقت سے آشنا کر۔

چوں درخت موسوی شد آں درخت   چوں بسوئے موسیٰ کشانیدی تو رخت
ہو گیا اب وہ درخت[١] موسوی   جانب موسیٰ جو رجعت تو نے کی
آتشش او را سبز و خرم میکند   شاخ او انی انا اللہ می زند
آگ سے سرسبز تر وہ ہو گیا   شاخ نے "انی انا اللہ[٢]" دی صدا
زیر ظلش جملہ حاجات روا   اینچنیں باشد الٰہی کیمیا
اُس کے سائے میں ہو ہر حاجت روا   ہے یہی تو کیمیائے کبریا
آں منی و ہستیت باشد حلال   کہ درو بینی صفات ذو الجلال
پھر غرور و کبر ہو سب تجھ حلال   ان میں دیکھے تو صفات ذو الجلال

حضرت موسیٰ کا باقی قصّہ

شد درخت کج مقوم حق نما   اصلہ ثابت و فرعہ فی السماء
ہو گیا سیدھا درخت کج نما   جڑ ہے ثابت۔ شاخیں بالائے سما
آمدش پیغام از وحی مہم   کہ کژی بگذار اکنوں فاستقم
وحی حق نے پھر نوید اس کو یہ دی   اب ہو سیدھا چھوڑ کر اینچی بھی
ایں درخت تن عصائے موسیٰ است   کامرش آمد کہ بیندازش ز دست
ہے درخت تن عصائے موسوی   حکم آیا پھینک دے اس کو ابھی
تا بہ بینی خیر او و شر او   بعد ازاں برگیر او را ز امر ہو
تاکہ اُس کا خیر و شر آئے نظر   حکم حق سے پھر اُسے قابو میں کر
پیش از افگندن نبود او غیر چوب   چوں بامرش برگرفتی گشت خوب
پھینکنے سے پہلے صرف اک چوب تھا   جب اُٹھایا امر حق سے خوب تھا

---

[١] وہ درخت جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اوّل مرتبہ تجلّیٔ الٰہی ہوئی تھی +

[٢] میں معبود حقیقی ہوں + [٣] یعنی وہ قبطی +

اول او بُد برگ افشاں برّہ را   گشت معجز آں گروہ غرّہ را
پہلے تھے "جھاڑے" بکری کے لئے   پھر ہوا معجز عدو کے واسطے!
گشت حاکم بر سر فرعونیاں   آب شاں خوں کرد کفِ معجزنماں
ہو گیا فرعونیوں پہ حکمراں   خون کرکے خوب کیں سر کو بیاں
از مزارع شاں بیامد قحط و مرگ   از ملخہائے کہ می خوردند برگ
قحط آن کے کھیتوں سے تھا لیں نکال   کھا گئیں کھیتوں کے پتے ٹڈیاں
تا برآمد بیخود از موسیٰؑ دعا   چوں نظر افتادش اندر منتہیٰ
کی دعا موسیٰؑ نے بھی بے اختیار   جب نظر آیا انہیں انجام کار
کایں ہمہ اعجاز و کوشیدن چراست   چوں نخواہند ایں جماعت گشت راست
ہے یہ سعی و معجزہ بے فائدا   جبکہ مشکل ہے سنبھلنا قوم کا
امرش آمد کاتباعِ نوحؑ کن   ترک پایاں بینیٔ مشروح کن
وحی آئی۔ پیروی نوحؑ کر   ہے فضول انجام پہ تیری نظر
منگر آخر کہ تو داعیٔ رہی   امرِ بلغ ہست آں نبود تہی
تو پیامی ہے نہ دیکھ انجام کار   حکم "بلغ[1]" ہے، نہ خالی با وقار
کمترین حکمت کزیں الحاحِ تو   جلوہ گردد آں لجاج و آں عتو
اس میں حکمت ہے کہ منت سے تجھی   ہو نمایاں سرکشی و گمرہی
تا کہ رہ بنمودن و اضلالِ حق   فاش گردد بر ہمہ اہلِ فرق
گرنا گمرہ حق کا ہونا رہنما   سارے فرقوں پہ ہو ظاہر برملا
چوں کہ مقصود از وجود اظہار بود   بایدش از پند و اغوا آزمود
چونکہ مقصودِ جہاں اظہار ہے   آزمائش ہر طرح درکار ہے

---

[1] "بلغ ما اُنزِلَ اِلَیک" کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی جو تجھ پہ نازل ہوا ہے لوگوں کو پہنچا دے۔

دیو الحاح غوایت میکند
شیخ الحاح ہدایت میکند
دیتا ہے شیطان پیام گمرہی
شیخ کرتا ہے ہدایت واقعی
باز گردو قصۂ قبطی بگو
گردِ کفر از باطن خود زود شو
لوٹ پھر اور قصۂ قبطی سنا
کفر کی گرد اپنے باطن سے ہٹا

قبطیوں کا مشکل میں گرفتار ہونا

چوں بپایے گشت آں امر شگوں
نیل می آمد سراسر جملہ خوں
تھا جو بھیجا وہ عظیم امر خدا
نیل سرتا سر لہو سے بھر گیا
تا بنفسِ خویش فرعون آمدش
لابہ میکرد و دوتا گشتہ قدش
آیا وہ فرعون خود موسیٰ کے پاس
کی خوشامد اور جھکا حق ناشناس
کانچہ ما کردیم اے سلطاں مکن
نیست ما را روئے ایرادِ سخن
جو کیا ہم نے۔ تو اے سلطاں کر
ہم تو شرمندہ ہیں اپنے فعل پہ
پارہ پارہ گردمت فرماں پذیر
من بعزت خوگرم سختم مگیر
گو مرے ٹکڑے ہوں تابع ہوں ترا
کر نہ سختی۔ میں ہوں عادی قدر کا
ہیں بجنباں لب برحمت اے امیں
تا ببندد ایں دہانِ آتشیں
اے امیں تو کر دعائے رحم ہاں
بند ہو جائے یہ دوزخ کا دہاں
گفت یارب می فریبد او مرا
میفریبد او فریبندہ ترا
بولے یارب یہ ہے بہکاتا مجھے
اور یہ ہے مکار بہکاتا تجھے
بشنوم یا من دہم ہم خدعہ اش
تا بداند اصل را آں فرع کش
اب سنوں اسکی کہ دھوکا اسکو دوں
تا حقیقت سے ہو واقف یہ زبوں
کاصلِ ہر مکرے و حیلت پیشِ ماست
ہر چہ بر خاکست اصلش بر سماست
اصل ہر حیلہ سے ہم ہیں آشنا
اصل ہے ہر شے کی بالائے سما

گفت حق آں سگ بیرزد ہم بداں
پیش سگ انداز از دور استخواں
دی ندا کتا ہے اس لائق کہاں
دور سے کچھ ڈال اس کو ہڈیاں

ہیں بجنباں آں عصا تا خاکہا
دادہد ہر جزو لخ گردش ہبا
پھیر دے تو یہ عصا تا ہر زمیں
ہڈیوں کے کھانے کو اگلے یہیں

واں ملخہا در زماں گردد سیاہ
تا ببیند خلق تبدیل الٰہ
جلکے ہو جائیں سیہ سب ٹڈیاں
خلق دیکھے حق کی یہ تبدیلیاں

کہ سببہا نیست حاجت مر مرا
آں سبب بہر حجاب است و غطا
بس مجھے اسباب کی حاجت نہیں
ہیں یہی اسباب پردہ بالیقیں

تا طبیبے جوش بدارو زند
تا منجم رو بہ ستارہ کند
تا طبیبوں کو چڑھے جوش دوا
اور منجم ہو ستارہ آشنا

تا منافق از حریصے بامداد
سوئے بازار آید از بیم کساد
صبحدم لالچ منافق کو ستائے
خوف سے نقصان کے بازار آئے

بندگی نا کردہ و نا شستہ رو
لقمۂ دوزخ بگشتہ لقمہ جو
منہ نہ دھوئے اور نہ طاعت ہی کرے
لقمہ جو ہو لقمۂ دوزخ بنے

آکل و ماکول آمد جانِ عام
ہمچو آں برّہ چرندہ از حطام
خوردنی ہے اور خورندہ جانِ عام
جیسے بکری کھائے بھوسی لاکلام

میچرد آں برّہ و قصاب شاد
کہ برائے ما چرد برگِ مراد
وہ چرے اور دل میں ہو قصاب شاد
چرتی ہے میرے لئے برگِ مراد

کارِ دوزخ میکنی در خوردنی
بہرِ او خود را تو فربہ میکنی
ہے تری خوراک دوزخ کے لئے
خود کو اُس کے واسطے موٹا کرے

کارِ خود کن روزیِ حکمت بجو
تا شود فربہ دلِ با کرّ و فر
لقمہ کھا حکمت کا - اپنا کام کر
تا کہ دل فربہ ہو تیرا بے خبر

خوردن تن مانع ایں خوردنست   جان چو بازرگان و تن چوں رہزنست
کب غذائے روح ہو تن پہ دری   جان تاجر ہے بدن رہزن اخی
شمع تاجر آنگہ ست افروختہ   کہ بود رہزن چو ہیزم سوختہ
شمع تاجر میں ہے جب تک روشنی   رہزنوں کو ہے حسد سے بیکلی
خویشتن را گم مکن یاوہ مکوش   کہ تو آں ہوشی و باقی ہوش پوش
خود کو کھو مت۔ بیہودہ کوشش نہ کر   ہوش تو۔ سب ہوش پوش اے بےخبر
دانکہ ہر شہوت چو خمرست و چو بنگ   پردۂ ہوش است و عاقل زوست دنگ
شہوتیں جتنی ہیں۔ مثل خمر و بنگ   ہوش کا پردہ ہیں اور عاقل ہے دنگ
خمر تنہا نیست سرمستی ہوش   ہر چہ شہوانی ست بندد چشم و گوش
مے نہیں تنہا حریف عقل و ہوش   بند کردیتی ہے شہوت چشم و گوش
ترک شہوت کن اگر خواہی تو ہوش   زانکہ شہوت باز بندد چشم و گوش
ترک شہوت کر جو ہے خواہان ہوش   کیونکہ ہے شہوت ہی قید چشم و گوش
آں بلیس از خمر خوردن دور بود   مست بود او از تکبر وز جحود
گو وہ شیطان پیتا تھا شراب   تھا بس انکار و تکبر سے خراب
مست آں باشد کہ آں بیند کہ نیست   زر نماید آنچہ مس ست و آہنیست
مست تو وہ ہے جو دیکھے برخلاف   تانبا اور لوہا ہو اس کو زر صاف
ایں سخن پایاں ندارد موسیا   لب بجنباں تا بروں آید گیا
اے کلیم اس بات کی کیا انتہا   کھیتیاں پائیں نمو پھر لب ہلا

حضرت موسیٰؑ کا دعا کرنا

ہمچناں کرد و ہم اندر دم زمیں   سبزہ گشت از سنبل و حب ثمیں
کی دعا موسیٰ نے اور بھر دی زمیں   سبزے اور دانوں پھلوں سے بالیقیں

اندر افتادند در لوت آں نفر
قحط دیدہ مردہ از جوع البقر
پڑ گئے اُن نعمتوں میں وہ نفر
قحط سے بھوکے تھے اور افسردہ تر

چند روزے سیر خوردند از عطا
آندمی و آدمی و چار پا
سیر ہو کر کھا رہے تھے سربسر
آدمی، چوپائے اور سب جانور

چوں شکم پُر گشت و بر نعمت زدند
وآں ضرورت رفت طاغی آمدند
بھر گیا جب پیٹ اور اترا گئے
وہ ضرورت مٹ گئی گمرہ ہوئے

نفس فرعونیست ہاں سیرش مکن
تا نیارد یاد زاں کفرِ کہن
نفس ہے فرعون سیر اس کو نہ کر
آ نہ جائے یاد اُسے کفر اے پسر

بے تفِ آتش نگردد نقش خوب
تا نشد آہن چو اخگر ہیں مکوب
بے تپائے نقش اچھا کیا بنے
آگ ہو جائے جو لوہا کوٹ اُسے

بیمجاعت نیست تن جنبش کناں
آہن سرد است میکوبی بداں
جسم میں ہے بھوک سے جنبش کہاں
سرد لوہے کو نہ کوٹ اے نوجواں

ور بنالد ور بگرید زار زار
او نخواہد شد مسلماں ہوشدار
چاہے چیخے۔ چاہے روئے زار زار
ہو نہیں سکتا مسلماں ہوشیار

او چو فرعونست در قحط آنچناں
پیش موسیٰ سر نہد لابہ کناں
وہ ہے اک فرعون مارا قحط کا
پیش موسیٰ ہے خوشامد سے پڑا

چونکہ مستغنی شد او طاغی شود
خر چو بار انداخت اسکیزہ زند
ہو گیا یہ سیر اور گمرہ ہوا
لات مارے بوجھ جب پھینکے گدھا

پس فراموشش شود چوں رفت پیش
کار او زاں آہ و زاری ہائے خویش
بھولیگا سب کچھ جو پہلے ہوچکا
رونا چلانا وہ گریہ وہ بکا

سالہا مردے کہ در شہرے بود
یکزماں کش چشم در خوابے رود
مدتوں اک شہر میں کوئی رہے
خواب دیکھے۔ جب کہ بند آنکھیں کرے

شہرِ دیگر بیند او پُر نیک و بد | ہیچ در یادش نیاید شہرِ خود
دوسرا اک شہر اُسے آئے نظر | شہر اپنا بھول جائے بے خبر

کہ من آنجا بودہ ام ایں شہرِ نو | نیست آں من در اینجایم گرو
اُس جگہ تھا میں یہ ہے شہر اک نیا | یہ نہیں میرا یہاں ہوں آ پڑا

بل چناں داند کہ خود پیوستہ او | ہم دریں شہرش بُدہ ابداع و خو
بلکہ وہ سمجھے ہمیشہ سے یہی | ہے یہیں کی خود پیدائش مری

چہ عجب گر روح موطنہائے خویش | کہ بُدستش مسکن و میلاد پیش
کیا عجب گر روح بھی اپنا وطن | تھا جو مسکن اس کا اور مولد کہن

می نیارد یاد کایں دنیا چہ خواب | می فرو پوشد چو اختر را سحاب
بھول جائے کیونکہ دنیا مثل خواب | اس[1] کو ڈھانپے جیسے تاروں کو سحاب

چند نوبت آزمودی خواب را | خواب دُنیا را ہماں بیں زابتلا
خواب کو جانچا ہے تو نے بار ہا | خواب دنیا کو بھی جان ایسا فنا

خاصہ چندیں شہر ہا را کوفتہ | گرد ہا از درگہش نا روفتہ
تو نے اکثر شہر دیکھے بالیقیں | خاک اُس درگاہ کی جھاڑی نہیں

اجتہادِ گرم نا کردہ کہ تا | دل شود صافی و بیند ماجرا
اجتہاد ایسا نہ اے غافل کیا | تا ہو دل صاف اور دیکھے ماجرا

آدمی کی پیدائش کے فطری طریقے

سر بروں آرد دلش از بحرِ راز | اوّل و آخر بہ بیند چشمِ باز
سر نکالے دل جو بحرِ راز سے | اوّل آخر آنکھ سے سب دیکھ لے

---

[1] یعنی وطن کی یاد کو +

آمده اول باقلیم جماد　　در نباتی از جمادی اوفتاد
پہلے[1] آیا سوئے اقلیم جماد　　پھر نباتی میں رہا وہ شاد شاد
سالہا اندر نباتی عمر کرد　　وز جمادی یاد ناورد از نبرد
مدتوں اندر نباتی کے رہا　　کچھ جمادی کی نہ یاد آئی ذرا
وز نباتی چوں بحیواں اوفتاد　　نامدش حال نباتی ہیچ یاد
جب نباتی سے وہ حیوانی ہوا　　کچھ نباتی سے نہ یاد اس کو رہا
جز ہماں میلے کہ دارد سوئے آں　　خاصہ در وقت بہار و ضیمراں
چھوڑا سا میلان ہے بس یادگار　　آتی ہے جب فصل ریحان و بہار
ہمچوں میل کودکاں با مادراں　　سر میل خود نداند در لباں!
جیسے ہو میلان ماں سے طفل کا　　اور نہ ہو وہ بھید اس کا جانتا
ہمچو میل مفرط ہر نو مرید　　سوئے آں پیر جوان بخت مجید
جس طرح کرتا ہے میل اک نو مرید　　اپنے مرشد کی طرف ہو کر سعید
جزو عقل ایں از آں عقل کل است　　جنبش ایں سایہ زاں شاخ گل است
اسکا جزو عقل جزو کل سے ہے　　سائے کو جنبش یہ شاخ گل سے ہے
سایہ اش فانی شود آخر درو　　پس بداند سر میل و جستجو
سایہ آخر اس میں ہوتا ہے فنا　　بھید پھر کھلتا ہے اس میلان کا
سایۂ شاخ درخت اے نیکبخت　　کے بجنبد گر نجنبد ایں درخت
سایۂ شاخ و درخت اے نیک بخت　　کب ہے گر ہو نہ جنبش میں درخت
باز از حیواں سوئے انسانیش　　میکشد آں خالقے کہ دانیش
آیا پھر حیواں سے انساں میں　　دیں اسے خالق نے اتنی خوبیں

---

[1] یعنی جب انسان عالم ارواح سے نکلا ۔

ہمچنیں اقلیم تا اقلیم رفت	تا شد اکنوں عاقل و دانا و زفت
اس طرح وہ سیر ولایت میں پھرا	اور اب دانا و عاقل ہو گیا
عقلہائے اولینش یاد نیست	ہم ازیں عقلش تحوّل کردنیست
عقل اوّل کی نہیں کچھ اس کو یاد	تو کہ کہتا ہے اسے بھی خیر باد
تا رہد زیں عقل پُر حرص و طلب	صد ہزاراں عقل بیند بوالعجب
تا چھٹے اس حرص والی عقل سے	اور تعجب خیز عقلیں دیکھ لے
گرچہ خُفتہ گشت و ناسی شد ز پیش	کے گذارندش دراں نسیانِ خویش
گو یہ بھولا پہلی باتوں کو مگر	بھول میں کب چھوڑ دینگے بے خبر
باز ازاں خوابش بہ بیداری کشند	کہ کند بر حالتِ خود ریشخند
پھر جگائیں گے اُسے اس خواب سے	تا کہ اپنے حالِ رفتہ پہ ہنسے
کہ چہ غم بود آنکہ میخوردم بخواب	چوں فراموشم شد احوالِ صواب
اُف! میں کس غم میں پڑا تھا محوِ خواب	بھول بیٹھا تھا سب احوالِ صواب
چوں ندانستم کہ آں غم و اعتلال	فعلِ خواب است و فریب است و خیال
کیوں نہ سمجھا میں کہ وہ غم اور ملال	خواب کا تھا فعل و دھوکا اور خیال
ہمچنیں دنیا کہ حلمِ نائمست	خفتہ پندارد کہ ایں خود دائمست
ایسے ہی دُنیا بھی ہے سوتے کا خواب	جس کو سمجھے ہیں حقیقت شیخ و شاب
تا برآید ناگہاں صبحِ اجل	وا رہد از ظلمتِ ظن و دغل
ناگہاں آئے گی جب صبحِ قضا	اور اندھیرا وہم کا مٹ جائیگا
خندہ اش گیرد ازاں غمہائے خویش	چوں ببیند مستقر و جائے خویش
آئیگی اپنے غموں پہ پھر ہنسی	دیکھے گا اصلی وطن جب آدمی

---

[1] کارکنانِ قضا و قدر کی طرف اشارہ ہے ۔

هر چہ تو در خواب بینی نیک و بد　　روزِ محشر یک بیک پیدا شود
خواب میں دیکھا ہے جو اچھا برا　　روزِ محشر سب عیاں ہو جائیگا

آنچہ کردی اندریں خوابِ جہاں　　گرددت ہنگامِ بیداری عیاں
خواب دنیا میں جو کچھ تو نے کیا　　ہوگا بیداری میں ظاہر برملا

تا نہ پنداری کہ ایں بد کردنیست　　اندریں خواب ترا تعبیر نیست
تا نہ تو سمجھے کہ جو خواب بدی　　دیکھا کچھ تعبیر ہی اس کی نہ تھی

بلکہ ایں خندہ بود گریہ و زفیر　　روزِ تعبیر اے ستمگر بر اسیر
بلکہ رونا ہوگا یہ خندہ ترا　　روزِ تعبیر اے ستمگر پر جفا

گریہ و درد و غم و زاریٔ خود　　شادمانی داں بہ بیداریٔ خود
درد و غم اور گریہ و زاری تری　　جاگنے کے وقت لائیگی خوشی

اے دریدہ پوستینِ یوسفاں　　گرگ برخیزی ازیں خوابِ گراں
یوسفوں پر تو نے حملے ہیں کئے　　بھیڑیا بن کر اٹھیگا خواب سے

گشتہ گرگاں یک بیک خوہائے تو　　میدرانند از غضب اعضائے تو
بھیڑیے بن جائینگی یہ عادتیں　　پھاڑ ڈالینگی تجھے اک آن میں

خوں نخسپد بعد مرگت در قصاص　　تو مگو کہ میرم و یابم خلاص
خوں ہے بیدار بعد خوں بہا　　یہ نہ کہہ ۔ ہو جاؤں گا مر کر رہا

ایں قصاصِ نقد حیلت سازیست　　پیشِ زخمِ آں قصاصِ ایں بازیست
حیلہ سازی ہے قصاص اس وقت کا　　سامنے ہے اُس سزا کے کھیل سا

زیں لعب[1] خواندہ ست دنیا را خدا　　کایں جزا لعبے ست پیشِ آں جزا
کھیل ہے دنیا کو خدا نے ہے کہا　　اُس جزا کے آگے بازی یہ جزا

---

[1] یعنی قیامت کے دن ہستہ کما قال اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ انما الحیوۃ الدنیا لعب و لہو یعنی بیشک دنیا کی زندگی ایک کھیل ہے ◆

ایں جزا تسکین جنگ و فتنہ ‌ست	آں چوں اخصاست ایں چوں خصیت
جنگ و فتنہ کی ہے تسکیں یہ جزا	وہ ہے خصّی کرنا یہ فتنہ فنا
ایں سخن پایاں ندارد موسیا	ہیں رہا کن ایں خراں را در گیا
بس کرا ے موسیٰ یہ قصے ہیں بڑے	ان گدھوں کو گھاس ہی میں تو چھوڑ دے
تا ہمہ زاں خوش علف فربہ شوند	ہیں کہ گرگانند ما را خشم مند
تاکہ موٹے ہوں اس اچھی گھاس سے	ہیں غضب ناک اب ہمارے بھیڑیے

دوزخ کی مخلوق بھوکی اور نالاں ہے

نالۂ گرگان خود را موقنیم !	ایں خراں را طعمۂ ایشاں کنیم
بھیڑیوں کے نالے ہیں گوش شنا	ان گدھوں کو ہم کریں اُن کی غذا
ایں خراں را کیمیائے خوش دمی	از لب تو خواست کرد آں آدمی
کیمیائے خوش دلی ان کے لئے	تیرے لب سے چاہی تھی فرعون نے
تو بسے کردی بدعوت لطف و جود	آں خراں را طالع و روزی نبود
تو نے بیحد لطف و جُود اُن پہ کیا	ان گدھوں کے حصے میں کچھ بھی نہ تھا
پس فرو پوشاں لحاف نعمتے	تا بردشاں زود خواب غفلتے
نعمتوں کا ڈال دے ان پر لحاف	تاکہ طاری ان پہ ہو اک خواب صاف
تا چو بجہند از چنیں خواب ایں رمہ	شمع مردہ باشد و ساقی شدہ
تا جو جاگیں خواب سے یہ بے نوا	بجھ گئی ہو شمع - ساقی ہو گیا
داشت طغیاں شاں ترا در حیرتے	پس بجوشد از جزا ہم حسرتے
اُن کی گمراہی سے تو حیرت میں تھا	اب ذرا ان کو ملے اس کی سزا
تا کہ عدل ما قدم بیروں نہد	وز جزا ہر زشت را در خورد دہد
تا ہمارا عدل ہو ان پہ عیاں	پائیں یہ بدلہ بدی کا بے گماں

کاں شہے کرمی نمیدیدیش فاش
بود با ایشاں نہاں اندر معاش
ہاں وہ سلطاں جو نہ آتا تھا نظر
تھا وہ ان کے ساتھ ہی پنہاں مگر

چوں خرد با تست مشرف بر تنت
گرچہ زو قاصر بود ایں دیدنت
عقل تیری ہے تری نگران کار
دید سے تو اس کی ہو قاصر ہزار

نیست قاصر دیدن آں ای فلاں
از سکوں و جنبشت در امتحاں
دیکھنے میں وہ مگر قاصر نہیں
تیری جنبش اور سکوں اے مرد دیں

چہ عجب گر خالق آں قوم نیز
با تو باشد چوں نہ تو مستخیز
کیا عجب اس قوم کا خالق اگر
ساتھ ہو تیرے نہیں تو مست گر

از خرد غافل شود بر بد تند
بعد ازاں عقلش ملامت میکند
جو برا ہو کر ہو غافل عقل سے
کیوں نہ عقل اس کو ملامت پھر کرے

تو شدی غافل ز غفلت عقل نے
کز حضورستش ملامت کردنے
تو ہے غافل، عقل تو غافل نہیں
کر رہی ہے وہ ملامت بالیقیں

گر نبودے حاضر و غافل بدے
در ملامت کے ترا سیلی زدے
گر نہ ہو موجود اور غافل رہے
پھر ملامت کس طرح تجھ کو کرے

ور ازو غافل نبودے نفس تو
کے چناں کردی جنون و تفس تو
نفس اگر اس سے نہ ہو غافل ترا
گرم کیوں ہو جائے وحشت میں بھلا

پس ترا عقلت چو اصطرلاب بود
زاں بدانی قرب خورشید وجود
عقل تیری مثل اصطرلاب تھی
تا تو قربت جانے مہر جسم کی

قرب بیچوں ست عقلت را بتو
نیست از پیش و پس و سفل و علو
ہے تجھی سے عقل کو قرب خدا
پیش و پس اور پستی و بالا سے کیا

قرب بیچوں چوں نباشد شاہ را
کہ نیابد بحث عقل آں راہ را
کیوں نہ قرب اس کا ہو بیچون و چرا
عقل پاتی ہی نہیں وہ راستا

نیست آں جنبش کہ در اصبع ترست   پیش اصبع یا پسش یا چپ و راست
جنبشوں میں ہیں جو تیری انگلیاں   تو یہ جنبش آگے پیچھے ہے کہاں
وقتِ خواب و مرگ از وے میرود   وقت بیداری قرینش میشود
وقتِ خواب و مرگ ہوتی ہے جدا   ہوتی ہے موجود جب ہے جاگتا
از چہ رو می آید اندر اصبعت   کاصبعت بے او ندارد منفعت
کس سبب سے پھر یہ آتی ہے بتا   انگلیاں بیکار ہیں جس کے سوا
نور چشم و مردمک در دیدہ ات   از چہ راہ آمد بغیرِ شش جہت
پتلیوں میں تیری نورِ خوش صفت   آیا کس جا سے بغیرِ شش جہت
بے جہت داں عالمِ امر و صفات   عالمِ خلقت با سُو و جہات
بے جہت ہے عالمِ امر و صفات   عالمِ خلقت ہے محدودِ جہات
بیجہت داں عالمِ امر اے صنم   بیجہت تر باشد آمر لا جرم
بے جہت ہے عالمِ امر اے فتیٰ   بے جہت تر ہو جو آمر[1] ہے بجا
بیجہت داں عقلِ علّامُ البیاں   عقلتر از عقل و جانتر ہم ز جاں
بے جہت ہے عقل[2] علّامُ البیاں   عقل و جاں سے وہ ہے افضل بیگماں
بے تعلق نیست مخلوقے بدو   آں تعلق ہست بیچوں ای عمو
بے تعلق اُس سے گو خلقت نہیں   وہ تعلق بھی ہے بیچوں بالیقیں
زانکہ فصل و وصل نبود در رواں   غیر فصل و وصل نندیشد گماں
کیونکہ فصل و وصل روحوں میں کہاں   صرف فصل و وصل ہی جانے گماں

---

[1] آمر۔ حاکم۔ مراد حاکم الحاکمین سے ہے۔ اور عالمِ امر وہ عالم ہے جو امرِ کن کا محیط ہے۔ جس میں کوئی سمت اور کوئی جہت نہیں۔ مگر اس عالمِ خلقت کی چھ جہتیں ہیں اور یہ اُنہیں جہتوں میں محدود ہے ◆

[2] وہ عقل جو اظہار و بیان کی سب سے زیادہ جاننے والی ہے یعنی خداوند تعالیٰ عزّ اسمہٗ

غیر فصل و وصل پے برد از دلیل	لیک پے بردن نیندیشد علیل
تو بغیر فصل و وصل اک راستا	بے دلیلوں سے۔ گماں کو کب ملا
پے بپا پے می برد دوری ز اصل	تا رگ مردیت آرد سوئے وصل
اصل سے ہے دور تو کر پیروی	وصل تک لے آئے تا مردی تری
ایں تعلق را خرد چوں پے برد	بستۂ فصلست و وصلست ایں خرد
اس کی راہ میں عقل کو کیونکر لیں	عقل پابستہ ہے فصل وصل میں
زیں وصیت کرد مارا مصطفیٰ[1]	بحث کم جوئید در ذات خدا
کرتے ہیں ہم کو وصیت مصطفیٰ	بحث فی ذاتِ حق میں کرنا ہے برا
آنکہ در ذاتش تفکر کردنیست	در حقیقت آں نظر در ذات نیست
غور جو کرتا ہے اس کی ذات پر	فی الحقیقت ذات سے ہے دور تر
ہست آں پندار او زیرا براہ	صد ہزاراں پردہ آمد تا الٰہ
ہے گماں کی ابر کے نیچے چمک	ورنہ لاکھوں پردے ہیں اُس ذات تک
ہر یکے در پردہ موصول جوست	وہم او آنست کاں خود عین اوست
ہر کوئی پردے میں ہے موصول جُو[2]	وہم سمجھا ہے یہی ہے ذات ہو
پس پیمبر دفع کرد ایں وہم ازو	تا نباشد در غلط سودا پزو
دفع حضرت نے کیا اس وہم کو	تاکہ لغزش سے کوئی خبطی نہ ہو
زانکہ کرد از وہم او ترک ادب	بے ادب را سرنگونی داد رب
وہم سے جس نے کیا ترک ادب	سرنگونی اُس کو دیتا ہے رب

---

[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "تفکروا فی آلاء اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ" یعنی اے لوگو اللہ کی نعمتوں میں تفکر و غور کیا کرو۔ مگر اللہ کی ذات میں بحث و گفتگو نہ کرو۔

[2] موصول جُو یعنی خدا کو ڈھونڈنے والا۔

سرنگونی آں بود کو سوئے زیر
می رود پندارد او کو ہست چیر
سرنگونی یہ کہ ہے پستی آشنا
اور سمجھتا ہے کہ غالب ہو گیا

زانکہ حد مست باشد اینچنیں
کو نداند آسماں را از زمیں
یہ تو حد مست ہے پھر سربسر
ہو زمین و آسماں سے بے خبر

در عجبہاش بفکر اندر روید
از عظیمی وز مہابت گم شوید
غور اس کی قدرتوں پہ تم کرو
عظمت و ہیبت سے دور اسکی رہو

چوں ز صنعش ریش و سبلت گم کنید
حد خود دانید آنگہ تن زنید
صنعتوں میں جب ہوئے گم سربسر
چپ رہو پھر اپنی حد پہچان کر

جز کہ لا احصی[1] نگوید او ز جاں
کز شمار و حد برونست آں بیاں
صرف "لا احصی" ہے قول جان جاں
بے شمار و حد سے باہر یہ بیاں

چوں بیانش بے حد است اے بوالہوس[2]
بحث کم کن پیش او کم زن نفس
جب ہے بے حد یہ بیاں اے بوالہوس
بحث کم کر تو اُن کے آگے اور بس

ذوالقرنین کا کوہِ قاف جانا

رفت ذوالقرنین سوئے کوہ قاف
دید کوہ را کز زمرد بود صاف
پہنچا ذوالقرنین سوئے کوہ قاف
اس کو دیکھا تھا زمرد سے بھی صاف

گردِ عالم حلقہ کردہ او محیط
ماندہ حیراں اندراں خلق بسیط
گرد عالم تھا محیط و حلقہ زن
خلق تھی حیران اُس میں بے سخن

---

[1] قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک" یعنی اے خدا میں تیری حمد و ثنا کا شمار و حساب نہیں کر سکتا۔ تو نے اپنی تعریف آپ کی ہے" یعنی تو اپنی ہی تعریف و حمد کا حقدار ہے کوئی دوسرا تیری حمد کیا کر سکتا ہے ✦

[2] یعنی جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے قول بزرگ کے سامنے گنجائش بحث نہیں ✦

گفت تو کوہی دگرہا چیستند	کہ بہ پیش عظم تو بازالیستند
بولا تو ہے کوہ۔ کیا ہیں دوسرے	جو تری عظمت کے آگے ہیں کھڑے
گفت رگہائے منند آں کوہہا	مثل من نبوند در فرّ و بہا
بولا۔ وہ سب کوہ ہیں میری رگیں	قیمتی ہیں اُن سے میری عظمتیں
من بہر شہرے رگے دارم نہاں	بر عروقم بستہ اطرافِ جہاں
میری ہر ہر شہر میں رگ ہے نہاں	ہے رگوں پہ میری قائم یہ جہاں
حق چو خواہد زلزلہ شہرے مرا	امر فرماید کہ جنباں عرق را
جب خدا لاتا ہے کوئی زلزلہ	مجھ سے کہتا ہے کہ رگ اپنی ہلا
پس بجنبانم من آں رگ را بقہر	کہ بداں رگ متصل گشتست شہر
اپنی رگ ہوں میں ہلاتا قہر سے	ہلتی ہے جو متصل اُس شہر سے
چوں بگوید بس شود ساکن رگم	ساکنم وز روئے فعل اندر تگم
تھمے ہے رگ۔ جب بس کہے رب جہاں	ہوں میں ساکن اور فعلاً ہوں رواں
ہمچو مرہم ساکن و بس کارکن	چوں خرد ساکن وزو جنباں سخن
مثل مرہم ساکن اور ہوں صرف کار	عقل ساکن ہے سخن ہے آشکار
نزدِ آنکس کہ نداند عقلش ایں	زلزلہ ہست از بخاراتِ زمیں
اُس کے آگے جو نہیں یہ جانتا	ہے بخارات زمیں سے زلزلہ
ایں بخاراتِ زمیں نبود بداں	زامرِ حقست و ازاں کوہ گراں
ہیں بخارات زمیں کب زلزلے	ہیں خدا کے حکم، وہ اس کوہ سے

چیونٹیوں کی گفتگو

مورکے بر کاغذے دید او قلم	گفت با مورِ دگر ایں راز ہم
دیکھا اک چیونٹی نے کاغذ پہ قلم	دوسری چیونٹی سے وہ بولی بہم

کہ عجائب نقشہا آں کلک کرد　　ہمچو ریحان و چو سوسن زار و ورد
اس قلم کی ہیں عجب گلکاریاں　　مثل ریحان و گل و سوسن یہاں
گفت آں مور اصبع ست آں پیشہ ور　　ویں قلم در فعل فرعست و اثر
بولی چیونٹی - انگلیوں کا ہے ہنر　　یہ قلم ہے فعل میں فرع و اثر
گفت آں مور سوم کز بازو است　　کاصبع لاغر ز زورش نقش بست
تیسری بولی یہ ہیں بازو رواں　　اُس کی قوت سے ہیں نقاش انگلیاں
ہمچنیں می رفت بالا تا یکے　　مہتر موراں فطن بود اندکے
ایک بڑھ کر دوسری سے کہتی تھی　　جو تھی سردار - اُس میں تھی کچھ زیرکی
گفت کز صورت مبینید ایں ہنر　　کاں بخواب و مرگ گردد بے خبر
وہ یہ بولی - کب ہیں صورت سے ہنر　　یہ تو خواب و مرگ سے ہے بے خبر
صورت آمد چوں لباس و چوں عصا　　جز بعقل و جاں نجنبد نقشہا
ہے یہ صورت جوں لباس و جوں عصا　　نقش ہے محتاج عقل و روح کا
بے خبر بود آنکہ از عقل و فواد　　بے ز تقلیب خدا باشد جماد
بے خبر تھی وہ کہ عقل و دل سدا　　ساکن و ناقص ہیں بے حکم خدا
یکزماں از وے عنایت برکند　　عقل زیرک ابلہیہا میکند
پھیرے چشم عنایت گر ذرا　　عقل دانا ہو حماقت آشنا

ذوالقرنین کا کوہ قاف سے کچھ التماس کرنا

چونکہ کوہ قاف در نطق سفت　　چونکہ ناطق یافت ذوالقرنین گفت
جبکہ کوہ قاف یوں گویا ہوا　　اس سے ذوالقرنین نے آخر کہا
کاے سخنگوئے خبیر راز داں　　از صفات حق بکن با من بیاں
اے سخن گو اے خبیر راز داں　　کچھ صفات حق کا مجھ سے کر بیاں

گفت روکاں وصف زاں عالیست کہ بیاں برتر توانند بُرد دست
بولا، جا، بالاتر اس کی ہیں صفات وہ بیاں میں آئیں، مشکل ہے یہ بات
یا قلم را زُہرہ باشد کہ بسر بر نویسد بہ صحائف زآں خبر
یا قلم میں اتنی طاقت ہے کہاں جو صحیفوں میں لکھے اُس کا بیاں
گفت کمتر واستانے باز گو از صنائعہاش اے خبرجو
بولا کم سے کم جو کچھ ہو وہ سنا صنعتوں سے اس کی اے دانا ذرا
گفت اینک دشت سی صد سالہ راہ کوہہائے برف پر کردہ ست شاہ
بولا یہ جنگل ہے سی صد سالہ راہ برف دیتا ہے پہاڑوں کو وہ شاہ
کوہ بر کوہ بے شمار و بے عدد میرسد وز مہرزماں برقش مدد
کوہ پر ہیں کوہ بے حد و شمار ہر گھڑی ہے بعث اُن پہ آشکار
کوہ برفے میزند بر دیگرے میرساند برف سردی برترے
برف پھینکے کوہ اک پہ دوسرا برف پہنچاتی ہے سوی تا ثری
کوہ برفے میزند بر کوہ برف دمبدم زانبارِ بے حد و شگرف
برف ہے یہ کوہ اس پہ پھینکتا دمبدم انبار بے حد سے سدا
گر نبودے ایں چنیں دادے شہا تفتِ دوزخ محو کردے مر مرا
گر نہ ہوتی اس قدر اس کی عطا گرمی دوزخ مجھے دیتی مٹا
غافلاں را کوہہائے برف داں تا نسوزد پردۂ سر رازداں
غافلوں کو جان کوہِ برف ہاں ہوں نہ پردے راز کے آتش فشاں
گر نبودے عکس جبل برف باف سوختے از نارِ شوق آں کوہ قاف
گر نہ پڑتے عکس برف جبل کے جلتا کوہ قاف نارِ شوق سے
آتش از قہر خدا خود ذرہ ایست بہر تہدید لئیماں ذرہ ایست
ذرہ ہے قہر خدا کا آگ بھی جو لئیموں کے لئے کوڑا بنی

باچنیں دوزخ کہ بر وے فائق ست
برد لطفش بیں کہ برآں سابق ست
ہے اگرچہ نار دوزخ سوز کیش
سردیٔ رحمت ہے اُس سے پیش بیش

سبق بیچون و چگونہ و معنوی
سابق و مسبوق دیدی بے دوئی
ہے یہ سبقت بے چگون و معنوی
سابق و مسبوق میں کب ہے دوئی

گر ندیدی ایں بود از فہم پست
کہ عقول خلق ازاں کاں گیج ست
گر نہ دیکھے تو سمجھ کی ہے کمی
جو برابر عقل ہے مخلوق کی

عیب بر خود نہ نہ بر آیات دیں
کے رسد بر چرخ دیں مرغ گلیں
تو ہے یا عیب اور نہیں آیات دیں
پہنچے کیونکر چرخ پہ مرغ گلیں ے

مرغ را جولانگہ عالی ہواست
زانکہ نشو او ز شہوت زہواست
سب سے اونچی مرغ کی حد ہے ہوا
حرص و شہوت سے جو ہے نشو و نما

پس تو حیران باش بے لا و بلے
تا ز رحمت پیشت آید محملے
رہ تو حیراں اور نہ کہہ "ہاں" یا "نہیں"
تا کرے رحمت تجھے محمل نشیں

چوں ز فہم ایں عجائب کودنی
گر بلے گوئی "تکلف" می کنی
فہم تیرا کب ہے قدرت آشنا
"ہاں" کہے تو ہے "تکلف" برملا

ور بگوئی نے زند نے گردنت
قہر بر بندد بداں نے روزنت
گر کہے "انکار" تو مارا گیا
بند کر دے قہر ہر رستا ترا

پس ہمیں حیران و والہ باش و بس
تا در آید نصر حق از پیش و پس
رہ یونہی سرگشتہ اور حیران بس
تا کہ آ جائے نصرت حق پیش و پس

---

[1] "سبقت رحمتی علی غضبی" یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے ۔

[2] سابق سبقت کرنے والا اور مسبوق وہ جس پر سبقت کی جائے ۔

[3] یعنی وہ مرغ جو کیچڑ میں لتھڑا ہوا ہو ۔

چونکہ حیراں گشتی و گیج و فنا — با زبان حال گفتی اھدنا
جب ہوا تو حیران و ناداں اور فنا — ہو زبان حال سے کہہ اھدنا[1]

زفت زفتست و چو لرزاں میشوی — میشود آں زفت نرم و مستوی
سختیاں جتنی ہیں مشکل اور کڑی — نرم اور سیدھی وہ سب ہو جائیں گی

زانکہ شکل زفت بہر منکرست — چونکہ عاجز آمدی لطف و برست
کیونکہ منکر کے لئے ہیں سختیاں — تو ہوا عاجز تو ہیں رحمت نشاں

جبرئیلؑ کا آنحضرتؐ کو اپنی اصلی صورت دکھانا

مصطفےٰؐ میگفت پیش جبرئیل — کہ چنانکہ صورت تست اے خلیل
مصطفےٰؐ نے یوں کہا جبرئیلؑ سے — تو حقیقی نقش اپنی شکل کے

مر مرا بنمائے محسوس آشکار — تا بہ بینم من ترا نظارہ وار
مجھ پہ کر محسوس اور کر آشکار — دیکھنے کی طرح دیکھوں ایک بار

گفت نتوانی و طاقت نبود — حس ضعیف است و تنک سخت آیدت
بولے مشکل ہے تحمل دید کا — حس ظاہر میں ہے کمزوری سوا

گفت بنما تا بہ بیند ایں جسد — تا چہ حد حس نازک است و بے مدد
بولے حضرتؐ ہیں بھی دیکھوں تو دکھا — حس مری نازک ہے کس حد تک بھلا

آدمی را ہست حس تن سقیم — لیک در باطن یکے خلق عظیم
حس تن گو آدمی کی ہے سقیم — ہے مگر باطن میں اک خلق عظیم

بر مثال سنگ و آہن ایں تنہ — لیک ہست او در صفت آتش زنہ
سنگ و آہن ہے بہ تشبیہ آدمی — اور ہے دونوں میں صفت حق زنی

---

[1] اے اللہ ہمیں ہدایت دے +

سنگ و آہن مولد ایجاد نار
زاد آتش زیں دو والد قہر بار
تو ہے اور پتھر سے ہے ایجاد نار
ان دو باپوں سے ہے یار قہر بار

باز آتش دستکار وصف تن
ہست قاہر بر تن او شعلہ زن
وصف تن کی آگ آ ماتش یعنی
شعلہ زن کر جسم پہ غالب ہوتی

باز در تن شعلہ ابراہیمؑ وار
کہ از و مقہور گردد برج نار
پھر ہے تن میں شعلہ ابراہیمؑ وار
جس سے ہو مغلوب یکسر برج نار

گر بر آری از درونت آتشے
آتشت گردد مطیع و دلخوشے
اپنے اندر سے نکال اس آگ کو
تا تری محکوم ہو دل جو آگ ہو

لاجرم گفت آں رسولؐ ذو فنون
رمز نحن الآخرون السابقون
یہ ہے ارشاد رسولؐ ذو فنون
یعنی نحن الآخرون[1] السابقون

ظاہر ایں دو بسندانے زبوں
در صفت از کوہ آہنہا فزوں
ظاہرا دونوں ہیں آہرن سے زبوں
ہیں صفت میں کوہ آہن سے فزوں

پس بصورت آدمی فرع جہاں
در صفت اصل جہاں ایں را بداں
ہے بظاہر آدمی فرع جہاں
اصل دنیا ہے صفت میں بے گماں

ظاہرش را پشۂ آرد بچرخ
باطنش باشد محیط ہفت چرخ
ظاہر اس کا ایک مچھر دے ہلا
باطن اس کا ہے محیط ہر سما

چونکہ کرد الحاح بنمود اندکے
ہیبتے کہ گہ شود زآں مندکے
کہنے سننے سے دکھایا کچھ جمال
ہیبت ایسی تھی کہ ٹوٹے جبل جبال

شہپرے بگرفتہ شرق و غرب را
از مہابت گشتہ بیہش مصطفیٰ
ایک پر چھایا ہوا تھا شرق و غرب پہ
تھے نبیؐ بے ہوش تھا خوف اس قدر

---

[1] یعنی ہم اگرچہ متاخرین میں سے ہیں۔ پھر بھی سابق ہیں ۔

چوں ز بیم و ترس بیہوشش بدید
جبرئیلؑ آمد در آغوشش کشید
خوف سے بیہوش ان کو دیکھ کے
لے لیا آغوش میں جبرئیلؑ نے

آں مہابت قسمت بیگانگاں
واں تجمّش دوستاں را رایگاں
کیونکہ ہیبت ہے نصیب دشمناں
دوست کا حصّہ ہے لطف جاوداں

ہست شاہاں را زمانے برنشست
ہول سرہنگان و صارم ہا بدست
جس طرح ہوتا ہے جب سلطاں سوار
ہر سپاہی لے کے چلتا ہے کٹار

دورباش و نیزہ و شمشیرہا
کہ بلرزند از مہابت شیرہا
دورباش اور تیغ اور نیزے تمام
شیر لرزیں خوف سے جن کے تمام

بانگ چاؤشاں آں چوگانہا
کہ شود سست از نہیبش جانہا
وہ نقیبوں کی صدا اور وہ عصا
خوف سے ہوں سست جانیں برملا

از برائے خاص و عام رہگذر
کہ کنند شاں از شہنشاہے خبر
ہوتی ہے ہیبت یہ بہر خاص و عام
تا ہوں واقف شوکت شہ سے تمام

از برائے عام باشد ایں شکوہ
تا کلاہ کبر بنہند آں گروہ
عام لوگوں کے لئے ہے یہ شکوہ
تاکہ اپنا سر جھکائے ہر گروہ

تا من و مائے ایشاں بشکنند
نفس خود بیں فتنہ و شر کم کند
تاکہ ان کی کبر و نخوت توڑ دے
اور فنا ہوں فتنہ و شر نفس کے

شہر از آں ایمن شود کاں شہریار
دارد اندر قہر زخم و گیر و دار
شہر ہو بے خوف یہ ہے شہریار
ہے اسے قتل و سزا کا اختیار

پس بمیرد آں ہوسہا در نفوس
ہیبت شہ مانع آید زاں نحوس
حرص مٹ جاتی ہے ہر اک نفس میں
اور نحسوں پہ ہیں چھاتی ہیبتیں

باز چوں آید بسوئے بزم خاص
کے بود آنجا مہابت یا قصاص
جب وہ بزم خاص پہنچے لوٹ کر
پھر کہاں وہ دبدبہ وہ کروفر

حلم بر حلم ہست رحمتہا بجوش   نشنوی از غیر چنگ و نے خروش
پھر وہاں ہر حلم اور رحمت کا جوش   بانسری اور چنگ ہو نغمہ فروش

طبل و کوس و ہول نا شد وقت جنگ   وقت عشرت با خواص آواز چنگ
ہیبت اور نقارے ہیں سب بہر جنگ   عیش میں احباب اور آواز چنگ

ہست دیوان محاسب عام را   واں پریرو یاں گرفتہ جام را
ہے محاسب کی کچہری بہر عام !   اور وہاں ہیں ہاتھ میں پریوں کے جام

آں زرہ و آں خود و در جنگ و وغا   ویں شراب و نقل در بزم صفا
ہیں زرہ اور خود سامان وغا   ہے شراب و نقل ساماں عیش کا

جوشن و خود است مر حالیش را   ویں حریر و برد مر تعریش را
خود و جوشن ہیں لڑائی کے لئے   اور قاقم تخت شاہی کے لئے

ایں سخن پایاں ندارد اے جواد   ختم کن واللہ اعلم بالرشاد
یہ تو لمبا قصہ ہے اے بامراد   ختم کر واللہ اعلم بالرشاد

اندر احمد آں حسے کو غارب است[1]   خفتہ اندر زیر خاک یثرب ست
ایک فانی حس میں رسول اللہ میں تھی   خاک یثرب میں جو ہے سوئی ہوئی

واں عظیم الخلق او کو صفدر است   بے تغیر مقعد صدق اندر است
اک عظیم الخلق جس میں تھی صفدری   جو مقام صدق میں باقی رہی

قابل تغییر اوصاف تن است   روح باقی آفتاب روشن است
قابل تبدیل ہیں اوصاف تن   روح باقی آفتاب ضو فگن

اوست بے تغییر لا شرقیۃ[2]   بے ز تبدیلی کہ لا غربیۃ
وہ ہے بے تغییر لا شرقیۃ   کب وہ ہو تبدیل لا غربیۃ

---

[1] اب بیان سے مولانا علیہ الرحمۃ آپ کے فانی ہو جانے کا سبب بیان فرماتے ہیں ۔ یعنی آپکا جسم ظاہری اقدس ۔ [2] لا شرقیۃ و لا غربیۃ یعنی وہ نہ شرقی ہے نہ غربی ۔

آفتاب از ذرہ کے مدہوش شد	شمع از پروانہ کے بیہوش شد
ذرے سے مدہوش کب ہو آفتاب	شمع کو پروانہ سے کیا اضطراب
جسم احمد را تعلق بُد بداں	آں تغیر آں تن باشد بداں
جسم احمد روح سے وابستہ تھا	وہ تغیر تھا فقط اس جسم کا
ہمچو رنجوری و ہمچوں خواب و درد	جاں ازیں اوصاف باشد پاک فرد
جیسے بیماری ہو جیسے خواب و درد	روح اس سے پاک ہے اے نیک مرد
خود نتانم در بگویم وصف جاں	زلزلہ افتد دریں کون و مکاں
میں بیاں کچھ بھی کروں گر وصف جاں	زلزلے میں آئیں یہ کون و مکاں
روبہش گر یکدمے آشفتہ بود	شیر جاں مانا کہ آں دم خفتہ بود
جسم گر دم بھر کو آشفتہ ہوا	شیر جاں اس وقت تھا سویا ہوا
خفتہ بود آں شیر کو خوابست پاک	آنیست شیر نرم ساز و خشمناک
شیر خفتہ تھا جو سونے سے ہے پاک	نرم و دوں کو کرے خود خشمناک
خفتہ سازد شیر خود را آنچناں	کہ تماشش مردہ دانند ایں سگاں
شیر سو جاتا ہے اس انداز میں	تا یہ کتے اس کو مردہ جان لیں
ورنہ در عالم کرا زہرہ بُدے	کو رُبودے از ضعیفی روبہے
ورنہ دنیا میں بھلا ایسا کون تھا	لومڑی کو شیر سے جو چھینتا
نقش احمد زاں نظر بیہوش گشت	بحر او از مہر کف پُر جوش گشت
جسم ان کا دیکھ کر بے ہوش تھا	دل کا دریا لطف سے پُر جوش تھا
مہ ہمہ کفست معطی نور پاش	ماہ را گر کف نباشد گو مباش
مہ ہے کف اور نور دیتا ہے جلا	ہاتھ اگر اس کے نہیں تو کیا ہوا

ملہ جسم سے مراد ہے +

احمدا رگشاید آں پر جلیل   تا ابد مدہوش ماند جبرئیلؑ
مصطفیٰؐ کھولیں اگر پر جلیل   تو رہیں بیہوش ابد تک جبرئیلؑ

چوں گذشت احمدؐ ز سدرہ و مرصدش   وز مقام جبرئیل و از حدش
جبکہ سدرہ سے بڑھے آگے نبیؐ   اس جگہ سے حد جو تھی جبرئیلؑ کی

گفت اورا ہیں بپرا ندر پیم   گفت رو رو کہ حریف تو نیم
بولے اے جبرئیل میرے ساتھ آ   بولے کب میں ہوں حریف اب آپکا

باز گفتا کز پیم آ و مایست   گفت رو زیں پس مرا دستور نیست
بولے آؤ پیچھے پیچھے اے امیں   بولے آگے کی اجازت ہی نہیں

باز گفت اورا بیا اے پردہ سوز   من باوج خود نرفتستم ہنوز
پھر کہا آ تو ہے پردہ سوز ابھی   میں نہ پہنچا اوج پر اپنا ابھی

گفت بیروں زیں حد اے خوش فرِ من   گر زنم پرّے بسوزد پرّ من
بولے اپنی حد میں رہنا چاہئے   ایک پر آگے بڑھا اور پر جلے

حیرت اندر حیرت آمد زیں قصص   بیہشی خاصگاں اندر اخص
ہیں بڑی اس تذکرے میں حیرتیں   جو اخص[1] ہیں وہ بھی یوں بیخود رہیں

بیہشیہا جملہ اینجا بازیست   چند جانداری کہ جاں پردازیست
بے ہشی اُن کے لئے ہے کھیل سا   جتنی جانیں ہوں سب اُن پر کر فدا

جبرئیلا گر شریفی و عزیز   تو نۂ پروانہ آں شمع نیز
گو شریف و پاک ہو تم جبرئیلؑ   پر نہیں پروانۂ شمع جلیل

شمع چوں دعوت کند وقت فروز   جانِ پروانہ نپرہیزد ز سوز
شمع جب مژدہ سنائے جلنے کا   جلنے سے پروانے کو ہو خوف کیا

---

[1] خاص لوگوں سے بھی افضل۔

اینچنین بحث منقلب را گور کن — شیر را بر عکس صید گور کن
چھوڑ اس کو بات یہ ایسی ہی تھی — شیر صید گورخر ہے یوں ہی سہی

بند کن مشکاب سخن پاشیت را — وا مکن انبان قلماشیت را
اب سخن گوئی کو اپنی بند کر — ہرزہ گوئی کی نہ کو نہیں کھول ادھر

آنکہ بر نگذشت اجزاش از زمیں — پیش او معکوس و قلماشیست ایں
خاک سے جن کو ہوئی آلودگی — اُن کے آگے ہے یہ اک بیہودگی

لاتخالفهم حبیبی دارهم — یا غریبا نازلاً فی دارهم
کیوں مخالف ہے مدارا کر حبیب — اُن کے گھر اُترا ہوا ہے تو غریب

اعطِ ما شاؤا و راضوا وارضهم — یا ظعینا ساکنا فی ارضهم
جو وہ مانگیں کر کے راضی دے اُنہیں — کیونکہ تو ساکن ہے اُن کے ملک میں

تا رسیدن در شہ و در ناز خویش — رازیا با مرغزی میساز خوش
پہنچے جب تک اپنے شہ تک ناز خواہ — مرغزیؔ[۱] سے رَے کے باشندے نباہ

موسیا در پیش فرعون زمن — نرم باید گفت قولاً لیّنا!
اے کلیمؑ اس دہر کے فرعون سے — گفتگو لیں نرم کرنی چاہیے

آب را در روغن جوشاں کنی — دیگدان و دیگ را ویراں کنی
پانی گر ڈالے اُبلتے تیل میں — دیگچی اور چولھا کب باقی رہیں

نرم گو لیکن مگو غیر صواب — وسوسہ مفروش در لین الخطاب
نرم باتیں کر مگر کر ٹھیک ہی — وسوسے میں تا نہ پڑ جائے کوئی

وقتِ عصر آمد سخن کوتاہ کن — ایکہ عصرت عصر را آگاہ کن
وقتِ عصر آیا سخن کوتاہ کر — ایسے ہیں ہمعصر کو آگاہ کر

---

[۱] مرغز اور رَے دونوں دو ملک ہیں ۔

گوے مر گلخوارہ را کہ قند بہ
نرمی نماید مکن طبعش ردہ

کہہ ہر اک گل خوار سے بہتر ہے قند
نامناسب نرمی کب ہے سود مند

نطق جاں را روضۂ جانیستی
گر حروف و صوت مستغنیستی

باغ ہے تو نطق جاں کے واسطے
اور مستغنی حروف و صوت سے

ایں سر خر در میان قند زار
اے بسا کس را کہ بنہاد ست خار

ان گدھوں نے درمیان قند زار
ہیں لگائے واسطے لوگوں کے خار

ظن ببرد از دور کایں آنست و بس
چوں لب قمح مغلوب وا میرفت پس

دور سے لیتا ہے جو ہے دیکھتا
جس طرح پیچھے چلے مینڈھے کا دیا

صورت حرف آں سر خر دان یقیں
در رز معنی و فردوس بریں

ہیں سر خر صورتیں حرفوں کی ہاں
جو ہیں معنی کے گلستاں میں عیاں

اے ضیاء الحق حسام الدین بیار
ایں سر خر را از یں بطیخ زار

اے حسام الدین نکال اب جلد سے
ان گدھوں کو خربزوں کے کھیت سے

تا سر خر چوں بمرد از مسلخہ
نشو دیگر باشدش زیں مطبخہ

یہ سر خر جو کہ ہے مردہ پڑا
از سر نو پائے اک نشو و نما

ہیں ز ما صورتگری و جاں ز تو
نے غلط ہم ایں ز تو ہم آں ز تو

ہیں مصور جان بخشی تجھ سے ہے
بلکہ یہ بھی اور وہ بھی تجھ سے ہے

مثنوی صورت اید و جانش توئی
ہم جہت ہم نور و ارکانش توئی

مثنوی صورت ہے اس کی جان تو
ہے جہت اور نور اور ارکان تو

بر فلک محمودی اے خورشید فاش
بر زمیں ہم تا ابد محمود باش

تیری شہرت عالم بالا میں بھی
رہ سدا محمود اس دنیا میں بھی

تا زمینی با سمائی بلند
یکدل و یک قبلہ و یک خو شوند

تا کہ اہل ارض و چرخ اے محو جو
ایک دل اک قبلہ ہوں اور ایک خو

تفرقہ برخیزد و شرک و دوئی
وحدت است اندر وجودِ معنوی
تفرقہ مٹ جائے اور شرک و دوئی
وحدت آرا ہے وجودِ معنوی

چوں شناسد جانِ من جانِ ترا
یاد آرد اتحادِ ماجرا
ہو مری جان تیری جان سے آشنا
یاد آئے اتحادِ ماجرا

موسیٰؑ و ہاروں شوند اندر زمیں
مختلط خوش ہمچو شیر و انگبیں
موسیٰؑ اور ہارونؑ ہوں زیرِ زمیں
وصل باہم جیسے شیر و انگبیں

چوں شناسد اندک او منکر شود
منکری اش پردۂ ساتر شود
کم شناسی سے کوئی منکر ہو گر
ہو یہی انکار پردہ سر بسر

پس شناسائی بگرداند رو
خشم کرد آں مہ ز ناشکریٔ او
سب کہیں ۔ ہے معرفت اس [illegible]
اس کی ناشکری سے ہو کر بس خفا

زیں سبب جانِ نبیؐ را جانِ بد
ناشناسا گشت و پشتِ پائے زد
اس لئے جانِ نبیؐ کو جانِ بد
کچھ نہ پہچانی ۔ دے دیا ہے اس کو کد

این ہمہ خواندی فرو خواں لم یکن¹
تا بدانی پیچِ آں کینِ کہن
پڑھ چکا یہ سب تو اب پڑھ لم یکن
تا تو سمجھے پیچ ہے کیسا کہن

پیش ازاں کز نقشِ احمدؐ فر شود
نعتِ او ہر گبر را تعویذ بود
جب نہ ظاہر تھے جنابِ مصطفیٰؐ
تھی زباں ہر گبر کی محوِ ثنا

۱؎ یہ اس سورۂ بینہ کی طرف اشارہ ہے کہ لم یکن الذین کفروا من اہل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیہم البینۃ ۔ یعنی کافر اہلِ کتاب سے نہ تھے ۔ اور نہ مشرک اور بت پرست تھے ۔ اپنے دین سے جدا ہونے والے اور اتباعِ رسولؐ کا وعدہ کرنے والے یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ آیا ۔ یعنی حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔

کاین چنیں کس ہست تا آید پدید   از خیالِ رُوش دل شاں می طپید
ہاں اک ایسا شخص ہوگا آشکار   اُن کے دل اس کے لئے تھے بیقرار

آنحضرتؐ سے پہلے یہود و نصارٰی کا اُن پر اعتقاد

سجدہ میکردند کاے ربِّ بشر   در عیاں آرش ہر چہ زودتر
سجدے کرتے تھے کہ اے ربِّ بشر   کر عیاں اُس کو جہاں میں زود تر

تا بنامِ احمدؐ از یستفتحون   یاغیاں شاں میشدندے سرنگوں
نامِ احمدؐ سن کے اور یستفتحون[1]   باغی ہو جاتے تھے اُن سے سرنگوں

ہر کجا حربِ مہولے آمدے   غوثِ شاں کرّارِ احمدؐ بُدے
جس جگہ ہوتی لڑائی ہولناک   ان کی کرتا تھا اعانت نامِ پاک

ہر کجا بیماریِ مزمن بُدے   یادِ او شاں را دوائے شافی شدے
جس پہ بیماری کی آتی تھی بلا   یاد ان کی اس کو دیتی تھی شفا

نقشِ او میگشت اندر راہِ شاں   در دل و در گوش و در افواہِ شاں
صورتِ احمدؐ تھی اُن کے سامنے   گوش و دل میں اور منہ میں شوق سے

نقشِ او را کے بیابد ہر شغال   بلکہ فرعِ نقشِ او یعنی خیال
صورت ان کی دیکھتا ہے کب شغال[2]   بلکہ فرعِ نقش بھی یعنی خیال

نقشِ او بر روئے دیوارا وفتد   از دلِ دیوار خونِ دل چکد
نقش اُن کا گر پڑے دیوار پہ   اس کے دل سے خوں ٹپکے سربسر

---

[1] کما قال اللہ تعالیٰ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ "وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ" یعنی یہود و نصارٰی بعثت سے قبل پیغمبر صلعم اُن کے نام سے وسیلہ ڈھونڈتے تھے تاکہ مشرکین پر فتح پائیں۔ جب آیا تو اسکو نہ پہچانا۔ اور اُس سے منکر ہو گئے +

[2] یعنی دو رنگ - منافق +

آنچناں فرخ بود نقشش برو	کرد چوں در حال دیوار از دو رو
وہ مبارک نقش جب اُس پر پڑے	دو رُخی دیوار کی جاتی رہے
گشتہ با یکرو شُدے اہل صفا	آں دو روئی عیب مر دیوار را
ہو گیا یک رنگی اہل صفا	وہ دوئی جو عیب ہے دیوار کا
اغلبہ انکار و کفراں زاد شاں	چوں در آمد سیّد آخر زماں
ہو گئے منکر وہ کافر بیگماں	جبکہ آئے سیّد آخر زماں
آں ہمہ تعظیم و تفخیم و وِداد	چوں بدیدندش بصورت برد باد
وہ محبت اور وہ تعظیم و صفا	آپ کی صورت جو دیکھی کچھ نہ تھا
قلب آتش دید و در دم شد سیاہ	قلب را در قلب کے بودست راہ
آنچ کھوٹے کو دی کالا پڑا	قلبؔ کا ہو قلب میں کیا راستا
قلب میزد لافِ اشواقِ محک	تا مریداں را در اندازد بشک
کھوٹے کو شیخی سے تھا شوقِ محک	تا مریدوں کو دے آئے کوئی شک
افتد اندر دام مکرش ناکسے	ایں گماں سر بر زند از ہر کسے
کہ میں نا اہل اُس کے جا پھنسیں	اور وہ دل میں گماں ایسا کریں
کایں اگر نہ نقدِ پاکیزہ بُدے	کے بسنگِ امتحاں راغب شدے
ہاں اگر یہ نقدِ پاکیزہ نہ تھا	کیوں کسوٹی کی طرف راغب ہوا
ہیچ او لافِ محک نے یدن زدے	یا بسنگِ امتحاں شوقش بُدے
آزمائش کیوں وہ اپنی چاہتا	شوق ہوتا کیوں کسوٹی کا بھلا
او محک میخواہد اما آنچناں	کہ نگردد قلبیِ او زاں عیاں
چاہتا ہے وہ کسوٹی بے گماں	جس سے کھوٹا پن نہ ہو جائے عیاں

لہ یعنی کھوٹا۔

گر بگویم تا قیامت زیں کلام
صد قیامت بگذرد ویں ناتمام

گر کہوں میں تا قیامت یہ کلام
سو ہوں محشر اور رہے یہ ناتمام

آں محک کہ او نہاں دارد صفت
نے محک باشد نہ نور معرفت

جو محک رکھے چھپانے کی صفت
وہ کسوٹی ہے نہ نور معرفت

آئینہ کو عیب رو دارد نہاں
از برائے خاطر ہر قلتباں !

آئینہ جو عیب کو کرے نہاں
دیکھنے والے پہ ہو کر مہرباں

آئینہ نبود منافق باشد او
اینچنیں آئینہ را ہرگز مجو

آئینہ کب ہے منافق ہے عیاں
ایسا آئینہ نہ ڈھونڈ اے جان جاں

آئینہ جو راست گوئے بے نفاق
ختم کن واللہ اعلم بالوفاق

ڈھونڈ ایسا جو ہو سچا بے نفاق
ختم کر واللہ اعلم بالوفاق

تا کہ عین آئینت سازد خدا
کہ نمائی عرش را ہمچوں سما

تا بنا دے عین آئینہ خدا
عرش آ جائے نظر مثل سما

عرش چہ و چرخ چہ اے لباب
فہم کن واللہ اعلم بالصواب

عرش کیا اور چرخ کیا دانش مآب
بس سمجھ واللہ اعلم بالصواب

سنہ محبت ◆

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۲	طبیبان الہٰی کا امراض دل و دین کو معلوم کرنا۔	۱۹۰
۷۳	حضرت بایزید رح کی داستان۔	۱۹۱
۷۴	حضرت بایزید رح کا جواب۔	۱۹۲
۷۵	حضرت ابو الحسن خرقانی رح کی پیدائش۔	۱۹۶
۷۶	صوفی کے وظیفہ و دل ویران کا نقصان	۱۹۷
۷۷	حکایت غلام کی طرف رجوع	۱۹۸
۷۸	غلام شاہ کا غمگین ہونا	۲۰۰
۷۹	حضرت سلیمانؑ پہ ہما کا شیر کھا چلنا۔	۲۰۱
۸۰	ابو الحسن رح کا اپنے متعلق خبر سننا۔	۲۰۲
۸۱	غلام کا دوسرا رقعہ لکھنا۔	۲۰۵
۸۲	ارشاد نبوی عاقل و احمق کے متعلق۔	۲۰۶
۸۳	کسی سے مشورہ کرنے والے شخص کا قصہ	۲۰۹
۸۴	آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک ہذیلی جوان کو امیر لشکر بنانا۔	۲۱۱
۸۵	رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پہ اعتراض	۲۱۵
۸۶	معترض کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جواب	۲۲۰
۸۷	حضرت بایزید رح اور اُن کے مرید۔	۲۲۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۸	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے معترض کی فضول گوئی کا سبب۔	۲۲۰
۸۹	آنحضرت کا سبب بیان فرمانا	۲۲۹
۹۰	پورے اور آدھے عاقل وغیرہ کی علامتیں۔	۲۳۲
۹۱	چشمہ شکاری اور تین مچھلیاں۔	۲۳۳
۹۲	حب الوطن شعبۃ من الایمان کا راز	۲۳۴
۹۳	استنجے کے وقت ناک کی دعا پڑھنے والا شخص	۲۳۵
۹۴	ایک مرغ کا قصہ	۲۳۸
۹۵	نیم عاقل مچھلی کا تدابیر سوچنا۔	۲۴۱
۹۶	گرفتاری و ندامت کے وقت احمق کا عہد	۲۴۳
۹۷	فرعون اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کا مکالمہ۔	۲۴۵
۹۸	عمارت ویرانی میں اور جمعیت پریشانی میں ہے۔	۲۴۸
۹۹	حضرت موسےٰ کا فرعون کو دھمکی سے جواب دینا۔	۲۵۰
۱۰۰	فرعون کا جواب	
۱۰۱	حضرت موسےٰ علیہ السلام کا اپنی جادوگری سے انکار	۲۵۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۲	ہر حس مدرک کو آدمی سے بھی دوسری مدرکات ہیں	۲۵۳
۱۰۳	ان دنیا والوں کا اُن دنیا والوں پہ حملہ	۲۵۹
۱۰۴	جسم انسانی جوہر ذی آئینہ ہے ۔	۲۶۲
۱۰۵	حضرت موسےٰؑ کا فرعون کے راز کھولنا ۔	۲۶۴
۱۰۶	توبہ کا دروازہ کھلا ہے ۔	۲۶۶
۱۰۷	حضرت موسےٰؑ کا فرعون سے ارشاد	۲۶۷
۱۰۸	حضرت موسےٰؑ کا دو جہانوں فضیلتیں بیان کرنا ۔	۲۶۹
۱۰۹	کُنتُ کَنزاً مخفیاً کی تفسیر	۲۷۱
۱۱۰	تصورات طبیعت پر مغرور ہوتا ۔	۲۷۳
۱۱۱	حضرت موسےٰؑ کا تیسرا وعدہ بیان کرنا کرنا ۔	۲۷۴
۱۱۲	تُقْتَلُوا النَّاسَ عَلٰی قَتْلِ مُعقُولِہِم کی تفسیر ۔	۲۷۵
۱۱۳	من بشرنی بخروج صفر بشرتہ بالجنۃ کی تفسیر ۔	۲۷۶
۱۱۴	فرعون کا اپنی بیوی سے مشورہ کرنا ۔	۲۷۸
۱۱۵	باز بادشاہ اور بڑھیا کی مثال	۲۸۳
۱۱۶	ایک عورت کا حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کے پاس آنا ۔	۲۸۵
۱۱۷	خیراً موصوف فان لو ما فلک رطیفاً ناری کی تفسیر ۔	۲۹
۱۱۸	فرعون کا ہامان سے مشورہ ۔	۲۹۱
۱۱۹	ہامان بے ایمان کی باتوں کی تردید ۔	۲۹۳
۱۲۰	موسےٰ علیہ السلام کی نااُمیدی ۔	۲۹۴
۱۲۱	آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سرداران عرب کا جھگڑا	۲۹۷
۱۲۲	سیلاب کی آمد اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی فتح ۔	۲۹۸
۱۲۳	حضرت موسےٰؑ کا فرعون کو ڈرانا اور مجبور کرنا ۔	۳۰۰
۱۲۴	عارف بہشت و دوزخ کو نہیں پوچھتا ۔	۳۰۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۵	سنی اور فلسفی کی بحث۔	
۱۲۶	سنی اور فلسفی کا بحث میں گھسنا	۳۰۶
۱۲۷	وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کی تفسیر	۳۰۹
۱۲۸	حق تعالےٰ کا حضرت موسےٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجنا	۳۱۲
۱۲۹	ایک بادشاہ کی مصاحب سے خفگی۔	۳۱۵
۱۳۰	معتوب کا غصے ہو کر سفارشی سے دوستی قطع کرنا	۳۱۷
۱۳۱	حضرت جبرائیل اور حضرت خلیل علیہم السلام کی گفتگو	۳۱۹
۱۳۲	حضرت موسےٰؑ اور اللہ تعالےٰ میں سوال وجواب۔	۳۲۲
۱۳۳	روح حیوانی چھاچھ اور روح وحی روغن ہے۔	۳۲۵
۱۳۴	اسی مطلب کی دوسری مثال۔	۳۲۸
۱۳۵	ایک شہزادے کا بادشاہ حقیقی کی صورت دیکھنا۔	۳۳۲
۱۳۶	شادی کی تدبیر کرنا۔	۳۵۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳۷	ایک زاہد کی لڑکی سے شہزادے کی شادی۔	۳۳۶
۱۳۸	شہزادے پر ایک بڑھیا کا جادو کرنا۔	۳۳۸
۱۳۹	بادشاہ کی دعا کا قبول ہونا۔	۳۳۹
۱۴۰	اور بڑھیا ساحرہ کون ہیں۔	۳۴۳
۱۴۱	قحط میں خوش رہنے والا زاہد۔	۳۴۸
۱۴۲	عقل کل کی ضرورت ہے۔	۳۵۰
۱۴۳	حضرت عزیزؑ کے لڑکوں کا قصہ	۳۵۱
۱۴۴	اِنِّی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ کی تفسیر	۳۵۲
۱۴۵	قبر سے آگے نہیں دیکھ سکتی	۳۵۵
۱۴۶	یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا کی تفسیر۔	۳۵۹
۱۴۷	اونٹ اور خچر کا قصہ	۳۶۳
۱۴۸	خچر کا اونٹ کے جواب کی تصدیق کرنا	۳۶۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۹	ایک قبطی کا سبطی کی خوشامد کرنا۔	۳۶۸	۱۵۶	دوزخ کی مخلوق بھوکی اور نالاں ہے۔	۳۹۲
۱۵۰	قبطی کا سبطی سے طالب دعا ہونا۔	۳۷۴	۱۵۷	ذوالقرنین کا کوہ قاف جانا	۳۹۶
۱۵۱	پلید عورت کی حکایت	۳۷۹	۱۵۸	چیونٹیوں کی گفتگو	۳۹۷
۱۵۲	حضرت موسےٰؑ کا باقی قصہ	۳۸۲	۱۵۹	ذوالقرنین کا کوہ قاف سے کچھ التماس کرنا	۳۹۸
۱۵۳	قبطیوں کا مشکل میں گرفتار ہونا۔	۳۸۴	۱۶۰	جبرئیل کا آنحضرتؐ کو اپنی اصلی صورت دکھانا۔	۴۰۱
۱۵۴	حضرت موسےٰؑ کا دعا کرنا۔	۳۸۶	۱۶۱	آنحضرتؐ سے پہلے موجود نصاریٰ کا آپ پر اعتقاد	۴۱۰
۱۵۵	آدمی کی پیدائش کے فطری طریقے۔	۳۸۸			

تمت